دار الثقلین

خطبات، فرمودات و مکتوباتِ

حسین ابنِ علیؑ

مدینہ تا کربلا

محمد صادق نجمی

خطبات، فرمودات ومکتوبات

حسین ابن علیؑ

مدینہ تا کربلا

تالیف

حجت الاسلام محمد صادق نجمی (قم۔ایران)

ترجمہ

سید علی مرتضیٰ زیدی

یکے از مطبوعاتِ

پوسٹ بکس نمبر ۲۱۳۳۔کراچی ۷۴۶۰۰۔پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

P.O. Box No. 2133,
Karachi-74600 Pakistan

نام کتاب: خطبات، فرمودات و مکتوباتِ حسین ابن علیؑ مدینہ تا کربلا

تالیف: حجت الاسلام محمد صادق نجمی

ترجمہ: سید علی مرتضٰی زیدی

نظر ثانی: سید سعید حیدر زیدی

ناشر: دار الثقلین

طبع اوّل: صفر المظفر ۱۴۲۴ھ، اپریل ۲۰۰۳ء

طبع چہارم: محرم الحرام ۱۴۳۲ھ، مطابق دسمبر ۲۰۱۰ء

قیمت: ۱۸۰ روپے

فہرست

تیسرا حصہ: کربلا میں ۲۰۹

عرضِ ناشر

زیرِنظر کتاب، سید الشہدا حسین ابن علیؑ کے ان خطبات، فرمودات اور مکتوبات کے متن، ان کے ترجمے اور تشریح پر مشتمل ہے جو اپنی انقلابی تحریک کے دوران مدینہ سے مکہ، مکہ سے کربلا اور وہاں اپنی شہادت تک کے درمیانی عرصے میں آپؑ کی زبانِ مبارک سے صادر ہوئے، یا جنہیں آپؑ نے مختلف افراد اور گروہوں کے نام تحریر فرمایا۔

یہ کتاب حوزۂ علمیہ قم سے تعلق رکھنے والے عالمِ دین حجت الاسلام محمد صادق نجمی کی قلمی کاوش ہے۔ فاضل مولف نے اس کتاب میں سن ساٹھ ہجری کے ماہِ رجب سے اکسٹھ ہجری کے ماہِ محرم کی دس تاریخ کو وقتِ عصر تک امام حسینؑ کے ارشاد فرمائے ہوئے خطبات اور مختصر کلمات نیز تحریر کردہ مکتوبات اور وصایا کو ترتیب کے ساتھ کچھ اس انداز سے جمع کیا ہے، ان کی ایسی محققانہ تشریح کی ہے اور ان سے مربوط تاریخی واقعات اور شخصیات کے احوال کو کچھ اس طرح ضبطِ تحریر میں لائے ہیں کہ یہ کتاب واقعۂ کربلا کی ایک تفصیلی روئیداد ہونے کے ساتھ ساتھ، حسین ابن علیؑ کی تحریک کے مقاصد و محرکات پر بھی روشنی ڈالتی ہے، اس دور کے معاشرے اور دینی شخصیات کے اندازِ فکر کو بھی سامنے لاتی ہے، ساتھ ہی روزِ عاشور انصار و اصحابِ حسینؑ، جوانانِ بنی ہاشم اور خود امام

حسینؑ کی جنگ و جہاد، رجز خوانی اور شہادت کے احوال کے بیان کی وجہ سے ایک مستند مقتل بھی بن گئی ہے۔

فارسی زبان میں یہ کتاب ((جامعہ مدرسین حوزۂ علمیہ قم)) سے وابستہ اشاعتی ادارے ((دفترِ انتشاراتِ اسلامی)) نے ((سخنانِ حسین ابن علیؑ از مدینہ تا کربلا)) کے نام سے شائع کی، جسے ہاتھوں ہاتھ لیا گیا، اور اب تک اسکے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

اپنی ندرت، انداز اور اعتبار کے حوالے سے علمائے کرام کے حلقوں میں مقبول اس کتاب کا اردو ترجمہ جناب حجت الاسلام سید علی مرتضٰی زیدی نے کیا ہے، جس کیلئے ہم جنابِ عالی کے ممنون اور شکر گزار ہیں اور ان تمام احباب کیلئے دعا گو ہیں جنہوں نے اس کتاب کی اشاعت کے سلسلے میں ہمارے ساتھ تعاون کیا۔ امید ہے یہ کتاب اردو داں قارئین سے بھی قبولیت کی سند پائے گی۔

ہم اپنے معزز قارئین کی آرا، مشوروں اور تجاویز کے ہمیشہ منتظر رہتے ہیں۔

والسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

اکثر مصنفین اور تجزیہ نگاروں نے حسین ابن علیؑ کی مقدس تحریک اور آپؑ کے بپا کردہ انقلاب کا کسی ایک پہلو اور کسی ایک رخ سے جائزہ لیا ہے اور صرف اسی پہلو کو اس تحریک کا محرک اور سبب قرار دیا ہے۔ اس دوران کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ وہ مختلف محرکات و اسباب جو اس تحریک اور انقلاب کی صورت گری میں موثر تھے اور جو اہمیت کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف درجے رکھتے تھے، آپس میں خلط ملط ہو گئے اور فروعی مسائل اور اصل اور بنیادی مسائل کے درمیان تمیز نہ رہی۔ نیز کبھی یوں بھی ہوا کہ فروعی پہلو اتنی زیادہ توجہ کا مرکز رہے اور ان کے بارے میں اتنا زیادہ اہتمام کیا گیا کہ اصل اور بنیادی اسباب و محرکات فراموش ہو گئے۔

اس ابہام اور عدم توازن کی وجہ یہ ہے کہ اس حیرت انگیز قیام و انقلاب اور اس عظیم تاریخی تحریک کے دوران کبھی تو انکارِ بیعت کی بات آئی ہے اور کبھی امامؑ نے اپنے خطبات میں برائیوں کے پھیلاؤ اور اسلامی احکام میں تغیر و تبدل کے مسئلے پر شدید تنقید کی ہے اور حلالِ خدا کے حرام کئے جانے اور حرامِ خدا کے حلال کئے جانے کو اپنے قیام کا محرک اور سبب بیان کیا

ہے۔ کسی دوسرے مقام پر ہم دیکھتے ہیں کہ امامؑ کو دی جانے والی اہلِ کوفہ کی دعوت کو موضوع بحث بنایا گیا ہے اور اسی طرح دوسرے محرکات کا تذکرہ ملتا ہے۔

امام حسین علیہ السلام کے وہ خطبات، تقاریر، مختصر گفتگوئیں اور آپؑ کے متعدد مکتوبات جو مدینہ سے کربلا تک سفر کے دوران اور آپؑ کے جامِ شہادت نوش کرنے تک آپؑ سے نقل ہوئے ہیں، ان تشریحات کے ساتھ جن کا اس کتاب میں اضافہ کیا گیا ہے، اس مسئلے کی وضاحت کر سکتے ہیں اور ایک حد تک ان مذکورہ محرکات واسباب کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہیں۔

قیامِ عاشورا کے محرک وسبب کے اس انتہائی اہم اور حساس موضوع سے قطع نظر کسی بھی کتاب مقالے اور کسی بھی مورخ، مصنف اور عالم کے اظہارِ خیال سے زیادہ خود حسین ابن علیؑ کے کلام کے ذریعے آنجنابؑ کی شخصیت، ثباتِ قدم، عالی نسبی، شجاعت اور معنویت سے آگاہ ہوا جا سکتا ہے۔

امامؑ کے فرمودات کی اس خاص اہمیت کے باوجود، جہاں تک ہمارے علم میں ہے، امامؑ کے یہ کلمات جو تاریخ اور حدیث کی کتابوں میں جگہ جگہ اور مختلف مناسبتوں سے نقل ہوئے ہیں اب تک مکمل طور پر ایک علیحدہ مجموعے کی صورت میں جمع نہیں کئے جا سکے ہیں۔ اسی بنیاد پر راقم نے امام حسینؑ کے ان کلمات کو جو مدینہ سے کربلا اور پھر آپؑ کی شہادت تک کے درمیانی عرصے میں آپؑ کی زبانِ مبارک پر جاری ہوئے اور ان مکتوبات کو جو آپؑ نے اس عرصے میں تحریر کئے مختلف ماخذ سے جمع کر کے ایک مجموعے کی صورت میں محبانِ حسینؑ کی خدمت میں پیش کرنے کی ذمے داری اپنے کاندھوں پر لی۔

پھر اس غرض سے کہ یہ کلام عام لوگوں کے لئے بھی قابلِ استفادہ ہو جائے اور اس کے ذریعے حسین ابن علیؑ کے قیام وانقلاب کا اصل محرک اور سبب بھی بیان ہو جائے، اس کلام کے ترجمے کے ساتھ ساتھ بعض مقامات پر ضروری تشریحات اور ان سے حاصل ہونے والے نتائج کا اضافہ بھی کیا ہے۔ البتہ یہاں چند نکات کی یاددہانی ضروری ہے:

۱- جیسا کہ کتاب کے نام سے ظاہر ہے اس میں امام حسینؑ کے صرف وہی خطبات، کلمات اور مکتوبات جمع کئے گئے ہیں جو مدینہ سے کربلا تک کے سفر کے دوران آپؑ سے نقل ہوئے ہیں۔ امامؑ کی پوری زندگی میں آپؑ سے صادر ہونے والے لازوال اشعار اور عمدہ اور کثیر احادیث جنہیں حدیث اور تاریخ کی مختلف کتب میں نقل کیا گیا ہے، ان کے لئے علیحدہ سے ایک یا متعدد مجموعوں کی ضرورت ہے اور امید ہے کہ (انشاء اللہ) مستقبل قریب میں «مواعظ وسخنانِ حسین ابن علیؑ» کے نام سے قارئین کی خدمت میں پیش کئے جائیں گے۔

۲- مدینہ سے شہادت تک امام حسینؑ کے کلام کے بارے میں بھی ہمارا دعویٰ یہ نہیں ہے کہ اس مجموعے میں امامؑ کا تمام کلام جمع کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ معتبر اور موثق منابع و ماخذ (Sources) سے امامؑ کے کلام کی جمع آوری کے لئے ہماری انتہائی کوششوں کے باوجود ممکن ہے کسی ایسے مجموعے تک ہماری رسائی نہ ہوسکی ہو جس میں امامؑ کا ایسا کلام موجود ہو، یا دوسرے اسباب مثلاً کسی معتبر ماخذ تک رسائی نہ ہونے کی وجہ سے ہم نے اسے اس مجموعے میں درج کرنے سے گریز کیا ہو۔ اس بنیاد پر اگر اس کتاب کو «سخنانِ حسین ابن علیؑ» کی بجائے «حسین ابن علیؑ کا منتخب کلام» کا عنوان دیا جائے تو حقیقت سے زیادہ قریب ہوگا۔

۳- اس تالیف میں امام حسین علیہ السلام کے خطبات، کلمات، مکتوبات کے عین متن کو جمع کیا گیا ہے، مدینہ سے کربلا تک سفر کے مختلف مراحل میں امامؑ کی وہ باتیں، جن کے مفہوم ومعنی نقل کئے گئے ہیں، وہ اس کتاب کے موضوع سے خارج ہیں۔

آخر میں اس نکتے کی جانب بھی توجہ مبذول رہنی چاہئے کہ امامؑ کے پرنور کلمات کے ساتھ ساتھ کتاب میں ان تاریخی، علمی اور کلامی نکات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے، جن سے آشنائی ہر دیندار مسلمان کے لئے ضروری ہے۔

امید ہے کہ یہ کتاب سلیمانِ کربلا حضرت ابا عبداللہ الحسین روحی وارواح العالمین لہ

الفدا کی بارگاہ میں ایک حقیر نذرانہ اور اس دن کے لئے ایک ذخیرہ ثابت ہوگی جس دن نہ مال کام آئے گا نہ آل اولاد۔

محمد صادق نجمی

قم المقدس

۲۰ جمادی الثانی ۱۴۰۱ھ

یوم ولادت حضرت فاطمۃ الزہرا علیہا السلام

مدینہ سے مکہ تک

۱

مدینہ کے گورنر سے خطاب

"اَیُّهَا الأمیرُ اِنّا اَهلُ بَیتِ النُّبُوَّةِ وَ مَعدنُ الرِّسالَةِ وَمُختَلَفُ المَلائکَةِ وَ مَهبَطُ الرَّحمَةِ بِنا فَتَح الله وبِنایَختِمُ . وَیزیدُ رَجُلٌ شارِبُ الْخَمرِ وَ قاتِلُ النَّفسِ المُحتَرَمَةِ مُعلِنٌ بِالْفِسقِ وَ مِثلي لا یُبایِعُ مِثْلَهُ وَ لکِنْ نُصبِحُ وَتُصْبِحُونَ وَنَنْظُرُ وَ تَنْظُرُونَ اَیُّنا اَحَقُّ بِالْخِلافَهِ وَالْبَیْعَةِ." (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

مُخْتَلَف (لام پر زبر کے ساتھ): آمد و رفت کی جگہ۔ مَهْبَط: اترنے کا مقام۔ نفس محترمة: ہر وہ انسان جس کا قتل (خون بہانا) حرام ہو۔ نُصْبِحُ وَ تُصْبِحُونَ (اَصْبَحَ سے ماخوذ ہے): صبح کرنا، یہاں کنائے کے طور پر مستقبل کے لئے استعمال ہوا ہے۔ نَنْظُرُ (نَظَرَ سے ماخوذ ہے): انتظار اور کسی کام پر غور و فکر کے معنی میں ہے۔

۱۔ تاریخ طبری۔ ج ۷۔ ص ۲۱۶ اور ۲۱۸، تاریخ ابن اثیر۔ ج ۳۔ ص ۲۶۳ اور ۲۶۴، ارشاد مفید۔ ص ۲۰۰، مثیر الاحزان۔ ص ۱۰، مقتل خوارزمی۔ ص ۱۸۲، مقتل لہوف۔ ص ۱۹۔

خطبات یا امام حسینؑ کے فضائل

امام حسینؑ کے خطبات کی تشریح سے پہلے' ہم اس نکتے کی جانب توجہ دلانا ضروری سمجھتے ہیں کہ عام طور پر حسین ابن علیؑ کی حیاتِ طیبہ' سید الشہداءؑ کی شہادت' یا امام عالی مقامؑ کی شخصیت کے بارے میں جو کتب لکھی جاتی ہیں ان کے ابتدائی صفحات امام حسینؑ کے ذاتی اوصاف' ان کے مذہبی' روحانی اور معاشرتی مقام اور ان کے فضائل کے بارے میں نقل ہونے والی احادیث اور روایات کے لئے مخصوص کئے جاتے ہیں۔ اس دستور کے برخلاف ہم نے اس کتاب میں ابتدا ہی سے اصل موضوع یعنی ((امام حسینؑ کے کلام)) سے گفتگو کا آغاز کیا ہے۔ ہم نے اپنی اس کتاب میں عام طور پر رائج اس طریقۂ کار کو اپنانے کی ضرورت محسوس نہیں کی کیونکہ نہ صرف اس کتاب کی ابتدا از خود حسین ابن علیؑ کی ایک نمایاں ترین فضیلت :اِنَّا اَھلُ بَیتِ النُّبُوَّةِ وَ مَعدِنُ الرِّسَالَةِ سے ہوئی ہے' بلکہ اسکا اختتام بھی' امامؑ کی ایک انتہائی نفیس مناجات ((اَللّٰھُمَّ مُتَعَالَی الْمَکَانِ عَظِیمَ الْجَبَرُوتِ)) سے ہوا ہے' جو آپؑ کے فضائل کے بیان کے لئے کافی ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس کتاب کے تمام ہی صفحات پر امام عالی مقامؑ کے خطبات وکلمات پھیلے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ہر خطبہ اور کلام اہل معرفت کے نزدیک امامؑ کی عظمت اور عالی مرتبت کو بیان کرنے میں فضائل کے مکمل دیوان سے بڑھ کر ہے۔ لہٰذا اگر ہم اس کتاب کا عنوان ((سخنان حسین ابن علیؑ)) کی بجائے ((فضائل حسین ابن علیؑ)) رکھیں تب بھی غلط نہ ہوگا۔

ترجمہ اور تشریح

سن ساٹھ ہجری کے ماہِ رجب کے تقریباً نصف میں' معاویہ کی موت کے بعد' یزید ابن معاویہ تخت خلافت پر بیٹھا۔ حکومت سنبھالتے ہی اس نے مختلف علاقوں میں تعینات اپنے گورنروں اور سرداروں کے نام خطوط ارسال کئے' اور ان خطوط کے ذریعے انہیں اپنے باپ کی

موت اور اپنی جانشینی سے مطلع کیا۔

معاویہ کی زندگی ہی میں یزید کی خلافت کا بندوبست کیا جا چکا تھا اور لوگوں سے اسکے لئے بیعت بھی لے لی گئی تھی۔ مذکورہ خطوط میں یزید نے ایک تو ان سب (گورنروں) کو ان کے عہدوں پر باقی رکھنے کی اطلاع دی اور دوسرے انہیں حکم دیا کہ وہ لوگوں سے اسکے لئے دوبارہ بیعت لیں۔

اسی مضمون کا ایک خط یزید نے ولید ابن عتبہ کے نام بھی ارسال کیا' جسے معاویہ نے مدینہ کا گورنر بنایا تھا۔ البتہ اس خط کے ساتھ علیحدہ سے ایک مختصر رُقعہ بھی تحریر کیا جس میں خاص طور پر ان تین معروف شخصیات سے بیعت لینے کی تاکید کی گئی تھی جنہوں نے معاویہ کے زمانے میں یزید کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس رُقعہ میں تحریر تھا: خُذِ الْحُسَیْنَ وَ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ وَعَبْدَ اللهِ بْنَ زُبَیْر اَخْذاً شَدِیداً لَیْسَتْ فِیْهِ رُخْصَةٌ حَتّیٰ یُبَایِعُوا. وَالسَّلامُ (حسین ابن علی' عبداللہ ابن عمر اور عبداللہ ابن زبیر پر سختی کرو' اور جب تک بیعت نہ کرلیں انہیں کوئی مہلت اور موقع نہ دو۔ والسلام)

رات کے ابتدائی حصے میں اس خط کے ملنے کے بعد' ولید ابن عتبہ نے مدینہ کے سابق گورنر مروان ابن حکم کو بلایا اور اس سے مذکورہ خط اور یزید کے حکم کے بارے میں مشورہ کیا۔ مروان نے تجویز دی کہ جس قدر جلدی ممکن ہو' ان افراد کو طلب کرو اور معاویہ کی موت کی خبر شہر میں پھیلنے سے پہلے' ان حضرات سے یزید کے لئے بیعت لے لو۔

ولید نے اسی وقت اپنے ایک کارندے کے ذریعے ان شخصیات کو یہ پیغام بھجوایا کہ ایک اہم اور حساس مسئلہ پیش آیا ہے' لہٰذا آپ فوراً تشریف لے آیئے۔

امام حسینؑ اور ابن زبیر' مسجد نبوی میں ایک دوسرے سے گفتگو میں مصروف تھے کہ ولید کا کارندہ اس کا یہ پیغام لے کر ان کے پاس آیا۔ ابن زبیر' رات کے اس پہر اس بے وقت بلاوے پر خوفزدہ ہو گئے لیکن امامؑ نے معاملے کو بھانپ لیا اور حالانکہ ابھی ولید سے آپؑ کی

ملاقات نہیں ہوئی تھی، پھر بھی ابن زبیر کو اصل معاملے کی خبر دیتے ہوئے فرمایا: اری انّ طاغِیتھم قد ھلک (میرے خیال میں ان (بنی امیہ) کا حاکم مرگیا ہے اور اس وقت ہمیں بلانے کا مقصد اس کے بیٹے کیلئے بیعت لینا ہے۔)

«مثیر الاحزان» میں نقل ہونے والی روایت کے مطابق امامؑ نے اپنی رائے کی تائید میں مزید فرمایا: میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ معاویہ کے گھر سے آگ کے شعلے بلند ہو رہے ہیں اور اس کا منبر منہدم ہو چکا ہے۔

اسکے بعد امامؑ نے اپنے اصحاب اور قریبی رشتے داروں میں سے تیس افراد کو مسلح ہو کر اپنے ساتھ چلنے کا حکم دیا اور انہیں ہدایت کی کہ دربار کے باہر تیار کھڑے رہیں اور جوں ہی ضرورت پیش آئے، مدد کیلئے اندر آجائیں۔

جیسا کہ امامؑ پیش گوئی فرما چکے تھے، ولید ابن عتبہ نے معاویہ کی موت کی اطلاع دی اور امامؑ کے سامنے یزید کی بیعت کا معاملہ پیش کیا۔

امامؑ نے جواب دیا: مجھ جیسے شخص کے لئے غیر علانیہ طور پر بیعت کرنا مناسب نہیں اور تم بھی ایسی بیعت پر راضی نہیں ہو گے، اور کیونکہ تم مدینہ کے تمام افراد کو تجدیدِ بیعت کی دعوت دے ہی رہے ہو، لہٰذا فیصلہ کر لینے کی صورت میں، ہم بھی، اس مجلس میں تمام مسلمانوں کے ساتھ انہی کی طرح بیعت کر لیں گے۔

یعنی کیونکہ یہ بیعت خدا کی رضا اور خوشنودی کے لئے نہیں ہے، بلکہ لوگوں کی توجہ مبذول کرانے اور انہیں دکھانے کے لئے ہے، لہٰذا اگر یہ ہو تو اسے علانیہ ہونا چاہئے، مخفیانہ نہیں۔

ولید نے امامؑ کی بات سے اتفاق کیا اور رات کے اس پہر بیعت لینے پر اصرار نہ کیا۔

امامؑ واپسی کے لئے اٹھنے لگے تو مروان بن حکم نے، جو اس مجلس میں موجود تھا، ولید کو اشارے سے یہ بات سمجھائی کہ اگر رات کے اس وقت، خاموشی سے حسین ابن علی سے بیعت نہ لے سکے تو اسکے بعد قتل و خوں ریزی کے بغیر ان سے بیعت لینا ممکن نہیں ہو گا۔ لہٰذا بہتر یہی ہے

کہ انہیں یہیں روک کر بیعت لے لو اور اگر انکار کریں تو یزید کے حکم کے مطابق ان کی گردن مار دو۔

امامؑ نے مروان کی یہ حرکت دیکھ لی اور اسے مخاطب کر کے فرمایا: یَا بْنَ الزَّرْقَاءِ اَنْتَ تَقْتُلُنِی اَمْ هُوَ کَذِبْتَ وَ اَثِمْتَ؟ (اے زرقا کے بیٹے! مجھے تو مارے گا یا ولید؟ تم جھوٹ بولتے اور گناہ کرتے ہو)۔ اسکے بعد آپؑ نے خود ولید کو مخاطب کیا اور فرمایا:

«اَیُّهَا الأمِیرُ اِنَّا اَهْلُ بَیْتِ النُّبُوَّةِ..... اے امیر! ہم خاندان نبوت اور معدنِ رسالت ہیں۔ ہمارے گھروں پر فرشتوں کی رفت و آمد رہا کرتی ہے، اور ہمارے خاندان پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو ہمارے گھرانے سے شروع کیا اور آخر تک ہمیشہ ہمارا گھرانہ اسلام کے ہمراہ رہے گا۔ لیکن یزید، جس کی بیعت کی تم مجھ سے توقع کر رہے ہو، اس کا کردار یہ ہے کہ وہ شراب خور ہے، بے گناہ افراد کا قاتل ہے، اس نے اللہ تعالیٰ کے احکام کو پامال کیا اور برسرِعام فسق و فجور کا مرتکب ہوتا ہے۔ مجھ جیسا شخص کسی صورت اس جیسے شخص کی بیعت نہیں کرے گا۔ اب ہم اور تم دونوں آنے والے وقت کا انتظار کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ہم میں سے کون خلافت اور بیعت کا زیادہ مستحق ہے»۔

دورانِ گفتگو اٹھنے والا شور و غل سن کر، امامؑ کے ہمراہ آنے والے افراد نے خطرہ محسوس کیا اور ان میں سے کچھ افراد ولید کے دربار میں داخل ہو گئے اور اس طرح امام حسینؑ، یزید ابن معاویہ کی بیعت یا اس موضوع پر کسی بھی قسم کی ساز باز کے سلسلے میں ولید کی امیدوں پر پانی پھیر دینے والی یہ گفتگو کر کے واپس تشریف لے گئے۔

نتیجہ: امامؑ کی اس گفتگو سے درج ذیل نکات حاصل ہوتے ہیں:

۱- امامؑ نے اس گفتگو میں اپنا یہ موقف کھلے لفظوں میں بیان کر دیا کہ وہ یزید کی بیعت اور اس کی حکومت کو غیر قانونی سمجھتے ہیں۔ انہوں نے اپنے خاندان کی ممتاز صفات اور معاشرے میں اپنے مقام کی وضاحت کرنے کے بعد (جو امتِ اسلامیہ کی امامت و رہبری کے لئے ان کے استحقاق کی بہترین دلیل ہے) یزید کی خامیوں کو بھی بیان کیا' جو امتِ اسلامیہ کی رہبری اور قیادت کے سلسلے میں اسکے دعوے کے جھوٹے ہونے اور اس منصب کے لئے اس کی نالائقی کی دلیل ہیں۔

۲- امامؑ نے اس گفتگو کے ذریعے اپنے قیام کے اسباب اور آئندہ کی پالیسی کو بھی مکمل طور پر واضح کر دیا۔

واضح رہے کہ امامؑ نے اپنی یہ پالیسی اسوقت بیان کی ہے جبکہ ابھی اہل کوفہ کے خطوط اور ان کی دعوت کا نام ونشان بھی نہ تھا۔ کیونکہ جب ولید کی طرف سے بیعت کا مطالبہ کیا گیا تو اس وقت یا تو اہلِ کوفہ معاویہ کی موت سے بے خبر تھے یا انہیں اسی وقت پتا چلا تھا جس وقت ولید نے امامؑ کو مطلع کیا تھا۔

جہاں تک امام حسینؑ کو اہل کوفہ کی دعوت کی بات ہے تو جیسا کہ ہم آئندہ صفحات میں بیان کریں گے یہ اس وقت دی گئی جب انہیں خبر ملی کہ امامؑ نے مطالبۂ بیعت مسترد کرنے کے بعد مکہ کی جانب روانہ ہو کر اپنے جراتمندانہ جہاد کا آغاز کر دیا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اگرچہ ظاہری طور پر امام حسینؑ کی جدوجہد اور ان کی شہادت کے پس پشت متعدد عوامل کارفرما تھے لیکن اس عظیم جہاد کا اہم ترین مقصد اس طاقت کو مٹانا تھا جو نہ صرف یہ چاہتی تھی کہ اپنی تمام تر کوتاہیوں اور خامیوں کے باوجود خلافتِ اسلامیہ کے منصب پر قابض ہو اور ظلم وفساد کی ترویج کرے اور امت اسلامی کو تباہی و بربادی سے دوچار کر دے بلکہ درپردہ اس کی خواہش یہ بھی تھی کہ مخالفت نہ ہونے کی صورت میں خلافتِ اسلامی کے نقاب میں چھپ

کر اسلام اور قرآن کے خلاف خاندانِ ابوسفیان کے ان منصوبوں کو عملی جامہ پہنائے جو رسولِ گرامیؐ کے زمانے میں جنگ و جدال کے ذریعے کامیاب نہیں ہو پائے تھے۔ درحقیقت اسی یزیدی قوت کو نیست و نابود کرنا وہ ذمے داری ہے جسے امامؑ نے اپنے بعض کلمات میں ((امر بالمعروف اور نہی عن المنکر)) سے تعبیر کیا ہے۔

امامؑ نے نہ صرف ولید کے ساتھ ہونے والی مذکورہ گفتگو میں اس نکتے کی طرف اشارہ فرمایا بلکہ دوسری مرتبہ اس وقت اس نکتے کو مکمل صراحت اور وضاحت کے ساتھ بیان کیا جب مروان بن حکم سے آپؑ کا سامنا ہوا۔ وہی مروان بن حکم جو اہل بیتؑ کا دیرینہ دشمن اور بنی امیہ کا خاص آلۂ کار تھا اور جسے معاویہ نے مدینہ کا گورنر منصوب کیا تھا۔

مروان بن حکم سے ہونے والی امامؑ کی اس گفتگو کو آئندہ صفحات میں بیان کیا جائے گا۔

۲

مروان بن حکم کے جواب میں

«اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ وَ عَلَى الْإِسْلَامِ السَّلَامُ اِذَا بُلِيَتِ الْاُمَّةُ بِرَاعٍ مِثْلِ يَزِيدَ وَلَقَدْ سَمِعْتُ جَدِّی رَسُولَ اللہ (ص) يَقُولُ : اَلْخِلَافَةُ مُحَرَّمَةٌ عَلٰى اٰلِ ابِی سُفْيَان فَاِذَا رَاَيْتُمْ مُعَاوِيَةَ عَلٰى مِنْبَرِی فَابْقَرُوا بَطْنَهُ وَقَدْرَآهُ اَهْلُ الْمَدِينَةِ عَلَى الْمِنبَرِ فَلَمْ يَبْقَرُوا فَابْتَلَاهُمُ اللہ بِيَزِيدَ الْفَاسِقِ.» (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

بُلِیَتْ (بَلیٰ سے یبلو کا صیغۂ مجہول): مصیبت میں مبتلا ہونا۔ اِبْقَرُوا (بقر یبقر سے): پھاڑ دینا، شکم چاک کرنا، کسی کو ذلت وخواری کے ساتھ قتل کرنے کا کنایہ ہے۔

ترجمہ اور تشریح

کتاب «لہوف» کے مصنف اور بعض دوسرے مورخین کے مطابق، اسی رات (جس کا

۱۔ لہوف۔ ص ۲۰، مثیر الاحزان۔ ص ۱۰، مقتل عوالم۔ ص ۵۳، مقتل خوارزمی۔ ج ۱۔ ص ۱۸۵۔

ذکر گزشتہ گفتگو میں ہوا) کے بعد آنے والی صبح کو سرِ راہ امامؑ اور مروان کا آمنا سامنا ہوا۔ مروان نے کہا: اے ابا عبداللہ! مجھے اپنا خیر خواہ سمجھئے، آپ کے لئے میرے پاس ایک تجویز ہے جسے قبول کرلیں تو آپ کی بھلائی ہے۔ امامؑ نے فرمایا: تمہاری تجویز کیا ہے؟ اس نے کہا: جیسا کہ کل رات ولید بن عتبہ کی مجلس میں بات ہوئی تھی، آپ یزید کی بیعت کرلیں، اسی میں آپ کے دین اور دنیا کی بھلائی ہے۔

مروان کی یہ تجویز سن کر امامؑ نے فرمایا:

"اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ..... اگر امت کی رہبری یزید جیسے شخص کے ہاتھوں میں ہو تو پھر اسلام پر فاتحہ پڑھ لینا چاہئے۔ میں نے اپنے جد رسول اکرمؐ سے سنا ہے کہ انہوں نے فرمایا: خلافت خاندانِ ابوسفیان پر حرام ہے اور اگر کبھی معاویہ کو میرے منبر پر دیکھو تو اسے قتل کردو۔ لیکن اہلِ مدینہ نے معاویہ کو منبر پر دیکھنے کے باوجود اسے قتل نہیں کیا اور اب (اس کی سزا میں) خدا نے انہیں یزید جیسے فاسق و فاجر (کی حکمرانی کی مصیبت) میں مبتلا کردیا ہے۔"

ائمۂ اطہارؑ کی جدوجہد کے دو مختلف انداز

جیسا کہ گزشتہ خطبے کی تشریح کے دوران بیان ہوا، اور امامؑ کے اس کلام سے بھی بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ امام حسینؑ نے مدینہ سے نکلنے سے قبل اور حکومتِ یزید کے ابتدائی ایام ہی میں، اس حکومت کے خلاف اپنے موقف (یعنی اس کے خلاف جہاد) کو انتہائی واضح الفاظ میں بیان کردیا تھا اور آخر تک امامؑ اسی موقف پر قائم رہے تھے۔

البتہ ہم اس موقع پر ظالموں اور جابروں کے مدِ مقابل ائمۂ ہدیٰ (علیہم السلام) کے بظاہر مختلف اور ایک دوسرے سے جدا نظر آنے والے رویّوں کے بارے میں ایک انتہائی بنیادی اور اصولی موضوع کی جانب قارئین کی توجہ مبذول کرانا انتہائی مناسب سمجھتے ہیں اور وہ

یہ ہے کہ:

ظلم وستم اور باطل حکومتوں کے خلاف جدو جہد صرف حسین ابن علیؑ کا خاصا نہیں ہے بلکہ تمام ائمۂ ہدیٰ علیہم السلام نے (جو اسلام کی بقا اور اس کے تحفظ کے ذمے دار تھے) اپنے اپنے ادوار میں یہ فریضہ انجام دیا ہے اور اس جدو جہد کی قیادت کی ہے۔ البتہ ائمۂ اطہارؑ نے اپنے ان دشمنوں کے خلاف' جو اسلام کو اپنے مقاصد اور تمناؤں کے لئے استعمال کرتے تھے اپنے اپنے حالات کے مطابق' دو ایک دوسرے سے علیحدہ نظر آنے والے اور مختلف دکھائی دینے والے اسلوب اختیار کئے ہیں۔ ایک علانیہ جدو جہد کا اسلوب اور دوسرا خفیہ جدو جہد کا طریقہ۔

ا۔ مخفی جدو جہد: جس موقع پر صورتحال ایسی ہو کہ دشمن کے مضبوط اور قوی ہونے کی بنا پر اس سے براہِ راست مقابلے کا نتیجہ محض شکست اور اپنی طاقت کی بربادی دکھائی دیتا ہو' اور دوسری طرف ان حالات کی وجہ سے اس مقابلے کا مستقبل بعید میں بھی کوئی فائدہ نظر نہ آرہا ہو' بلکہ اس کے برخلاف دشمن کی مزید طاقت' مضبوطی اور مکمل تسلط کا باعث بنتا دکھائی دے رہا ہو' تو ایسی صورتِ حال میں ائمۂ اطہارؑ براہِ راست اور علانیہ جدو جہد کی بجائے' مخفیانہ جدو جہد کا راستہ اختیار کرتے تھے۔ یعنی براہِ راست انقلابی اور مسلحانہ جدو جہد سے اجتناب کرتے ہوئے' ظالم و جابر حکام کے ساتھ مسلسل پنجہ آزمائی اور ان کی مخالفت جاری رکھتے تھے' اور یہی مخالفانہ جدو جہد تھی جس کے نتیجے میں انہیں سختیوں اور قید و بند کی صعوبتوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا اور آخر کار دشمنوں کے ہاتھوں مسموم کئے جاتے اور جام شہادت نوش فرماتے تھے۔

ہمارے ائمہؑ کی اس مخالفانہ جدو جہد کے مظاہر میں سے ایک یہ ہے کہ ائمہؑ اپنے ماننے والوں کے ان ظالم حکام کے ساتھ ہر قسم کے تعاون کو حرام سمجھتے تھے' ان سے کسی بھی قسم کی وابستگی کو ممنوع قرار دیتے تھے' حتیٰ اپنے تنازعات کے حل و فصل اور اپنے جائز حقوق کے حصول

کے لئے بھی ان حکام سے وابستہ عدالتوں سے رجوع کرنے کی مخالفت کرتے تھے۔

اسی قسم کی مخالفانہ جدوجہد کے نمونوں اور شواہد میں سے ایک وہ گفتگو ہے جو حضرت امام موسیٰ ابن جعفرؑ اور صفوان جمّال کے درمیان اس وقت ہوئی جب صفوان نے اپنے اونٹ محض سفرِ حج کے لئے اپنے زمانے کے آمر ہارون رشید کے درباریوں کو کرائے پر دیئے تھے۔ امامؑ نے سختی کے ساتھ صفوان کو اس عمل سے منع کیا اور وہ امامؑ کی اطاعت میں اس حد تک آگے بڑھے کہ اسی وقت اپنے تمام اونٹ فروخت کردیئے۔

البتہ یہ معاملہ ہارون سے چھپا نہ رہ سکا' لہٰذا اس نے صفوان کو طلب کیا اور انہیں قتل کی دھمکی دی۔(۱)

مخفیانہ جدوجہد کے نتیجے میں نہ صرف حکومت کمزور ہوتی تھی بلکہ کچھ نہ کچھ لوگ ظالم حکمرانوں کے ساتھ تعاون سے گریز کرنے لگتے تھے' اور یہ عمل حکومت کی مخالفت اور اسکے غیر قانونی ہونے کی ایک سند بھی ہے۔ درحقیقت ائمہ اطہارؑ کا یہ رَویّہ عوام الناس کو حکمرانوں کی حقیقت سے مطلع کرتا تھا جس کے نتیجے میں علانیہ جدوجہد کا راستہ ہموار ہو جاتا تھا۔

۲۔ علانیہ جدوجہد: لیکن اگر علانیہ جدوجہد ثمر بخش ہوتی نظر آتی 'یا حتیٰ اس کے سودمند اثرات مستقبل بعید میں بھی مرتب ہوتے دکھائی دیتے تو ائمہ اطہارؑ علانیہ جدوجہد کا راستہ اختیار کرتے تھے' اور ایسے حالات میں نہ صرف خاموشی بلکہ مخفی جدوجہد کو بھی ناپسند فرماتے تھے' یہاں تک کہ امیر المومنینؑ کے قول (کفر بما انزل اللہ) کے مطابق یہ فعل کفر کی حد میں شمار کیا جاتا تھا۔

امام حسینؑ کی سیرت میں' ان دونوں ہی اقسام کی جدوجہد نمایاں صورت میں نظر آتی ہے۔ کیونکہ آپؑ پچاس ہجری سے ساٹھ ہجری تک (امام حسنؑ کی شہادت سے معاویہ کی موت

۱- مکاسب شیخ انصاری' فصل حرمت معاونت بہ ظالمان (ظالموں سے تعاون کی حرمت)

تک) دس سال کے عرصے تک بعض دوسرے ائمہؑ کی مانند حالات کے پیش نظر مخفی جدوجہد کا راستہ اختیار کئے رہے' اور معاویہ کی موت کے بعد' حالات کے تبدیل ہوتے ہی' جب علانیہ جدوجہد کے مواقع میسّر ہوئے تو آپؑ نے بلا کسی تامل اور اپنے تمام دوستوں اور اعزہ کی مخالفت کے باوجود' علانیہ جدوجہد کا آغاز کیا اور یزید کے خلاف اپنے انقلابی موقف کا کھل کر اظہار کیا اور اعوان وانصار کی کمی' لوگوں کی بے وفائی اور عوام الناس پر چھائے ہوئے خوف و ہراس کو جاننے کے باوجود' اس راستے کا انتخاب کیا جو آپؑ کی شہادت پر تمام ہوتا تھا۔ اگرچہ اس راہ میں آپؑ کا جسدِ اقدس تیر وسناں کا نشانہ بنا اور اسے گھوڑوں کے سموں سے پامال کیا گیا۔

لیکن اب حالات ایسے ہو چکے تھے جن کی وجہ سے یہ پاک و پاکیزہ خون رائیگاں نہیں گیا اور اپنی وسیع پروپیگنڈا مشنری کے باوجود بنی امیہ اسے چھپا نہ سکے۔

سوال کیا جاتا ہے کہ اگر معاویہ کا دور ہوتا اور ایسے ہی حالات پیش آجاتے تو کیا امام حسینؑ کا یہ راہ اختیار کرنا مناسب ہوتا؟

جواب میں عرض ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو یقیناً امام حسینؑ بھی اپنے والد امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کی مانند معاویہ کے خلاف مخفی کی بجائے علانیہ جدوجہد کا راستہ اختیار کرتے۔

۳

قبرِ رسولؐ پر

"اَلسَّلامُ عَلَیْکَ یٰارَسُولَ اللهِ اَنَا الْحُسَیْنُ بْنُ فَاطِمَةَ فَرْخُکَ وَ ابْنُ فَرْخَتِکَ وَ سِبْطُکَ الَّذی خَلَّفْتَنِی فی اُمَّتِکَ فَاشْهَدْ یٰا نَبِیَّ اللهِ اَنَّهُمْ خَذَلُونی وَ لَمْ یَحْفَظُونی وَ هٰذِهِ شَکْوٰایَ اِلَیْکَ حَتّی اَلْقٰاکَ......"(۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

فَرْخ اور فَرْخَة: درخت کی شاخ، کنائے کے طور پر ہر قابلِ محبت اولاد کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ سِبْط: انسان کے بدن کا ٹکڑا، اولاد اور ان کی نسلوں کو بھی سبط کہا جاتا ہے۔

خَذَلُونی (خذل سے ماخوذ ہے): بے یار و مددگار چھوڑ دینا۔

ترجمہ اور تشریح

ولید سے ہونے والی گفتگو کے بعد امامؑ نے حکومتِ یزید کے خلاف اپنی جد و جہد جاری رکھنے کا فیصلہ کر لیا، لیکن اس کے لئے ایک ایسا انداز اختیار کیا کہ آپؑ کی یہ جد و جہد صرف مدینہ ہی میں محدود ہو کے نہ رہ جائے بلکہ شجاعت کی ایک ایسی علامت بن جائے جو تا قیامت

۱۔ مقتل خوارزمی۔ ج ۱۔ ص ۱۸۶، مقتل عوالم۔ ص ۵۴۔

زندہ رہے۔

کتبِ تاریخ کے مطابق، اپنے سفر کے آغاز سے قبل، امام حسینؑ کئی مرتبہ اپنے جدامجد رسول مقبول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی قبرِ مطہر کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے۔ البتہ وہ تمام اسرار اور راز و نیاز ہم پر واضح نہیں جو ان زیارات کے دوران امامؑ نے اپنے جدامجد کے حضور عرض کئے لیکن کتبِ تاریخ میں نقل ہونے والی ایسی دو زیارتوں کے متن سے بخوبی واضح ہے کہ ان زیارتوں میں امامؑ نے اپنے سفر کی وجوہات بیان فرمائی ہیں۔

زیر نظر صفحات میں پہلی زیارت اور آئندہ صفحات میں دوسری زیارت کا متن درج کر کے ہم ان زیارتوں میں موجود قابل توجہ نکات کی نشاندہی کریں گے۔

«خطیب خوارزمی» کے بیان کے مطابق، امامؑ اسی رات دارالامارہ سے واپسی پر حرمِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے گئے اور یہ کہتے ہوئے مرقد انور کی زیارت کی:

> «اَلسَّلامُ عَلَیْکَ یارَسُولَ اللهِ..... اے رسول اللہؐ! آپ پر میرا اسلام ہو، میں، حسین آپ کا فرزند اور آپ کا نواسہ ہوں، میں آپ کا وہ فرزند ہوں جسے امت کی ہدایت اور رہبری کے لئے آپ نے اپنا جانشین بنایا ہے۔ اے رسول اللہؐ! آپ گواہ رہئے گا کہ انہوں نے مجھے بے یار و مددگار چھوڑ دیا ہے اور میری حفاظت نہیں کی ہے۔ یہ آپ کی بارگاہ میں میری شکایت ہے، یہاں تک کہ میں آکر آپ سے مل جاؤں۔»

۴

دوبارہ مرقدِ رسولؐ پر حاضری

«اَللّٰھُمَّ اِنَّ ھٰذٰا قَبْرُ نَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ (ص) وَاَنَا ابْنُ بِنْتِ نَبِیِّکَ وَ قَدْ حَضَرَنی مِنَ اْلأَ مْرِ مٰاقَدْ عَلِمْتَ اَللّٰھُمَّ اِنِّی اُحِبُّ الْمَعْرُوفَ وَاُنْکِرُ الْمُنْکَرَ وأسأ لُکَ یٰاذَاالْجَلالِ وَالإِ کْرٰامِ بِحَقِّ الْقَبْرِ وَمَنْ فِیهِ اِلاّ اخْتَرْتَ لی مٰا هُو لَکَ رِضیً وَ لِرَسُولِکَ رِضیً.»(۱)

ترجمہ اورتشریح

مکہ روانگی کا فیصلہ کرنے کے بعد، دوسری رات امامؑ ایک بار پھر قبر رسولؐ کی زیارت کے لئے تشریف لائے اوران جملات سے اپنے جدِامجد کی زیارت کی:

«اَللّٰھُمَّ اِنَّ ھٰذٰا قَبْرُ نَبِیِّکَ..... بارِالہا! یہ تیرے نبی محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کی قبر ہے اور میں تیرے نبی کا نواسہ ہوں اور جو کچھ میرے لئے پیش آیا ہے تو اس سے آگاہ ہے۔ بارِالہا! میں نیکی اور بھلائی سے پیار کرتا ہوں اور برائی سے نفرت۔ اے ذوالجلال والاکرام! اس قبراور صاحبِ قبر کے

۱۔مقتل خوارزمی۔ج ۱۔ص ۱۸۶، مقتل عوالم۔ص ۵۴۔

واسطے سے (تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ) میرے لئے وہ (راہ) پسند فرما جس میں تیری اور تیرے رسول کی رضا اور خوشنودی ہو۔»

«خوارزمی» کے بیان کے مطابق اس رات امامؑ صبح تک قبرِ رسولؐ پر کچھ اسطرح عبادات ومناجات میں مشغول رہے کہ مناجات کے دوران اس شب زندہ دار مردِ میداں کے نالہ وفغاں کی بلند ہونے والی صدائیں دوسروں کو بھی سنائی دے رہی تھیں۔

نتیجہ: ان دو زیارات میں امامؑ نے اپنی پالیسی کا خاکہ کھینچ دیا اور اس کی اہمیت کی جانب اشارہ کیا۔ جیسا کہ ہم نے دیکھا، پہلی زیارت میں بنی امیہ کے طرزِ عمل کی شکایت کرتے ہوئے ایک مختصر جملے میں شہادت کے لئے اپنی آمادگی کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا: اور یہ آپؐ کے حضور میری شکایت ہے، یہاں تک کہ میں آپؐ سے جاملوں۔

دوسری زیارت میں آپؑ کو پیش آنے والے ایک اہم واقعے کا ذکر ہے، جو ایک عام فرد کے لئے تو شاید اہم نہ ہو، لیکن فرزندِ رسولؐ کی نگاہ میں انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ اس زیارت میں اس بات کا تذکرہ ہے کہ امامؑ نیکیوں سے شدید انس ومحبت رکھتے ہیں اور برائیوں سے شدید متنفر ہیں اور خدا اور رسول کی رضا وخوشنودی کا باعث بننے والی اس محبت اور نفرت کے تقاضے کے تحت امامؑ نیکیوں کی ترویج اور برائیوں کے سد باب کے لئے اپنی جان تک فدا کرنے پر تیار ہیں۔

۵

عمر اطرف کے جواب میں

«حَدَّثَنی اَبی اَنَّ رَسُولَ اللهِ (ص) اَخْبَرَهُ بِقَتْلِهِ وَقَتْلِی وَاَنَّ تُرْبَتَهُ تَکُونُ بِالقُرْبِ مِنْ تُرْبَتِی اَتَظُنُّ اَنَّکَ عَلِمْتَ مالَمْ اَعْلَمْهُ ؟ وَاللهِ لا اُعْطِي الدَّنِیَّةَ مِنْ نَفْسي اَبَداً وَلَتَلْقَیَنَّ فاطِمَةُ اَباها شاکِیَةً مالَقِیَتْ ذُرِیَّتَها مِنْ اُمَّتِهِ وَلا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ اَحَدٌ اَذاها فی ذُرِّیَّتِها.»(۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

تُربت :مقبرے کی خاک ۔دنیّت اور دنائت: ذلت وحقارت۔

ترجمہ اور تشریح

جب امامؑ کے انکارِ بیعت' یزید کے خلاف جدو جہد اور مدینۂ منورہ سے آپؑ کے کوچ کے فیصلے کی اطلاع' مدینہ کے سرکردہ افرادؑ خاص کر بنی ہاشم تک پہنچی' تو ان میں سے چند افراد جو مقامِ امامت اور اس کی ذمے داریوں سے بے خبر تھے اور امامؑ کی سلامتی انہیں بہت زیادہ عزیز تھی وہ امامؑ سے اپنی اسی چاہت کی وجہ سے امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہیں یزید کے

۱۔لہوف۔ص۲۳۔

ساتھ سمجھوتا کر لینے کی تجویز پیش کی۔ انہی افراد میں سے ایک ((عمر اطرف)) تھے جو حضرت علیؑ کے فرزندوں میں سے ہیں۔

کتاب ((لہوف)) کے مطابق انہوں نے یہ موضوع کچھ اس طرح امامؑ کی خدمت میں پیش کیا: اے برادر! بھیا حسنؑ نے والدِ گرامی امیر المومنینؑ سے روایت نقل کرتے ہوئے مجھے بتایا تھا کہ آپؑ کو قتل کر دیا جائے گا۔ اور میرا خیال ہے کہ یزید ابن معاویہ کی مخالفت کے نتیجے میں آپؑ قتل کر دیئے جائیں گے اور یہ اطلاع حقیقت بن جائے گی۔ لیکن اگر آپؑ یزید کی بیعت کر لیں تو یہ خطرہ ٹل جائے گا اور آپؑ کی جان محفوظ رہے گی۔

امامؑ نے ان کے جواب میں فرمایا:

((حَدَّثَنی اَبی اَنَّ رَسُولَ الله (ص)..... میرے والد گرامی نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ایک روایت بیان کرتے ہوئے اپنے مارے جانے اور اسی طرح میرے مارے جانے کی اطلاع مجھے بھی دی تھی اور والد محترم نے مزید یہ بھی فرمایا تھا کہ میری قبر ان کی قبر کے نزدیک واقع ہوگی۔ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ جو چیز آپ کو معلوم ہے، میں اس سے بے خبر ہوں؟ خدا کی قسم میں کبھی ذلت اور پستی برداشت نہیں کروں گا اور جب میری والدہ فاطمہؑ (روزِ قیامت) اپنے والد سے ملیں گی تو ان کے حضور اس سلوک کی شکایت کریں گی جو امتِ رسولؐ نے اولادِ فاطمہؑ کے ساتھ روا رکھا۔ اور جو کوئی اولادِ فاطمہؑ کو اذیت پہنچا کے جنابِ فاطمہؑ کو رنجیدہ کرے گا، وہ ہرگز جنت میں داخل نہ ہو سکے گا۔))

نتیجہ: امامؑ نے اس گفتگو اور اپنے بھائی کے جواب میں نہ صرف اپنے مارے جانے کی اطلاع دی، جس سے ان کے بھائی خود بھی آگاہ تھے، بلکہ اس کی بعض تفصیلات کا بھی ذکر کیا، جو انہوں

نے براہِ راست اپنے والد حضرت علی علیہ السلام سے اور انہوں نے جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی تھیں۔ ان ہی تفصیلات میں سے ان دونوں ائمہؑ کی قبور کا ایک دوسرے کے نزدیک واقع ہونا بھی ہے۔ اور جیسا کہ سب جانتے ہیں حضرت علیؑ کی مرقدِ مطہر نجفِ اشرف میں اور امام حسینؑ کا روضۂ اقدس کربلائے معلیٰ میں واقع ہے۔

۶

زوجۂ رسولؐ حضرت ام سلمہؓ کے جواب میں

«یا اُمّاہ وَاَنَا اَعْلَمُ اَنّی مَقْتُولُ مَذْبُوحٌ ظُلْماً وَعُدْوَاناً وَقَدْ شٰاءَ عَزَّوُجُلَّ اَنْ یَریٰ حَرَمِی وَرَھْطِی مُشَرَّدینَ وَ اَطفٰالی مَذْبُوحینَ مَاسُورِینُ مُقَیّدینَ وَهُمْ یَسْتَغِیثُونَ فَلاٰ یَجِدُونَ نٰاصِراً......»(۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

حَرَم (ح اور ر پر زبر کے ساتھ): بیوی بچے۔ رَھْط: زوجہ کے علاوہ قوم و قبیلے کے دوسرے تمام افراد اور رشتے داروں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ مُشَرَّد (مصدر تشرید کا صیغۂ مفعول): منتشر کر دینا، یا کسی شخص کو اس کے آبائی وطن سے نکال دینا۔ مَاسُورین (مَاسُور کی جمع جو کہ اسر سے ماخوذ ہے): اسیر کئے جانے والے۔ مُقَیَّدین (مادہ قید کا اسم مفعول اور اس کی جمع ہے): زنجیروں میں بندھے ہوئے۔ یَسْتَغیثُونَ (استغاثہ سے ماخوذ ہے): مدد طلب کرنا۔

۱۔ خرائج۔ ص ۲۶، مدینۃ المعاجز۔ ص ۲۴۴

ترجمہ اور تشریح

مرحوم راوندی، بحرانی اور دوسرے محدثین کی روایت کے مطابق جب زوجہ رسولؐ حضرت ام سلمہ کو امام حسینؑ کے سفر کی اطلاع ملی تو وہ امامؑ کی خدمت میں تشریف لائیں اور عرض کیا: لا تحزنی بِخُروجِکَ اِلَی العِراقِ ...... اس طرح عراق کی سمت روانہ ہو کر مجھے غمگین نہ کیجئے کیونکہ میں نے آپؑ کے نانا، رسولِ خداؐ سے سنا ہے، انہوں نے فرمایا تھا کہ: میرا فرزند حسینؑ سرزمین عراق میں کربلا نامی مقام پر مارا جائے گا۔

امامؑ نے انہیں جواب دیا:

((یا اُمّاہ وَاَنَا اَعْلَمُ اَنّی مَقْتُولٌ مَذْبُوحٌ ظُلْماً ..... اے اماں! (یہ نہ سمجھئے کہ اس معاملے سے صرف آپ آگاہ ہیں) میں خود آپ سے زیادہ واقف ہوں کہ میں ظلم و ستم اور دشمنی کے نتیجے میں مارا جاؤں گا (اور میرا سر تن سے جدا کر دیا جائے گا)۔ خداوند عزوجل نے چاہا ہے کہ میرے اہل حرم اور رشتے دار بے وطن ہوں، میرے بچے ذبح ہوں، قیدی بنائے جائیں اور انہیں زنجیروں میں جکڑا جائے اور وہ مدد کے لئے پکاریں اور کوئی ان کا ناصر و مددگار نہ ہو۔))

مستقبل کے واقعات کے بارے میں امامؑ کا علم

امامؑ کی ((عمر اطرف)) اور ((ام سلمہ)) کے ساتھ ہونے والی گفتگو اور آپؑ کے دوسرے بیانات کی روشنی میں، (جنہیں ہم دوسری مختلف مناسبتوں پر نقل کریں گے) یہ امر واضح ہے کہ امامؑ اس جدوجہد کے دوران پڑنے والے تمام مصائب و آلام، اپنے اہل بیتؑ کی اسیری، اپنی مرقد مطہر کے مقام، اور ایسی ہی دوسری تفصیلات سے بخوبی آگاہ تھے۔

مجھے یہ مشورہ دے رہے ہیں کہ میں یزید کی بیعت سے بچنے کے لئے ایک شہر سے دوسرے شہر جاؤں تو یہ جان لیجئے کہ) اگر اس وسیع و عریض دنیا میں میرے لئے کوئی پناہ گاہ، یا ٹھکانا نہ رہے تب بھی میں ہرگز یزید ابن معاویہ کی بیعت نہیں کروں گا۔))

اس حال میں کہ محمد حنفیہ کے آنسو ان کے رخساروں پر بہہ رہے تھے، امامؑ نے اپنی گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

((یَا اَخِی جَزَاکَ اللهُ خَیراً لَقَدْ نَصَحْتَ..... اے بھائی! خداوند متعال اس خیر خواہی اور ہمدردی کے عوض آپ کو جزائے خیر عنایت فرمائے لیکن میں (اپنی ذمے داری کو آپ سے بہتر جانتا ہوں اور میں) نے مکہ کی سمت روانگی کا فیصلہ کرلیا ہے۔ میرے بھائی، بھتیجے اور پیروکاروں میں سے چند افراد اس سفر کے لئے تیار ہیں۔ کیونکہ یہ افراد مجھ سے متفق ہیں اور ان کے اہداف اور مقاصد بھی وہی ہیں جو میرے پیش نظر ہیں۔ ہاں! آپ کی ذمے داری یہ ہے کہ آپ مدینہ میں میری آنکھ بن کر رہیں اور کوئی اہم بات آپ سے پوشیدہ نہ رہے (یعنی میری غیر موجودگی میں یہاں بنی امیہ کے کارندوں کی رفت و آمد اور حرکات پر نظر رکھیں اور اس سلسلے میں ضروری اطلاعات مجھے فراہم کرتے رہیں)۔))

محمد حنفیہ سے گفتگو کے بعد امامؑ ایک بار پھر مسجد نبوی اور حرم مطہر کی سمت روانہ ہوئے۔ آپؑ راستے میں یزید ابن مفرغ کے دو شعر پڑھتے جاتے تھے، جن میں شاعر نے خطرات کے باوجود اپنی عزت اور وقار کی حفاظت کے عزم کا اظہار کیا ہے۔

لا ذعرت السوام فی فلق الصبح　　مغیر ا ولا دعیت یزیدا

یوم اعطی مخافة الموت کفا　　والمنایا یرصدننی ان حیدا

«مجھے کوئی خوف نہیں کہ صبح کے وقت مجھ پر حملہ ہو یا رات کی تاریکی میں نشانہ بنوں۔اگر میں موت کے ڈر سے ذلت قبول کرلوں اور خطروں سے بچنے کی کوشش کروں تو مجھے یزید (بن مفرغ) نہ کہنا۔»

ابوسعید مقبری کہتے ہیں: جب میں نے مسجد نبوی کی سمت جاتے ہوئے امام حسینؑ کو یہ شعر پڑھتے سنا، تو میں سمجھ گیا کہ وہ کوئی انتہائی بڑا اور اہم فیصلہ کر چکے ہیں۔(۱)

نتیجہ: امامؑ نے محمد حنفیہ کے ساتھ ہونے والی اس گفتگو میں اور یزید ابن مفرغ کے اشعار کے ذریعے اپنے جہاد کے اہم ترین مقصد یعنی یزید ابن معاویہ کی مخالفت کو صاف الفاظ میں بیان کردیا اور اپنے اس دوٹوک عزم کا اعلان کیا کہ اگر اس وسیع وعریض زمین پر، ان کے لئے کوئی بھی پناہ گاہ باقی نہ رہے، تب بھی وہ کسی صورت یزید کی بیعت نہیں کریں گے اور اپنے عظیم مقصد کی راہ میں تمام تر خطرات کا پامردی اور استقامت کے ساتھ مقابلہ کریں گے۔

یہی امامؑ کا مقصد تھا جسے آپؑ نے کبھی لوگوں سے اپنی گفتگو اور کبھی شعر کے ذریعے واضح الفاظ میں بیان کیا تھا۔

۱- تاریخ طبری-ج ۷-ص ۲۲۱، تاریخ کامل ابن اثیر-ج ۳-ص ۲۶۵، جیسا کہ ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ، جلد ا، صفحہ ۳۷۵ میں بیان کیا ہے یہ دوشعر جو امامؑ پڑھ رہے تھے یزید ابن مفرغ حمیری کے ہیں۔

۸

امام حسینؑ کا وصیت نامہ

"بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، هٰذا ما اَوْصىٰ بِهِ الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ اِلىٰ اَخيهِ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَنَفِيَّةِ اَنَّ الْحُسَيْنَ يَشْهَدُ اَنْ لا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لا شَرِيكَ لَهُ وَاَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ جاءَ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِهِ وَاَنَّ الْجَنَّةَ حَقٌّ وَالنّارَ حَقٌّ وَالسّاعَةَ آتِيَةٌ لا رَيْبَ فيها وَاَنَّ اللهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُورِ وَاِنّي لَمْ اَخْرُجْ اَشِراً وَلا بَطِراً وَلا مُفْسِداً وَلا ظالِماً وَاِنَّما خَرَجْتُ لِطَلَبِ الإصْلاحِ فِي اُمَّةِ جَدّي (ص) اُريدُ اَنْ آمُرَ بِالْمَعْرُوفِ وَاَنْهىٰ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاَسيرَ بِسيرَةِ جَدّي وَاَبي علي بْنِ اَبي طالِبٍ فَمَنْ قَبِلَني بِقَبُولِ الْحَقِّ فَاللهُ اَوْلىٰ بِالحقِّ وَمَنْ رَدَّ عَلَيَّ هٰذا اَصْبِرُ حَتّىٰ يَقْضِيَ اللهُ بَيْني وَ بَيْنَ الْقَوْمِ وَهُوَ خَيْرُ الْحاكِمينَ وَهٰذِهِ وَصِيَّتي اِلَيْكَ يا اَخي وَما تَوْفِيقي اِلاّ بِاللهِ عَلَيهِ تَوَكَّلْتُ

وَالیهِ اُنیبُ»(۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

اشَرَیا اشِرُ سے اَشِر: سرکشی، بغاوت اور گھمنڈ۔ بَطِر: حق سے روگرداں ہونا اور اسکے مقابل اکڑنا۔

ترجمہ اور تشریح

امامؑ نے مدینہ سے مکہ کی جانب روانگی کے وقت، یہ وصیت نامہ تحریر فرمایا اور اپنی مہر لگانے کے بعد اسے محمد حنفیہ کے سپرد کر دیا:

«بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ حسین ابن علی کی وصیت ہے اپنے بھائی محمد حنفیہ کے نام۔ حسین گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور نہ ہی اس کا کوئی شریک ہے اور محمدؐ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، جو اس کی طرف سے دین حق لے کر آئے ہیں۔ اور (حسینؑ یہ بھی) گواہی دیتا ہے کہ جنت اور دوزخ حق (حقیقت) ہیں اور روز جزا کے آنے میں کوئی شک نہیں ہے اور (اس روز) یقیناً اللہ تمام اہلِ قبور کو زندہ کرے گا۔»

اپنے اس وصیت نامے میں امامؑ نے توحید، نبوت اور قیامت کے بارے میں اپنا عقیدہ بیان کرنے کے بعد، اپنے اس سفر کے مقاصد، ان الفاظ میں بیان کیے:

«وَانّی لَمْ اَخرُجْ اَشِراً وَلاَ بَطِراً وَلاَ مُفسِداً ..... (مدینہ سے) میرا نکلنا نہ خود پسندی اور تفریح کی غرض سے ہے اور نہ فساد اور ظلم و ستم میرا مقصد ہے۔ میں تو صرف اس لیے نکلا ہوں کہ اپنے نانا کی امت کی اصلاح کروں۔

۱۔ مقتل خوارزمی۔ ج ۱۔ ص ۱۸۸، مقتل عوالم۔ ص ۵۴۔

ہم امامؑ کی اس آ گاہی کو صرف آپؑ کے ((علم امامت)) سے وابستہ نہیں سمجھتے (جو عقائد کی ایک بحث ہے) بلکہ امام حسینؑ کو ان خاص امور کی تمام معلومات ((علم امامت)) کے علاوہ، عام طریقوں سے اور اپنے والد اور نانا کے ذریعے سے بھی حاصل ہوئی تھیں، جیسے کہ رسول اکرمؐ کی بعض ازواج اور اصحاب بھی ان معاملات سے مطلع تھے۔

اسلامی تحریک اور اس عظیم الشان انقلاب کے قائد (امام حسینؑ) نے مقصد تک رسائی، اپنے شرعی فریضے کی ادائیگی، اسلام و قرآن کو اس صورتحال سے نجات دلانے اور ظلم و ستم سے مقابلے کے لئے ان تمام مصائب اور آلام کو مکمل علم و آ گہی کے ساتھ قبول کیا تھا۔

جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، حضرت ام سلمہؓ کے جواب میں امامؑ کی گفتگو (کچھ فرق کے ساتھ) حدیث اور تاریخ کی متعدد کتب میں درج ہوئی ہے (۱) اور ممکن ہے کہ ان تمام کتب میں یہ روایت ایک ہی ماخذ سے نقل ہوئی ہو، اور وہ ماخذ بھی وثوق اور اعتبار کے لحاظ سے مشکوک ہو۔ خود ہم بھی اس روایت کے وثوق پر اصرار نہیں کرتے اور نہ ہی مستقبل میں رونما ہونے والے واقعات سے امامؑ کی واقفیت کے بارے میں صرف اس ایک روایت کو دلیل سمجھتے ہیں بلکہ اہل تشیع (۲) اور اہل تسنن (۳) دونوں فرقوں کے علما نے گزشتہ انبیا، نبی اکرمؐ اور امیر المومنینؑ سے منسوب دسیوں ایسی روایات نقل کی ہیں جن میں کربلا کے واقعات اور تاریخ عاشورا کو بیان کیا گیا ہے۔ اور یہ روایات ہمیں حضرت ام سلمہؓ کی روایت سے بے نیاز کر دیتی

۱۔ خرائج راوندی۔ ص ۲۶، مدینۃ المعاجز بحرانی۔ ص ۲۴۴، اثبات الوصیہ۔ ص ۱۶۲، بحار الانوار۔ ج ۴۴۔ ص ۳۳۱۔

۲۔ صرف مرحوم مجلسی نے بحار الانوار کی جلد ۴۴ میں اس سلسلے میں ۷۱ روایات درج کی ہیں۔

۳۔ صرف علامہ امینی نے اپنی گرانقدر کتاب ((سیرتنا وسنتنا)) میں اس بارے میں اہل سنت کی کتب سے ۲۰ سے زیادہ روایات نقل کی ہیں اور ان روایات کے رجال اور راویوں کے وثوق کے بارے میں تفصیلی گفتگو کی ہے۔

ہیں۔ یہاں ہم نے اس روایت کو صرف امامؑ کے جواب اور کلام کے متن کی مناسبت سے نقل کیا ہے۔

تعجب کا مقام ہے کہ ایک مصنف نے یہ ثابت کرنے کے لئے کہ امامؑ واقعاتِ کربلا کے بارے میں پہلے سے مطلع نہیں تھے، ہزار کوشش کی ہے کہ ام سلمہؓ کی روایت کو ضعیف اور غیر معتبر ثابت کرے۔ نہیں معلوم مصنفِ موصوف ان دوسری دسیوں روایات کا کیا جواب دیں گے اور وہ کیوں ان تمام دوسری روایات کو نظر انداز کر کے ان کے بارے میں خاموش ہیں؟

اب رہی یہ بات کہ جب امامؑ جانتے تھے کہ وہ اس راہ میں شہید کر دے جائیں گے تو آخر کیوں انہوں نے یہ قیام فرمایا؟ اور آپؑ کے اس جملے کا کیا مطلب ہے کہ: خدا نے چاہا ہے کہ میں اس راہ میں مارا جاؤں.....؟ یہ وہ مسائل ہیں جن کے جواب اسی کتاب کے آئندہ صفحات میں آپ کو مل جائیں گے۔

۷

محمد حنفیہ کے جواب میں

"یا اَخِی لَوْ لَمْ یَکُنْ فِی الدُّنْیا مَلْجاً وَلا مَأوىً لَما بایَعْتُ یَزیدَ بْنَ مُعاوِیَةَ ..... یا اَخِی جَزاکَ اللہ خَیْراً لَقَدْ نَصَحْتَ وَاَشَرْتَ بِالصَّوابِ وَاَنَا عازِمٌ" عَلَی الْخُرُوجِ اِلیٰ مَکَّةَ وَقَدْ تَهَیَّأتُ لِذٰلِکَ اَنا وَاِخْوَتی وَبَنُو اَخی وَشِیعَتِی وَاَمْرُهُمْ اَمْری وَرَأیُهُمْ رَأیي وَاَمَّا اَنْتَ فَلا عَلَیْکَ اَنْ تُقِیمَ بِالْمَدِینَة فَتَکُون لی عَیْناً عَلِیْهِمْ لا تُخْفي عَنّي شَیْئاً مِنْ اُمُورِهِمْ"(۱)

لا ذَعَرْتُ السَّوامَ فی فَلَقِ الصُّبح مُغیراً وَلا دُعِیتُ یَزیدا
یَوْمَ اُعْطي مَخافَةَ الْموتِ کَفا وَالْمَنایا یَرْصُدْنَنی اَنْ اَحیدا (۲)

ترجمہ اور تشریح

امیر المومنینؑ کے ایک اور فرزند محمد حنفیہؒ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے حسین ابن علیؑ

۱۔ مقتل عوالم۔ص ۵۴، مقتل خوارزمی۔ج ۱۔ص ۱۸۸۔

۲۔ تاریخ طبری۔ج ۷۔ص ۲۲۱، تاریخ کامل ابن اثیر۔ج ۳۔ص ۲۶۵، ارشادِ مفید۔ص ۲۰۲۔

کے فیصلے پر خوف و وحشت کا اظہار کیا۔((طبری)) اور دوسرے مورخین کے مطابق وہ امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فرمایا: بھائی! آپ مجھے تمام انسانوں میں سب سے زیادہ محبوب اور محترم ہیں اور یہ میری ذمے داری ہے کہ جس چیز کو آپ کے حق میں بھلا اور بہتر سمجھوں اس سے آپ کو آگاہ کروں۔ میرے خیال میں جس حد تک ممکن ہو آپ کسی ایک شہر میں نہ ٹھہریں اور اپنے خاندان کے ہمراہ کسی ایسی جگہ تشریف لے جائیں جو یزید کی دسترس سے باہر اور ان شہروں سے دور ہو۔ پھر وہاں رہتے ہوئے آپؑ اپنے نمائندے بھیجیں اور اپنے لئے لوگوں کی حمایت حاصل کریں۔ اس صورت میں اگر لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی تو خدا کا شکر اور اگر کسی اور کی بیعت کر لی تب بھی آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ لیکن اگر آپ ان شہروں میں سے کسی ایک شہر میں گئے تو مجھے ڈر ہے کہ لوگوں میں اختلاف پھوٹ پڑے گا۔ کچھ لوگ آپ کی حمایت کریں گے اور کچھ آپ کی مخالفت میں اٹھیں گے اور معاملہ خون خرابے تک جا پہنچے گا اور اس جنگ و جدال کے دوران آپ ظلم و ستم کا نشانہ بن جائیں گے۔ یوں اس قوم کے بہترین افراد کا خون ضائع ہوگا اور آپ کے اہل بیت کو ذلت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

یہ سن کر امامؑ نے فرمایا: آپ کے خیال میں مجھے کس علاقے میں جانا چاہئے؟

محمد حنفیہ نے کہا: میرا خیال ہے کہ آپ مکہ تشریف لے جائیں اور اگر وہاں حالات سازگار نہ ہوں تو صحرا اور بیابان کے راستے ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل ہوتے رہیں تاکہ لوگوں کے حالات اور مستقبل کا جائزہ لے سکیں۔ آپ کی بصیرت اور دوراندیشی کو دیکھتے ہوئے، مجھے امید ہے کہ آپ ہمیشہ صحیح راستے کا انتخاب کریں گے اور تمام مشکلات کو کمالِ دانائی اور احتیاط کے ساتھ حل کرتے چلے جائیں گے۔

امامؑ نے محمد حنفیہ کے جواب میں فرمایا:

((یٰا اَخِی لَوْ لَمْ یَکُنْ فِی الدُّنْیٰا مَلْجَاءٌ وَلاٰ مَأْوی..... بھیا! (آپ جو

١٠

مکہ میں داخل ہوتے وقت

"وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّىٓ اَنْ يَّهْدِيَنِىْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ"(١)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

تِلْقَاء: ملاقات کی جگہ، نزدیک اور آمنے سامنے۔

ترجمہ اور تشریح

حسین ابن علیؑ، مدینہ سے مکہ تک کا فاصلہ پانچ دن میں طے کرنے کے بعد شبِ جمعہ، تین شعبان کو مکہ معظّمہ پہنچے۔ اس مقدس شہر میں داخل ہوتے ہوئے آپؑ اس آیۂ شریفہ کی تلاوت فرمارہے تھے: وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّىٓ اَنْ يَّهْدِيَنِىْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ (اور جب موسیٰ نے مدین کا رخ کیا تو کہا کہ عنقریب پروردگار مجھے خیر اور صلاح کے راستے کی ہدایت کردے گا۔ سورۂ قصص ٢٨- آیت ٢٢)

انہی دو آیات کی تلاوت کی وجہ؟

کیا وجہ ہے کہ امام حسینؑ نے مدینہ سے روانگی کے وقت اور مکہ میں داخل ہوتے ہوئے

١۔ تاریخ طبری- ج ٧-ص ٢٢٢ اور ٢٧١، تاریخ کامل ابن اثیر- ج ٣-ص ٢٦٥، (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

انہی دو آیات کی تلاوت فرمائی؟

امام علیہ السلام' قرآنِ کریم میں یکے بعد دیگر ذکر ہونے والی ان دو آیتوں کو پانچ دن کے فاصلے سے تلاوت کر کے اس نکتے کی طرف توجہ دلانا چاہتے تھے کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنا آبائی وطن ترک کرنا اور ایک انجانے شہر میں پناہ لینا' بے مقصد نہ تھا' اسی طرح آپؑ کا مدینہ منورہ چھوڑنا بھی ایک بڑے مقصد کے لئے ہے' اور یہ ایک ایسا عظیم الشان مقصد ہے جس کے حصول کی خواہش ہر خدا پرست انسان کے دل میں مچلتی ہے۔ اسی طرح مکہ میں داخل ہونا بھی اسی رفیع الشان مقصد کے تحت ہے جس تک رسائی پروردگار کی خاص ہدایت اور اس کی خاص عنایات کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ عَسیٰ رَبِّیٓ اَنْ یَّھْدِ یَنِیْ سَوَآءَ السَّبِیْلِ ۔

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ) ارشادِ مفید۔ص ۲۰۰' مقتل خوارزمی۔ج ۱۔ص ۱۸۹۔

۱۱

عبداللہ ابن عمر کے جواب میں

«یَا اَبَا عَبْدِالرَّحْمٰنِ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ مِنْ هَوانِ الدُّنْیَا عَلی اللهِ اَنَّ رَأسَ یَحْیی بْنِ زَکَرِیَّا اُهْدِیَ اِلیٰ بَغِیٍّ مِنْ بَغَایَا بَنِی اَسْرَائِیلَ؟ اَمَا تَعْلَمُ اَنَّ بَنِی اِسْرَائِیلَ کَانُوا یَقْتُلونَ مَابَیْنَ طُلُوعِ الْفَجْرِ اِلیٰ طُلُوعِ الشَّمْسِ سَبْعِینَ نَبِیّاً ثُمَّ یَجْلِسُونَ فِی اَسْوَاقِهِمْ یَبِیعُونَ وَیَشْتَرُونَ کَاَنْ لَمْ یَصْنَعُوا شَیْئاً فَلَمْ یُعَجِّلِ اللهُ عَلَیْهِم بَلْ اَمْهَلَهُمْ وَاَخَذَهُمْ بَعْدَ ذٰلِکَ اَخْذَ عَزِیزٍ ذی انْتِقَامٍ اِتَّقِ اللهَ یَا اَبَا عَبْدِالرَّحْمٰنِ وَلَا تَدْعَنَّ نُصْرَتی.» (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

هوان: حقارت، پستی۔ بَغِیٌّ: زانی

ترجمہ اور تشریح

امامؑ جب مکہ مکرمہ پہنچے، تو عبداللہ ابن عمر مستحب عمرے کی ادائیگی اور بعض ذاتی کاموں

۱-لہوف-ص ۲۶، مثیر الاحزان-ص ۲۰۔

کے سلسلے میں وہاں پہلے سے موجود تھے۔ابھی امامؑ کی تشریف آوری کو چند ہی دن ہوئے تھے کہ عبداللہ ابن عمر نے مدینہ واپسی کا فیصلہ کیا اور امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؑ کو یزید سے مصالحت اور اس کی بیعت کر لینے کا مشورہ دیا اور طاغوت کی مخالفت اور جنگ و جدال کے خطرناک نتائج سے متنبہ کیا!!

((خوارزمی)) نے تحریر کیا ہے کہ عبداللہ ابن عمر نے کہا: اے ابا عبداللہ! لوگوں نے اس شخص کی بیعت کر لی ہے اور کیونکہ مال و دولت اسی کے ہاتھ میں ہے، لہٰذا بہرحال اسکی حکومت کو تسلیم کر لیں گے۔ خاندان بنی امیہ کی آپ کے ساتھ دیرینہ دشمنی کے پیشِ نظر مجھے ڈر ہے کہ اس کی مخالفت کی صورت میں آپ مارے جائیں گے اور اس راہ میں بعض مسلمان بھی اپنی جان سے جائیں گے۔ میں نے رسول اللہؐ سے سنا ہے، آپؐ نے فرمایا تھا کہ: حسین مارے جائیں گے اور اگر لوگوں نے ان کی حمایت ونصرت نہ کی تو ذلیل وخوار ہوں گے۔ آپ کے لئے میرا تو یہی مشورہ ہے کہ باقی افراد کی طرح آپ بھی بیعت وصلح کا راستہ اختیار کر لیں اور مسلمانوں کے قتل و کشتار سے خوف کھائیں۔(۱)

امام علیہ السلام، جنہوں نے مختلف لوگوں کے ساتھ گفتگو کے دوران، ہر ایک کو اس کی فہم و بصیرت اور طرزِ فکر کے مطابق جواب دیئے تھے، آپؑ نے عبداللہ ابن عمر کے مشورے کے جواب میں فرمایا:

((یَا اَبَا عَبْدِالرَّحْمٰنِ.......... اے ابوعبدالرحمٰن! کیا تمہیں نہیں معلوم کہ دنیا اللہ کے نزدیک اتنی پست اور حقیر ہے کہ یحییٰ ابن زکریا (جیسے برگزیدہ اور عظیم نبی) کا سرِ اقدس (۲) بنی اسرائیل کی ایک بدکار عورت کو تحفے کے طور پر بھیجا

۱- مقتل خوارزمی- ج۱- ص۱۹۰-

۲- قرآن مجید میں بعض دوسرے معروف انبیا کی طرح حضرت یحییٰ علیہ السلام کے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

میں چاہتا ہوں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو انجام دوں اور یوں (اس انجام دہی میں) اپنے نانا اور اپنے والدِ گرامی کی سیرت کی پیروی کروں۔

«فَمَنْ قَبِلَنی بِقَبُولِ الْحَقِّ فَا للهُ اَوْلیٰ بِالحقّ ..... اب اگر کوئی میری دعوت کو حق سمجھ کر قبول کرے تو اس نے اللہ کا راستہ اختیار کیا ہے اور اگر میری دعوت کو مسترد کردے' تو میں صبر کروں گا' یہاں تک کہ اللہ میرے اور ان افراد کے درمیان فیصلہ کرے' اور اللہ ہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔ اے برادر! یہی آپ کے لئے میری وصیت ہے' اور میری توفیقات تو صرف اللہ کی جانب سے ہیں' اسی پر میرا بھروسہ ہے اور اسی کی جانب مجھے پلٹنا ہے۔»

امام حسینؑ کے قیام کے اسباب

امام حسین علیہ السلام نے ولید اور مروان کے جواب میں اپنی جدوجہد کے اوّلین محرک اور یزید ابن معاویہ کی مخالفت کا سبب بیان کیا اور اب آپؑ مدینہ سے روانگی کے وقت اپنی وصیت میں ایک دوسرے محرک یا اس قیام کے بنیادی ترین سبب کی جانب اشارہ فرمارہے ہیں' جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر' وسیع پیمانے پر پھیلی ہوئی برائیوں اور یزیدی حکومت کے غیر اسلامی اور غیر انسانی طرزِ عمل کی مخالفت ہے۔

اس ضمن میں آپؑ کا نکتۂ نظر یہ ہے کہ: اگر مجھ سے بیعت کا مطالبہ نہ بھی کیا جائے تب بھی میں خاموش اور ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہیں بیٹھا رہوں گا۔ کیونکہ اربابِ اقتدار سے میرا اختلاف محض یزید کی بیعت تک محدود نہیں ہے' کہ اگر وہ بیعت کے سلسلے میں خاموش رہے تو میں بھی خاموش رہوں گا۔ بلکہ مسئلہ یہ ہے کہ یزید اور خاندانِ یزید ظلم وستم' معاشرتی خرابیوں اور اسلامی احکام میں تبدیلی کا سبب بن رہا ہے اور میری ذمے داری ہے کہ ان خرابیوں کی

اصلاح، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی انجام دہی، اپنے نانا رسول اللہ کی سنت کے احیا اور اپنے والد بزرگوار کی سیرت کو زندہ کرنے اور عدل و انصاف کے فروغ کے لئے خم ٹھونک کر میدان میں اتروں اور بنی امیہ کا قلع قمع کر دوں، جو ان تمام خرابیوں کی جڑ ہیں۔ اور دنیا جان لے کہ حسینؑ نہ ہی جاہ و مقام اور دولت و ثروت کا طالب ہے اور نہ ہی شر و فساد اور امورِ مسلمین میں رخنہ اندازی چاہتا ہے۔ یہ وہ حقیقت ہے جو قیامِ امام حسینؑ کے روزِ اوّل سے آخری دن تک اور حیاتِ حسینیؑ کے آخری لحظے تک جلوہ افروز رہی۔

یہاں یہ سوال بھی پیش آتا ہے کہ کیا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی انجام دہی کی ایک شرط یہ نہیں ہے کہ اس فریضے کی ادائیگی میں جان و مال کا خطرہ نہ ہو؟ جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ امامؑ نے نہ صرف اس شرط کو نظر انداز کیا بلکہ اس راہ میں اتنا آگے بڑھے کہ اپنی اور اپنے انصار کی جانیں فدا کر دیں اور اپنے اہل بیت اور مخدرات کی اسیری تک کو قبول کیا۔

ہم اس کتاب کے دوسرے حصے میں تفصیلاً اس سوال کا جواب دیں گے۔(۱)

۱۔ ملاحظہ فرمایئے منزل بیضہ پر امامؑ کا خطاب۔

۹

مدینہ سے روانگی کے وقت امامؑ کے کلمات

«فَخَرَجَ مِنهَا خَائِفاً یَّتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ. (۱)

.....لاَ وَاللّٰہِ لاَ اُفَارِقُهُ حَتّٰی یَقْضِیَ اللّٰهُ مَا هُوَ قَاضٍ.» (۲)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

تَرَقُّبْ اور اِرْتِقَابْ: انتظار، کسی چیز پر نظر رکھنا۔

ترجمہ اور تشریح

امام حسینؑ نے ولید کے بلاوے پر اس سے ملاقات کی اور کھلے لفظوں میں اپنا موقف بیان کیا، جبکہ ان کے برخلاف عبداللہ ابن زبیر نے ولید سے ملاقات نہیں کی اور رات کے وقت چھپتے چھپاتے مدینہ سے نکلے اور ایک غیر معروف راستہ اختیار کر کے مکہ کی سمت روانہ ہو گئے۔

امام حسینؑ اتوار کے دن، ماہِ رجب کے اختتام سے دو دن قبل، اپنے اہل و عیال اور خاندان والوں کے ہمراہ مکہ کی سمت روانہ ہوئے۔ مدینہ سے روانگی کے وقت آپؑ کی زبانِ

۱، ۲۔ تاریخ طبری۔ ج ۷۔ ص ۲۲۲، تاریخ کامل ابن اثیر۔ ج ۳۔ ص ۲۶۵، ارشادِ مفید۔ ص ۲۰۲، مقتل خوارزمی۔ ج ۱۔ ص ۱۸۹۔

مبارک پر قرآن مجید کی وہ آیۂ کریمہ تھی جو حضرت موسیٰ کی مصر سے روانگی اور فرعونیوں سے ان کے مقابلے کی تیاری کے بارے میں نازل ہوئی ہے: فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفاً يَتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّلِمِينَ. (تو موسیٰ شہر سے باہر نکلے، خوفزدہ اور دائیں بائیں دیکھتے ہوئے اور کہا کہ پروردگار مجھے ظالم قوم سے محفوظ رکھنا۔ سورہ قصص ۲۸- آیت ۲۱)

امام حسینؑ نے عبداللہ ابن زبیر کی طرح چھپ کر سفر کرنے کی بجائے وہی راستہ اختیار کیا جسے عام طور پر مسافر اور کاروان مکہ جانے کے لئے استعمال کرتے تھے۔

امامؑ کے ایک ساتھی نے مشورہ دیا کہ مناسب یہ ہے کہ آپؑ بھی عبداللہ ابن زبیر کی طرح کسی غیر معروف اور پہاڑی راستے کا انتخاب کیجئے، تاکہ اگر یزید کے کارندوں میں سے کچھ لوگ پیچھا کر کے آپؑ کو نقصان پہنچانا چاہیں تو اپنے ارادوں میں ناکام رہیں۔

اس تجویز کے جواب میں، امامؑ نے فرمایا:

«...... لاَ وَاللهِ لاَ اُفَارِقُهُ حَتّٰى يَقْضِيَ اللهُ مَا هُوَ قَاضٍ.»

«نہیں، خدا کی قسم میں کسی بھی صورت میں شاہراہِ عام چھوڑ کر غیر معروف راستوں پر سفر نہیں کروں گا، یہاں تک کہ جو مشیتِ الٰہی ہے وہ ہو جائے۔»

نتیجہ: امامؑ کے اس جواب سے بخوبی واضح ہے کہ امامؑ کسی خوف کی وجہ سے راہِ فرار اختیار کرتے ہوئے مدینہ سے نہیں نکلے تھے۔ ورنہ آپؑ بھی یہ مشورہ قبول کرتے ہوئے عبداللہ ابن زبیر کی طرح عمومی راستے کی بجائے ناآشنا پہاڑی راستوں کا انتخاب کرتے۔ جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ امامؑ نے وہ راستہ اختیار کیا جسے سب جانتے تھے اور جو لوگوں سے پوشیدہ نہ تھا۔ امامؑ چاہتے تھے کہ بنی امیہ کے خلاف جہاد جیسے عظیم الٰہی حکم کی تعمیل کا راستہ آپؑ مکمل آزادی اور سکون کے ساتھ طے کریں۔ حَتّٰى يَقْضِيَ اللهُ مَا هُوَ قَاضٍ.

گیا تھا۔

کیا تم نہیں جانتے کہ بنی اسرائیل (خدا کی نافرمانی میں اس حد تک آگے بڑھ گئے تھے کہ) طلوع فجر سے طلوع شمس تک کے درمیانی عرصے میں ستّر پیغمبروں کو قتل کرتے تھے اور پھر اس طرح خرید و فروخت اور روز مرہ کے کاموں میں مشغول ہو جاتے تھے جیسے کچھ کیا ہی نہ ہو۔ اور خداوند متعال نے (ان پر) اپنے عذاب میں عجلت نہیں کی بلکہ انہیں ڈھیل دیتا رہا، یہاں تک کہ آخر کار اسی قادر اور منتقم نے ان پر شدید ترین گرفت کی۔))

امامؑ نے مزید فرمایا:

((اے ابو عبدالرحمٰن! خدا سے ڈرو اور ہماری مدد و نصرت سے کنارہ کش نہ ہو۔))

((شیخ صدوق)) نے نقل کیا ہے کہ جب عبداللہ ابن عمر نے اپنا مشورہ بے سود ہوتے دیکھا تو عرض کیا: اے ابا عبداللہ! میری خواہش ہے کہ جدائی کے اس لمحے میں آپ کے بدن کے اس حصے کو چوموں جسے رسول خداؐ چوما کرتے تھے۔ امامؑ نے اپنا کرتا اوپر کیا اور عبداللہ ابن عمر نے حضرتؑ کے سینے کے کچھ نیچے کا حصہ تین مرتبہ چوما اور روتے ہوئے کہا: اَستَودِعُکَ یا اَبا عَبدِاللہ ..... اے ابا عبداللہ! آپ کو خدا کے سپرد کرتا ہوں اور الوداع کہتا ہوں کیونکہ اس سفر میں آپ قتل کر دیئے جائیں گے۔ (۱)

عبداللہ ابن عمر کا کردار

اس موقع پر بہتر دکھائی دیتا ہے کہ قارئین کے لئے عبداللہ ابن عمر کے کردار پر روشنی

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ) زہد اور تقویٰ کا تذکرہ خاص کر سورۂ مریم کی چند آیات میں ہوا ہے۔ حضرت یحییٰ ۲۸ء میں اپنے زمانے کے بدکردار بادشاہ کی بیٹی ((سالومہ)) کی سازش کے تحت وحشیانہ طریقے سے قتل کئے گئے۔

۱۔ امالی صدوق۔ مجلس ۳۰۔

ڈالتے چلیں۔ آپ ملاحظہ کر چکے ہیں کہ عبداللہ ابن عمر ایک طرف تو امام حسینؑ کو یزید ابن معاویہ کے ساتھ سمجھوتے اور ساز باز کا مشورہ دیتے ہیں اور دوسری طرف ریا اور دکھاوے کے طور پر امام حسینؑ کا سینہ چومتے ہیں اور ان کے غم میں روتے ہیں، حالانکہ وہ خود ہی رسول اللہؐ سے نقل کرتے ہیں کہ حسین راہِ خدا میں مارے جائیں گے اور جو کوئی ان کی نصرت و مدد نہ کرے گا وہ ذلت وخواری سے دوچار ہوگا۔

حالانکہ امامؑ نے ان سے واضح الفاظ میں فرمایا کہ: عبداللہ! خدا سے ڈرو اور ہماری مدد ترک نہ کرو۔ پھر بھی انہوں نے امامؑ کی نہ صرف مدد نہیں کی بلکہ سیدھا مدینہ گئے، وہاں یزید کی بیعت اور اس سے اپنی وفاداری کا اعلان کیا، اس طرح درحقیقت حزب اللہ چھوڑ کر حزب شیطان سے جا ملے۔

ہمیں ان کے کردار سے اچھی طرح واقف ہونا چاہئے تاکہ اس زمانے کے (اور حتیٰ آج کے دور کے) عبداللہ ابن عمر جیسے افراد کو بھی پہچان سکیں، جو امام حسین علیہ السلام کی مدد کی بجائے بظاہر ان کے غم میں روتے اور گریہ و زاری کرتے تھے لیکن درپردہ یزیدیوں اور طاغوتیوں سے پیمانِ وفا باندھے ہوئے تھے۔

۱۔ عبداللہ ابن عمر اور امیر المومنینؑ کی مخالفت

حضرت عثمان کے مارے جانے کے بعد، مدینہ کے تمام مسلمانوں نے، خلافت کے لئے امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالبؑ کا نام پیش کیا اور انتہائی اصرار کرتے ہوئے آپؑ کے ہاتھ پر بیعت کی لیکن عبداللہ ابن عمر ان سات افراد میں سے تھے جو حضرت علیؑ کی بیعت پر تیار نہ ہوئے اور اس سلسلے میں انہوں نے یہ بہانہ بنایا کہ جب سب لوگ علیؑ کی بیعت کر لیں گے اس وقت میں بھی بیعت کرلوں گا۔

مالک اشترؒ نے عرض کیا: اے امیر المومنینؑ! کیونکہ انہیں آپؑ کی شمشیر اور تازیانے سے

کوئی خطرہ نہیں ہے لہٰذا ایسے بہانوں کا سہارا لے رہے ہیں۔ آپؑ اجازت دیں تو ہم ان پر دباؤ ڈالیں۔

امیرالمومنینؑ نے فرمایا: میں کسی کو بیعت پر مجبور نہیں کروں گا۔ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو؛ وہ آزادی کے ساتھ جس راستے کا انتخاب کرنا چاہتے ہیں انہیں منتخب کرنے دو۔

ایک دن امیرالمومنینؑ کو مطلع کیا گیا کہ عبداللہ ابن عمر آپؑ کی حکومت گرانے کے لئے مکہ گئے ہیں اور وہاں آپؑ کے خلاف سازشوں میں مصروف ہیں۔ امامؑ نے اپنے ایک کارندے کو روانہ کیا تاکہ ان کی حکومت مخالف سرگرمیوں کو کنٹرول کرے۔ آخر کار عبداللہ ابن عمر اپنے مشن میں ناکام ہو کر مدینہ واپس آ گئے لیکن آخر وقت تک مولائے کائناتؑ کی حکومت کو تسلیم نہ کیا اور آپؑ کی بیعت نہ کی۔ (۱)

اس کے برعکس امیرالمومنینؑ کی شہادت کے بعد عبداللہ ابن عمر نے معاویہ کی بیعت کی اوران کی حکومت کو تسلیم کیا!

یہ وہ طرزِ عمل تھا جو عبداللہ ابن عمر نے علیؑ جیسی شخصیت اوران جیسی حکومت کے خلاف اختیار کیا اور پھر معاویہ جیسی شخصیت کی بیعت کی اوراس جیسی حکومت کو تسلیم کیا۔

۲۔عبداللہ ابن عمر اور یزید کی بیعت

جب معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کے لئے لوگوں سے بیعت لینا شروع کی تو عبداللہ ابن عمر اس بیعت کے مخالفین میں شامل ہو گئے۔ البتہ نہ ہی معاویہ کو ان کی مخالفت کا ڈر تھا اور نہ ہی یزید کو۔ کیونکہ ایک موقع پر جب معاویہ اپنے بیٹے یزید سے مخالفین کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے اور عبداللہ ابن عمر کا ذکر آیا تو معاویہ نے یہ رائے دی: فَاَمَّا عَبْدُ اللّٰہِ بْن عُمَرَ فَھُوَ مَعَکَ فَالْزِمْہُ وَ لَا تَدَعْہُ. (عبداللہ ابن عمر (اگرچہ بظاہر بیعت کا منکر ہے لیکن) دل

۱۔شرح نہج البلاغہ از ابن ابی الحدید۔ ج ۴۔ص ۹ اور ۱۱۔

سے تمہارے ساتھ ہے، تم اسے اپنے ساتھ رکھو اور اسے اپنے سے دور مت بھگاؤ)۔(۱)

معاویہ کی پیش گوئی کے عین مطابق عبداللہ ابن عمر کی مخالفت سے نہ صرف یزید کو کوئی نقصان نہیں پہنچا بلکہ انتہائی حساس موقع پر عبداللہ ابن عمر نے یزید کی حمایت اور پشت پناہی کی اور عین اس موقع پر جب انہیں چاہیئے تھا کہ وہ یزید کے مخالفین کے ساتھ مل کر امام حسینؑ کی جدو جہد میں ان کی حمایت کرتے، اس وقت انہوں نے اس کے بالکل برخلاف رَویہ اختیار کیا اور امامؑ کو یزید سے صلح کا مشورہ دیا تاکہ یزید کی حکومت اور زیادہ مضبوط اور مستحکم ہو جائے۔ جب انہیں اس سلسلے میں ناکامی ہوئی تو امامؑ سے رخصت ہو کر مدینہ روانہ ہو گئے اور وہاں سے یزید ابن معاویہ کے نام ایک خط کے ذریعے اسکی حکومت اور خلافت کو جان و دل سے قبول کیا۔(۲)

پھر اس بیعت کے اتنے پابند رہے کہ جب امام حسینؑ کی شہادت کے بعد اہلِ مدینہ نے یزید کے خلاف بغاوت کی اور اس کی طرف سے مقرر کردہ گورنر ((عثمان بن محمد)) کو مدینہ سے نکال دیا تو انہی عبداللہ ابن عمر نے اپنے اہل و عیال اور قبیلے کے لوگوں کو جمع کیا اور یزید کی حمایت میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ: میں نے رسول اللہؐ سے سنا ہے کہ آپؐ نے فرمایا: قیامت کے دن، عہد توڑنے والے ہر شخص کے لئے ایک جھنڈا لہرا دیا جائے گا جس سے اس کے عہد شکن ہونے کی پہچان ہو گی۔

عبداللہ (۳) نے اس تقریر کے دوران یہ بھی کہا کہ: میرے نزدیک سب سے بڑی عہد شکنی یہ ہے کہ کسی کے ہاتھ پر بیعت کروں اور پھر اس سے جنگ کے لئے اٹھ کھڑا ہوں۔ لہٰذا اگر مجھے اطلاع ملی کہ تم میں سے کسی نے یزید کی بیعت ترک کر کے اس کے مخالفین کا ساتھ

۱- امالی صدوق، نقل از بحار الانوار- ج ۴۴- ص ۳۱۱۔

۲- فتح الباری- ج ۱۳- ص ۶۰۔

۳- صحیح بخاری- ج ۹- کتاب الفتن۔

دیا ہے تو پھر میرا اس سے کوئی تعلق نہیں رہے گا۔

۳-عبداللہ ابن عمر اور حجاج بن یوسف

یزید ابن معاویہ کے بعد جب عبدالملک بن مروان خلیفہ بنا اور اس نے ابن زبیر کی سرکوبی کے لئے حجاج بن یوسف کو مکہ بھیجا' تو حجاج مدینہ بھی آیا۔ حجاج کے مدینہ پہنچنے پر عبداللہ ابن عمر بلا تاخیر رات گئے بیعت کے لئے حجاج کے پاس آئے اور کہا: اے امیر! اپنا ہاتھ بڑھایئے تاکہ میں اس پر خلیفہ کے لئے بیعت کروں۔

حجاج نے کہا: عبداللہ! ایسی بھی کیا جلدی ہے' تم چاہو تو کل بھی بیعت کیلئے آسکتے ہو۔

عبداللہ نے کہا: میں نے رسول اللہؐ سے سنا ہے کہ آپؐ نے فرمایا: جو شخص بغیر امام کے مرجائے' وہ جاہلیت کی موت مرے گا' اور میں ڈرتا ہوں کہ اگر آج رات ہی مجھے موت آ گئی تو کہیں ایسا نہ ہو کہ امام کے بغیر مرنے کی وجہ سے پیغمبر کے فرمان کے تحت میرا شمار جاہلیت کی موت مرنے والوں میں ہو۔

یہ سن کر حجاج نے (جو اس وقت بستر پر لیٹا ہوا تھا) اپنا پیر لحاف سے نکالا اور کہا: آؤ' ہاتھ کی بجائے میرا پاؤں چوم کر بیعت کرلو۔(۱)

حجاج' عبداللہ ابن عمر کی نفسیات جانتا تھا' اسی لئے اس نے اپنی اس حرکت سے انہیں یہ پیغام دیا کہ آج تم مجھے پیغمبر کی یہ حدیث سنا رہے ہو' علی ابن ابی طالب اور حسین ابن علی کے زمانے میں یہ حدیث کیوں بھلا بیٹھے تھے؟

دراصل یہ رسول گرامیؐ کے اس قول کی عملی تفسیر تھی جسے خود عبداللہ ابن عمر نے آپؐ سے نقل کیا تھا کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: جو حسین کی مدد اور نصرت سے گریز کرے گا' وہ ذلیل و رسوا ہو جائے گا۔

۱۔ شرح نہج البلاغہ از ابن ابی الحدید۔ ج ۱۳۔ ص ۲۴۲۔

نتیجہ: یہ تھا عبداللہ ابن عمر کا وہ اصل چہرہ جسے صفحاتِ تاریخ نے ہمارے سامنے پیش کیا ہے تاکہ اس کے ذریعے ہم ہر زمانے میں موجود عبداللہ ابن عمر جیسے افراد کو پہچان سکیں' ان کے اندازِ فکر سے آشنا ہو سکیں اور ان سے ہوشیار رہیں۔ یہی تاریخ اس زمانے کے اور آج کے عبداللہ ابن عمر جیسے افراد کو درس دیتی ہے کہ اگر وہ بے بنیاد بہانے تراشیوں کے ذریعے آزادانہ طور پر علیؑ جیسی ہستی کی بیعت سے انکار کریں گے تو انہیں معاویہ اور یزید جیسوں کی بیعت قبول کرنا پڑے گی۔ اگر غرور و تکبر' جہالت اور عداوت کی وجہ سے وہ حسینؑ جیسوں کی بیعت نہیں کریں گے تو یہ جان رکھیں کہ ایک دن انہیں انتہائی ذلت و حقارت کے ساتھ حجاج جیسوں کی بیعت کرنا ہوگی۔

انہیں سمجھ لینا چاہئے کہ اگر بنی امیہ کے خفیہ ہاتھ اپنے اہداف و مقاصد کے حصول کے لئے (جو صرف اسی صورت میں قابلِ حصول تھے جب اہل بیتؑ گوشہ نشین کر دیئے جائیں) اپنے پروپیگنڈے کے زور پر اس قسم کے افراد کو محدث اور مذہب کا ماہر متخصص بنا کر پیش کرتے ہیں(۱) اور یہ افراد خود بھی انتہائی رغبت اور شوق کے ساتھ ان القابات و خطابات کو قبول کر لیتے ہیں تو انہیں معاویہ اور یزید جیسوں کے لئے انجام دی گئی ان حقارت آمیز خدمات کے نتیجے میں تاریخِ انسانیت کے بدترین مجرموں اور ظالموں کے قدموں میں جھک کر بوسہ لینا ہوگا۔ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (یہ ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور ان کے لئے آخرت میں عذابِ عظیم ہے۔ سورۂ مائدہ ۵- آیت ۳۳)

۱- بنی امیہ کی اسی حکمتِ عملی کا نتیجہ ہے کہ مسند احمد ابن حنبل جو احادیث نبویؐ کا اہم مجموعہ ہے' اس میں عبداللہ ابن عمر سے سترہ سو سے زیادہ احادیث نقل ہوئی ہیں جبکہ امام حسن مجتبیٰ اور امام حسینؑ سے کل ملا کر صرف ۲۲ احادیث۔ جی ہاں' صرف بائیس احادیث نقل کی گئی ہیں۔

دو اہم نکات

امام حسینؑ اور عبداللہ ابن عمر کے درمیان ہونے والی اس گفتگو میں' دو انتہائی اہم اور حساس نکات قابلِ توجہ ہیں۔

پہلا نکتہ یہ ہے کہ امام حسینؑ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے مارے جانے اور ان کا سرِ اقدس تحفے کے طور پر ایک ظالم کو بھیجے جانے کے واقعے کا ذکر کرتے ہیں۔ اور جیسا کہ نقل کیا گیا ہے' امامؑ نے اپنے سفر کے دوران کئی مرتبہ اس غم انگیز واقعے اور ظلمِ عظیم کا ذکر کیا۔ یقیناً امامؑ کا اس واقعے کو بار بار بیان کرنا' بے مقصد اور بے سوچے سمجھے نہ تھا بلکہ اس مماثلت کی وجہ سے تھا جو امامؑ کی جد و جہد اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کی استقامت میں پائی جاتی ہے' جس کی بنا پر ان کا سرِ اقدس تحفے کے طور پر بھیجا گیا۔

اور دوسرا نکتہ' عبداللہ ابن عمر کی گفتگو میں ہے' جو انہوں نے امامؑ سے رخصت اور وداع ہوتے وقت آنسو بہاتے ہوئے کی اور کہا: اے ابا عبداللہ! میں آپ کو خدا کے سپرد کرتا ہوں کیونکہ جانتا ہوں کہ آپ اس راہ میں قتل کیے جائیں گے۔

کیا عبداللہ ابن عمر کو اس سفر میں امام حسینؑ کے مارے جانے کی خبر رسول اللہؐ کے علاوہ کسی اور طریقے سے بھی مل چکی تھی اور کیا ممکن ہے کہ امام حسینؑ کی شہادت سے دوسرے تو مطلع ہوں اور خود امام حسینؑ اس سے بے خبر ہوں؟

یہ وہی مسئلہ ہے' جس کا ذکر ہم نے گزشتہ صفحات میں کئی بار کیا ہے کہ امام حسینؑ علمِ امامت سے قطع نظر معمول کے ذرائع سے اور ان اطلاعات کے ذریعے سے جو براہِ راست یا بالواسطہ رسول اللہؐ سے ان تک پہنچی تھیں' عاشورا کے واقعے کی تفصیلات سے مکمل طور پر آگاہ اور باخبر تھے۔

۱۲

بنی ہاشم کے نام ایک خط

«بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیم، مِنَ الْحُسَیْنِ بْنِ عَلِیٍّ اِلیٰ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِیٍّ وَ مَنْ قِبَلَہُ مِنْ بَنی ھاشِمٍ، اَمّا بَعْدُ، فَاِنَّ مَنْ لَحِقَ بِی اسْتَشْھَدَ وَمَن تَخَلَّفَ لَمْ یُدْرِک الْفَتْحَ، وَالسَّلامُ» (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

قِبَلُ (قاف پر زیر اور با پر زبر کے ساتھ): یعنی نزدیک، طرف، کہا جاتا ہے: اَتا نِی مِنْ قِبَلِہِ یعنی اس کی جانب سے (میرے پاس) آیا۔ اِسْتِشْھاد: مقامِ شہادت پر فائز ہونا۔ تَخَلَّفَ عَنْھُم: ان کے ساتھ نہیں گیا۔

ترجمہ اور تشریح

ابن قولویہ نے «کامل الزیارات» میں تحریر کیا ہے کہ: حسین ابن علیؑ نے مکہ سے اپنے بھائی محمد بن حنفیہ اور بنی ہاشم کے دوسرے افراد کے نام یہ خط لکھا:

«بسم اللہ الرحمن الرحیم .... حسین ابن علی کی طرف سے محمد بن علی

۱۔ کامل الزیارات۔ ص ۷۵۔

اوران کے ہمراہ رہنے والے بنی ہاشم کے دوسرے افراد کے لئے ۔ امابعد' جو کوئی (اس سفر میں) میرے ساتھ آئے گا وہ شہید ہو جائے گا اور جو مجھ سے علیحدہ رہے گا وہ کبھی کامیابی حاصل نہ کر سکے گا۔ والسلام۔))

اگر چہ ((سید ابن طاؤس)) نے ((کلینی)) سے نقل کیا ہے کہ امام حسینؑ نے یہ خط مکہ سے روانگی کے بعد ارسال کیا (۱) لیکن ((ابن عساکر)) اور ((ذہبی)) نے ((ابن قولویہ)) کی رائے کی تائید کرتے ہوئے مزید یہ بھی کہا ہے کہ اس خط کے مدینہ پہنچنے کے بعد آلِ عبدالمطلب (عبدالمطلب کے خاندان) کے کچھ افراد امامؑ کا ساتھ دینے کیلئے مکہ روانہ ہوئے اور محمد بن حنفیہ بھی مکہ میں ان سے آکر مل گئے۔ (۲)

نتیجہ: بہرصورت اس خط کا نتیجہ' خلاصہ اور مفہوم یہ ہے کہ امام حسینؑ مکہ تشریف آوری کے وقت سے ہی نہ صرف اپنی بلکہ ان تمام افراد کی شہادت کو بھی یقینی سمجھتے تھے' جو اس وقت آپؑ کے ہمراہ تھے یا مستقبل میں آپؑ سے ملحق ہونے والے تھے (فَاِنَّ مَنْ لَحِقَ بِی اسْتَشْهَدَ) اور آپؑ کو اپنی کسی بھی ظاہری فتح و کامیابی کا کوئی امکان نظر نہیں آتا تھا۔ بلکہ اس دور کے حالات کو دیکھتے ہوئے آپؑ یہ بھی جانتے تھے کہ حتیٰ آپؑ کی شہادت کے فوراً بعد بھی بنی ہاشم سے تعلق رکھنے والے افراد یا آپؑ کے خاندان کے کسی اور فرد کا حکومت تک پہنچنا' خاندان بنی امیہ کو اقتدار سے محروم کرنا یا موجودہ حالات کو تبدیل کرنا ممکن نہیں ہوگا (وَمَنْ تَخَلَّفَ لَمْ يُدْرِكِ الْفَتْحَ)

البتہ آپؑ اس بات سے بخوبی آگاہ تھے کہ قیامت تک کے لئے آخری اور مکمل فتح آپؑ اور آپؑ کے اصحاب کی شہادت اور آپؑ کی آل اولاد کی اسیری کے طفیل میسّر ہوگی۔

۱-لہوف-ص ۲۵' اسی طرح لہوف میں خط کے متن میں لم یدرک الفتح کی بجائے لم یبلغ الفتح آیا ہے۔

۲-تاریخ ابن عساکر' حسین ابن علیؑ کے عنوان میں' تاریخ الاسلام ذہبی-ج ۲-ص ۳۴۳۔

۱۳

اہل بصرہ کے نام حسین ابن علیؑ کا خط

"اَمَا بَعْدُ، فَاِنَّ اللہ اصْطَفیٰ مُحَمَّداً (صلی اللہ علیہ و آلہ) مِنْ خَلْقِہِ وَاَکْرمَہُ بِنبُوَّتِہِ وَاخْتَارَہُ لِرِسَالَتِہِ ثُمَّ قَبضَہُ اِلَیْہِ وَقَدْ نَصَحَ لِعِبَادِہِ وَ بَلَّغَ مَا اَرْسلَ بِہِ (صلی اللہ علیہ و آلہ) و کُنّا اَھْلَہُ وَ أوْلیاءَہ وَاوْصیاءَہُ وَ وَرَثَتَہُ وَاَحقَّ النّاسِ بِمَقَامِہِ فی النّاسِ فَاسْتأثرَ عَلَیْنَا قَوْمُنا بِذٰلِکَ فَرَضِینَا و کَرِھْنَا الْفُرْقَۃَ وَاَحْبَبْنَا العَافِیَۃَ وَنَحْنُ نَعْلَمُ انَّا اَحَقُّ بِذٰلِکَ الحقِّ الْمُسْتَحقِّ عَلَیْنَا مِمَّنْ تَوَلّاہُ وَقَدْ بَعَثْتُ رَسُولی اِلَیْکُمْ بِھٰذا الْکِتَابِ وَانَا اَدْعُوکُمْ اِلیٰ کِتَابِ اللہ وَسُنَّۃِ نَبِیِّہِ فَاِنَّ السُّنَّۃَ قَد اُمِیْتَتْ وَالْبِدْعَۃَ قَد اُحْیِیَتْ فَاِنْ تَسْمَعوا قَوْلی اَھْدِکُمْ اِلیٰ سَبیلِ الرَّشَادِ وَالسَّلامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللہ وَ بَرکَاتُہُ" (۱)

۱- تاریخ طبری - ج ۷ - ص ۲۴۰۔

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

اِسْتَأثَرَ ، استاثر علی الغیر: اپنے لئے مخصوص کرلیا۔ اَحَقَ: زیادہ حقدار۔ تَوَلاَہٗ اس کی سرپرستی اپنے ذمے لے لی۔ رَشاد: صحیح راستہ۔

ترجمہ اور تشریح

«طبری» کے بیان کے مطابق امامؑ نے مکہ تشریف آوری کے بعد بصرہ کے قبائل کے سرداروں جیسے مالک بن مسمع بکری، مسعود بن عمرو، منذر بن جارود وغیرہ کے نام ایک خط ارسال کیا۔ اس خط کا عربی متن بالائی سطور میں قارئین دیکھ چکے ہیں اور اس کا اردو ترجمہ درجِ ذیل ہے۔

«اما بعد، اللہ نے تمام لوگوں میں سے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چنا، نبوت کے ذریعے انہیں بزرگی سے نوازا اور اپنی رسالت کے لئے انہیں منتخب کیا۔ پھر جب آنحضرتؐ، اللہ کے بندوں کو نصیحت اور ان کی رہنمائی فرما چکے اور آنحضورؐ نے اپنے فرائض کو بخوبی انجام دے دیا، تو پروردگار نے انہیں اپنے پاس بلالیا (اور ان کی روح قبض کرلی)۔ ہم انہی کے اہلِ بیت، اولیا، اوصیا اور ورثا ہیں، اور ہم ہی تمام لوگوں میں ان کے مقام کے سب سے زیادہ اہل اور حقدار ہیں۔ لیکن ایک گروہ نے یہ حق ہم سے چھین لیا۔ ہم نے (حقدار ہونے کے باوجود اس ظلم پر) صبر کیا اور (مسلمانوں کے درمیان) اختلاف اور تفرقے کو ناپسند کرتے ہوئے امن و عافیت کو ترجیح دی۔ جبکہ ہم جانتے تھے کہ ہم اس حق کے سب سے زیادہ مستحق تھے جس پر دوسرے مسلط ہو گئے۔

اب اس خط کے ساتھ میں اپنا نمائندہ تمہاری جانب بھیج رہا ہوں اور تمہیں اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت کی (طرف) دعوت دیتا ہوں۔ (کیونکہ آج

حالات یہ ہیں کہ) سنت پامال ہوچکی ہے اور بدعت چھا چکی ہے۔
اگر تم میری دعوت پر لبیک کہو تو میں راہِ راست کی جانب تمہاری ہدایات کروں گا۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ۔))

امامؑ نے یہ خط اپنے ایک دوست سلیمان کے ہاتھ بصرہ روانہ کیا۔ سلیمان بصرہ میں اپنی ذمے داری انجام دینے اور خط پہنچانے کے بعد گرفتار کر لئے گئے اور ابن زیاد نے کوفہ روانہ ہونے سے ایک رات قبل انہیں پھانسی چڑھانے کا حکم دیا۔

اہم اور اہم ترین کا ٹکراؤ

امام حسینؑ نے اس خط میں اہلِ بصرہ کو اس زمانے کے غیر اسلامی اور دین مخالف حالات کا مقابلہ کرنے کی دعوت دی۔ علاوہ ازایں اہل بیت اطہارؑ کے مقام، مرتبے، اسلام اور خلافتِ اسلامیہ میں بگاڑ کے در آنے، مقابلے اور جد و جہد کے لحاظ سے گزشتہ اور موجودہ حالات کے موازنے، اہم ترین پر کم اہم کو مقدم کرنے اور خاص زمانے میں اہل بیت اطہارؑ کی خاموشی کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے اپنی تحریک کے اہداف و مقاصد کی تشریح کی۔

اس مکتوب میں آپؑ نے واضح کیا کہ گزشتہ دور کے خاص حالات کے پیش نظر عملی جد وجہد کی بجائے خاموشی کو ترجیح دی گئی۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ اس زمانے کی صورتحال میں صرف عملی جد وجہد سے کوئی نتیجہ حاصل نہیں کیا جا سکتا تھا، بلکہ دشمن، منافق اور موقع پرست افراد اس جد و جہد سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے۔ فَرَضِینا وَ کَرِهْنَا الْفُرْقَةَ.

اسی بنیاد پر اس وقت ہم نے سکوت کو ترجیح دی اور گوشہ نشینی اختیار کی اور اس طرح اسلامی معاشرے کو فتنہ وفساد سے محفوظ رکھا اور تبلیغ و ہدایت کے ذریعے مسلمانوں کی بہتری کے اسباب فراہم کئے۔ لیکن اب ایک اور مرحلہ درپیش ہے اور اب اسلام کے صرف بگاڑ کے راستے پر گامزن ہونے ہی کا نہیں بلکہ سرے سے اسکے نابود ہو جانے کا خطرہ پیدا ہو چکا ہے۔

فَـاِنَّ السُّـنَّۃَ قَـد اُمِیتَـتْ وَالْبِدْعَۃَ قَد اُحْیِیَتْ نبی کا قانون مٹا دیا گیا ہے اور بدعت اور من مانی نے اس کی جگہ لے لی ہے۔ نیز آج کے حالات بھی جد و جہد کے لئے ساز گار ہیں۔ یعنی اگر آج مقابلے کے دوران امت کے پاکیزہ افراد کا خون بہہ بھی جائے تو نہ صرف یہ کہ دشمن اس سے اپنے حق میں کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکے گا بلکہ اس تحریک سے آخر کار دین اسلام کو بہترین نتائج حاصل ہوں گے۔

۱۴

امام حسینؑ کا مکتوب

اہل کوفہ کے خطوط کے جواب میں

"بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیم ، مِنَ الْحُسَیْنِ بْنِ عَلِیٍّ اِلَي الْمَلأِ مِنَ الْمُؤْمِنِینَ وَ الْمُسْلِمِینَ ، اَمّا بَعْد؛ فَاِنَّ ھٰانیاً وَ سَعیداً قَدِما عَلَیَّ بِکُتُبِکُمْ وَ کٰانَا آخِر مَنْ قَدِمَ عَلَيَّ مِنْ رُسُلِکُمْ وَقَدْ فَھِمْتُ کُلَّ الَّذِی قَصَصْتُمْ وَ ذَکَرْتُمْ وَ مَقٰالَۃُ جُلِّکُمْ اَنَّہُ لَیْسَ عَلَیْنٰا اِمامٌ فَاقْبِلْ لَعَلَّ اللّٰہَ یَجْمَعُنٰا بِکَ عَلَی الْھُدیٰ وَالحَقِّ . وَقَدْ بَعَثْتُ اِلَیْکُمْ اَخِی وَابْنَ عَمّی وَثِقَتی مِنْ اَھْلِ بَیتِی وَاَمَرتُہُ اَنْ یَکْتُبَ اِلَیَّ بِحَالِکُمْ وَاَمْرِکُمْ وَرَأیِکُمْ فَاِنْ کَتَبَ اَنَّہُ قَدْ اِجْتَمَعَ رَأيُ مَلاٰکُمْ وَذَوِی الْفَضْلِ وَالْحِجیٰ مِنْکُمْ عَلیٰ مِثْلِ مٰا قَدِمَ عَلَیِّ بِہِ رُسُلُکُمْ وَقَرَأتُ فِی کُتُبِکُمْ اَقْدِمُ عَلَیْکُم وَشیکاً اِنْ شٰاءَ اللّٰہ فَلَعَمْرِی مٰاالاِ مٰامُ اِلاَ الْعٰامِلُ بِالْکِتٰابِ وَالآ خِذُ

بِـالْقِسْطِ وَالدَّئِنُ بِالْحَقِّ وَالْحَابِسُ نَفْسَهُ عَلٰى ذَاتِ اللهِ وَالسَّلَامُ.» (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

مَلأ : سرکردہ افراد، قوم کے سردار۔ حِجیٰ : عقل وشعور۔ وشیک : تیز، عنقریب واقع ہونے والا۔ عَمْر (عین پر زبر کے ساتھ): حیات وزندگی۔ لَعَمْری : میری جان کی قسم۔ دائن: پیروکار، حق کا پابند۔ حَابِس (حَبْس سے): روکنا۔

ترجمہ اور تشریح

جب اہل کوفہ کو خبر ملی کہ امام حسینؑ نے مطالبۂ بیعت مسترد کر دیا ہے اور آپؑ انحراف اور گمراہی کے خلاف جنگ کے لئے آمادہ ہیں اور مکہ تشریف لا چکے ہیں، تو انہوں نے بڑی تعداد میں قاصد، انفرادی خطوط اور دستخط شدہ اجتماعی مکتوب حسین ابن علیؑ کی خدمت میں ارسال کئے۔

ان تمام خطوط کا مجموعی مفہوم یہ تھا کہ: اب جبکہ معاویہ کی موت کے بعد مسلمانوں کو اس کے ظلم وستم سے نجات مل گئی ہے، ہمیں ایک ایسے امام اور رہبر کی ضرورت ہے جو ہمیں اس پریشانی اور افراتفری سے نجات دلائے اور ہماری شکستہ کشتی کی ساحلِ نجات کی سمت رہنمائی کرے۔ ہم اہلیانِ کوفہ نے شہر میں یزید کے نمائندے نعمان ابن بشیر کی مخالفت کرتے ہوئے اس سے ہر قسم کا تعاون ترک کر دیا ہے، حتیٰ اس کی نماز میں بھی شرکت نہیں کرتے اور ہم آپ کی تشریف آوری کے منتظر ہیں۔ ہم آپ کے اہداف ومقاصد کو آگے بڑھانے کے لئے حتیٰ الامکان کوشش کریں گے اور آپ کی راہ میں جان ومال کی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔

۱- تاریخ طبری- ج ۷- ص ۲۳۵، تاریخ کامل ابن اثیر- ج ۳- ص ۲۶۷، ارشاد مفید- ص ۲۰۴، مقتل خوارزمی ج ۱- ص ۱۹۵ اور ۱۹۶۔

امام حسینؑ نے ان خطوط کے جواب میں، جن کی تعداد بعض مورخین کے مطابق بارہ ہزار سے زائد تھی، یہ تحریر فرمایا:

«بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ حسین ابن علی کی طرف سے شہر کوفہ میں بسنے والے مومنین و مسلمین کے سرکردہ افراد کے نام۔ اما بعد، ہانی اور سعید کے ذریعے آپ کے آخری خطوط مجھ تک پہنچے۔ جو کچھ آپ حضرات نے اپنے خطوط میں لکھا اور ذکر کیا ہے، اسے میں نے سمجھ لیا ہے۔ ان خطوط میں سے اکثر میں آپ حضرات کی درخواست یہ تھی کہ ہمارا کوئی رہبر و رہنما نہیں ہے، آپ جلد ہماری طرف آیئے تاکہ خداوند متعال آپ کے ذریعے ہمیں حق اور ہدایت پر جمع کرے۔ (لہٰذا) میں اپنے بھائی، چچا کے بیٹے اور خاندان میں اپنے قابلِ اعتماد شخص (مسلم بن عقیل) کو آپ کی طرف بھیج رہا ہوں۔ میں نے انہیں حکم دیا ہے کہ وہ آپ کی رائے، سوچ اور وہاں کے حالات کے بارے میں مجھے تحریر کریں، اب اگر آپ کے عمائدین اور اہل فکر و نظر افراد کی رائے بھی وہی ہوئی جو میں نے آپ کے خطوط میں پڑھی ہے اور جس کی آپ کے نمائندوں نے بالمشافہ ملاقاتوں میں مجھے خبر دی ہے تو انشاء اللہ میں بہت جلد آپ کی طرف روانہ ہو جاؤں گا۔ اپنی جان کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ امام اور رہبر وہ ہے جو کتابِ خدا پر عمل کرے، عدل و انصاف کا راستہ اختیار کرے، حق کی پیروی کرے اور اپنے وجود کو اللہ کے لئے وقف کر دے۔ والسلام»

«طبری» اور «دینوری» کے مطابق امامؑ نے یہ خط اہلیانِ کوفہ کے دو قاصدوں ہانی اور سعید کے ذریعے کوفہ ارسال کیا (۱) لیکن «خوارزمی» نے لکھا ہے کہ امامؑ نے یہ خط مسلم بن عقیل

۱۔ تاریخ طبری۔ ج ۷۔ ص ۲۳۵، اخبار الطّوال۔ ص ۲۳۸۔

کو دیا کہ وہ اپنے ہمراہ لے جائیں اور مسلم بن عقیل سے فرمایا: میں تمہیں اہلِ کوفہ کی طرف بھیج رہا ہوں۔ خدا تمہیں اس امر میں کامیاب و کامران کرے جس میں اس کی رضا اور خوشنودی ہو۔ اب کوچ کرو' خدا تمہارا حامی اور ناصر ہو۔ مجھے امید ہے کہ میں اور تم درجۂ شہدا پر فائز ہوں گے۔(۲)

نتیجہ: امام حسینؑ نے اس خط کے ذریعے اہلِ کوفہ کی درخواست کا مثبت جواب دیتے ہوئے اپنے نمائندے کی حیثیت سے حضرت مسلم کی روانگی کا اعلان کیا اور ((اپنا بھائی)) اور ((اپنا قابلِ اعتماد فرد)) کہہ کر ان کا تعارف کرایا اور ساتھ ہی اس حقیقی رہبر اور امامؑ کی شرائط بیان کیں جس کی اطاعت اور پیروی ہر مسلمان پر واجب ہے اور زور دے کے فرمایا کہ رہبر اور امام کو چاہئے کہ وہ اللہ کی کتاب پر عمل کرے' اس کا مقصد عدل و انصاف کا قیام ہو اور اس کا پورا کا پورا وجود خدا کے لئے وقف ہو۔

۲۔ مقتل خوارزمی۔ ج ۱۔ ص ۱۹۶۔

۱۵

مسلم بن عقیلؑ کے نام خط

«اَمَّـا بَـعْـدُ : فَـقَـدْ خَشِيـتُ اَنْ لاَيَـكُـونَ حَمْلُكَ عَلَى الْكِتٰبِ اِلَيَّ فِى الاِ سْتِعْفٰاءِ مِنَ الوَجْهِ الَّذى وَجَّهْتُكَ لَهُ اِلاّ الْـجُبْـنَ فَا مْضِ بِـوَجْـهِكَ الَّـذى وَجَّهْتُكَ فِيــهِ، وَالسَّلامُ» (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

حَـمَـلَه عَلَى الأمْر : اسے اس کام پر آمادہ کیا۔ وَجَّهَه اِلىٰ فلانٍ : اسے فلاں کی طرف بھیجا۔ وَجْه : سمت، طرف۔

ترجمہ اور تشریح

امام حسینؑ کے حکم کی تعمیل میں حضرت مسلم بن عقیلؑ رمضان کی ۱۵ تاریخ کو (۲) مکہ مکرمہ سے کوفے کے لئے روانہ ہوئے اور راستے میں مدینہ سے بھی گزرے۔ مدینہ میں مختصر قیام کے دوران انہوں نے قبرِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی، اپنی قوم اور قبیلے کے

۱- تاریخ طبری- ج ۷- ص ۲۳۷، ارشادِ مفید- ص ۲۰۴، مقتل خوارزمی- ج ۱- ص ۱۹۶۔

۲- مروج الذہب- ج ۲- ص ۸۶۔

افراد سے ایک مرتبہ پھر عہد لیا' اور قبیلۂ قیس کے دو افراد کو راستے کے رہنما (Guide) کے طور پر ہمراہ لے کر کوفہ کی سمت روانہ ہوئے۔ مدینہ سے کچھ دور جانے کے بعد یہ مسافر راستہ بھول بیٹھے اور سرزمینِ حجاز کے وسیع و عریض ریگستانوں میں پریشان اور سرگرداں بھٹکنے لگے۔

تلاش بسیار کے بعد اس وقت راستہ ملا جب مسلم کے ہمراہ آنے والے دونوں گائڈ شدید گرمی اور پیاس کی شدت سے اپنی جان ہار چکے تھے۔ حضرت مسلم ((مضیق)) نامی جگہ تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے' جہاں ایک خانہ بدوش قبیلہ مقیم تھا۔ یوں انہوں نے اس مصیبت سے چھٹکارا پایا۔

((مضیق)) پہنچنے کے بعد حضرت مسلم نے اسی خانہ بدوش قبیلے کے ایک فرد کے ذریعے ایک خط امام حسینؑ کی خدمت میں ارسال کیا۔ اس خط میں انہوں نے اپنے ساتھیوں کی موت اور اسکے بعد مشکلات سے نجات پا جانے کا ذکر کرتے ہوئے امامؑ سے درخواست کی تھی کہ انہیں کوفہ بھیجنے کے فیصلے پر نظرثانی فرمائیں اور اگر مناسب سمجھیں تو یہ ذمے داری ان کی بجائے کسی اور شخص کے سپرد کر دیں کیونکہ وہ اس حادثے کو بدشگونی سمجھ رہے ہیں اور یہ سفر ان کی رائے میں نحس ہے۔

مسلم نے اپنے خط کے آخر میں تحریر کیا کہ میں اسی قاصد کے توسط سے خط کا جواب پانے تک' اسی جگہ ٹھہر کر انتظار کروں گا۔ (۱)

امامؑ نے ان کے خط کے جواب میں تحریر کیا:

((اَمّا بَعْدُ ، فَقَدْ خَشیتُ اَنْ..... مجھے اندیشہ ہے کہ جو کام میں نے آپ کے سپرد کیا تھا' اس سے آپ کا استعفا لکھ بھیجنا صرف ڈر اور خوف کی وجہ سے ہے۔ (اس خوف کو اپنے دل سے نکال دیجیے) اور اسی سمت کا رخ کیجیے جس

۱- تاریخ طبری - ج ۷ - ص ۲۳۷۔

کے لئے میں نے آپ کو روانہ کیا تھا۔ والسلام۔))

خوفزدہ ہونے کا خدشہ

امام حسینؑ کے اس قوت بخش بیان سے بخوبی واضح ہے کہ کوئی بھی ایسی شخصیت جو اسلامی معاشرے میں بنیادی اصلاح اور تبدیلی کی خواہاں ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ نہ صرف وہ خود کسی خوف و ہراس سے دوچار نہ ہو بلکہ اس کے ہمراہی بھی اتنے ہی بلند ہمت اور شجاع ہوں۔ بصورتِ دیگر اس کی جدوجہد بے نتیجہ رہ جائے گی اور وہ اپنے پیش نظر اعلیٰ اہداف ومقاصد حاصل نہ کر سکے گا۔

امام حسینؑ نہ دشمن کی تعداد سے خائف تھے اور نہ ہی اس کی تیاری سے بلکہ ان کا اندیشہ اور خوف اس ڈر اور کمزوری کے بارے میں تھا جو ممکن ہے ان کے سفیر اور نمائندے میں پیدا ہو جائے۔

۱۶

مکہ میں امام حسینؑ کا خطاب

"اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَ مَا شَاءَ اللہُ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللہِ وَصَلَّی اللہُ عَلٰی رَسُولِہٖ، خُطَّ الْمَوْتُ عَلٰی وُلْدِ آدَمَ مَخَطَّ الْقِلَادَةِ عَلٰی جِیدِ الْفَتَاةِ وَمَا اَوْلَهَنِی اِلٰی اَسْلَافِی اِشْتِیَاقَ یَعْقُوبَ اِلٰی یُوسُفَ وَخَیَّرَلِی مَصْرَعاً اَنَا لَاقِیہِ کَاَنِّی بِاَوْصَالِی تَتَقَطَّعُهَا عُسْلَانُ الْفَلَوَاتِ بَیْنَ النَّوَاوِیسِ وَکَرْبَلَا فَیَمْلَاَنَّ مِنِّی اَکْرَاشاً جُوفاً وَاَجْرِبَةً سُغْباً لَا مَحِیصَ عَنْ یَومٍ خُطَّ بِالْقَلَمِ رِضَا اللہِ رِضَانَا اَهْلَ الْبَیْتِ نَصْبِرُ عَلٰی بَلَائِہٖ وَیُوَفِّینَا اُجُورَ الصَّابِرِینَ لَنْ تَشُذَّ عَنْ رَسُولِ اللہِ لُحْمَتُہُ بَلْ هِیَ مَجْمُوعَةٌ لَہُ فِی حَظِیرَةِ الْقُدْسِ تَقِرُّبِهِمْ عَیْنُہُ وَ یُنْجَزُ بِهِمْ وَعْدُہُ اَلَا وَمَنْ کَانَ فِینَا بَاذِلاً مُهْجَتَہُ مُوَطِّناً عَلٰی لِقَاءِ اللہِ نَفْسَہُ فَلْیَرْحَلْ مَعَنَا فَاِنِّی رَاحِلٌ مُصْبِحاً اِنْ شَاءَ اللہُ۔" (۱)

۱-لہوف-ص۵۳،مثیر الاحزان-ص۲۱۔

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

خُطَّ: لکھ دیا گیا ہے، نقش کر دیا گیا ہے، لکیر ڈل چکی ہے۔ مَخَطّ: وہ جگہ جہاں کوئی اثر یا لکیر وجود میں آئے۔ قِلادَہ: گردن بند، ہار۔ فَتَاۃ: لڑکی، کنیز۔ مَاأَوْلَهَنِی: (وَلَہ سے فعل تعجب): بہت زیادہ خوشی اور مسرت۔ اسلاف (سلف کی جمع): آباؤ اجداد۔ خَیَّر لی مصرعاً (اکثر خَیِّرَ کے لفظ کو مجہول پڑھا جاتا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ اسے معلوم پڑھا جائے): یعنی خداوند متعال نے میرے قتل کی جگہ معین کر دی ہے۔ اوصال: بدن کے اعضا۔ عُسْلان (عین پر پیش اور سین ساکن، عاسل کی جمع): ہر متحرک اور لرزنے والی چیز کو کہا جاتا ہے، (جیسے نیزہ اور بھڑیا) یہاں بھیڑیا مراد ہے۔ فلوات (فلات کی جمع): وسیع و عریض بیابان۔ اکراش (کرش کی جمع): پیٹ، شکم۔ نواویس (نائوس کی جمع): عربی میں عیسائیوں کی قبور کو کہا جاتا ہے اور یہاں ایک تباہ شدہ گاؤں مراد ہے، جس میں عیسائی مقیم تھے۔ یہ گاؤں کربلا کے نزدیک واقع تھا۔ جوف (جیم پر پیش کے ساتھ اجوف کی جمع جیسے سُوْد اسود کی جمع): کوئی بھی وسیع چیز۔ اجربۃ: (جراب کی جمع): تھیلا، یہاں کنائے کے طور پر پیٹ کے لئے استعمال ہوا ہے۔ سُغبا: (سین پر پیش ہے اسغب کی جمع): بھوک۔ لن تشذ: (شذ سے لیا گیا ہے): علیحدہ اور جدا ہونے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ لُحمہ (لام پر پیش ہے): رشتے داروں میں سے مخلص ترین اور نزدیک ترین شخص۔ خطیرۃ القدس: فردوس بریں۔ مھجۃ: خون۔ موطن (اس کا مصدر تو طین ہے): تیار کرنا۔

ترجمہ اور تشریح

ذی الحجہ کے اوائل میں جبکہ ایامِ حج کے نزدیک ہونے کی وجہ سے حجاج قافلہ در قافلہ مکہ میں داخل ہو رہے تھے امام حسینؑ کو اطلاع ملی کہ یزید کے حکم پر «عمرو بن سعید بن عاص» بظاہر امیرِ حج کے طور پر لیکن درحقیقت کسی انتہائی خطرناک مشن پر مکہ آیا ہے۔ اسے یزید کی طرف سے

یہ ذمے داری سونپی گئی ہے کہ وہ جہاں بھی اور سرزمینِ مکہ کے جس مقام پر بھی ممکن دیکھے حسین ابن علیؑ کو قتل کر دے۔

لہٰذا خانہ کعبہ اور مکہ مکرمہ کے تقدس کو محفوظ رکھنے کی خاطر، امامؑ نے مراسمِ حج میں شرکت کئے بغیر اور اعمالِ حج کو عمرۂ مفردہ میں تبدیل کر کے آٹھ ذی الحجہ بروز منگل مکہ سے عراق کی جانب روانگی کا فیصلہ کیا۔

عراق روانگی سے قبل امامؑ نے خاندانِ بنی ہاشم اور اپنے کچھ حامیوں کے سامنے، جو مکہ میں قیام کے دوران آپؑ کے ساتھ ہو لئے تھے، یہ خطبہ ارشاد فرمایا:

«اَلْحَمْدُلله وَ مَا شَاءَ اللهُ وَ ..... تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں۔ وہی ہوتا ہے جو وہ چاہتا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی قدرت کارگر نہیں۔ درود و سلام اللہ کے رسول پر۔

انسانوں کے لئے موت اسی طرح لازم کر دی گئی ہے جس طرح دوشیزہ کے گلے پر گردن بند کا اثر لازم ہوتا ہے۔ مجھے اپنے اسلاف اور اجداد سے ملاقات کا اتنا ہی اشتیاق ہے، جتنا شوق یعقوب کو یوسف سے ملنے کا تھا۔ میری قتل گاہ معین ہو چکی ہے، جہاں میں پہنچ کے رہوں گا۔ گویا میں خود دیکھ رہا ہوں کہ صحرا اور بیابان کے بھیڑیئے (یزیدی لشکر کی جانب اشارہ ہے) سرزمینِ کربلا اور «نواویس» کے درمیان میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اپنے بھوکے پیٹ اور خالی تھیلے بھر رہے ہیں۔ خدا کے لکھے سے فرار ممکن نہیں۔ جس بات سے اللہ راضی ہوتا ہے، ہم اہل بیت بھی اسی سے راضی ہوتے ہیں۔ ہم اس کے امتحان اور آزمائش پر صبر کریں گے اور وہ ہمیں صابروں کا اجر عنایت فرمائے گا۔ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور ان کے جگر گوشوں کے درمیان جدائی ممکن نہیں، بلکہ بہشتِ بریں میں سب ساتھ اکھٹے کئے جائیں گے، جنہیں دیکھ

کر آنحضرت کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی اور آنحضور ان سے کئے ہوئے وعدے کو پورا کریں گے۔

جان لو کہ تم میں سے جو بھی ہمارے اوپر اپنا خون نچھاور کرنا چاہتا ہو' اور اللہ سے ملاقات کے لئے تیار ہو' وہ ہمارے ساتھ چلے۔ میں انشاء اللہ کل صبح روانہ ہو جاؤں گا۔»

نتیجہ: امام حسین علیہ السلام نے مکہ مکرمہ سے روانہ ہونے سے قبل کئے گئے اس خطاب میں واضح الفاظ میں نہ صرف اپنی شہادت بلکہ اس کی تفصیلات تک سے آگاہ کر دیا' اور اپنے دوستوں اور ہمراہ آنے والوں کو کھلے لفظوں میں معاملات سے مطلع فرما دیا۔ تاکہ اگر وہ بھی امامؑ کا ساتھ دینے اور راہِ اسلام میں اپنا خون بہانے پر کمربستہ ہوں اور رضائے الٰہی کے لئے اپنی جان فدا کرنے پر آمادہ ہوں تو چلنے کے لئے تیار ہو جائیں۔

امامؑ کیوں جانتے بوجھتے موت کے منہ میں گئے؟

اس مقام پر عرصۂ دراز سے پوچھا جانے والا یہ سوال سامنے آتا ہے کہ آخر جان بوجھ کر خود کو شہادت اور موت کے منہ میں دینا کس طرح درست قرار پائے گا؟ کیا اپنی جان کی حفاظت کرنا اور وہ بھی امام حسینؑ جیسی پاک و پاکیزہ اور مقدس ہستی کی جان کا تحفظ' واجب نہیں ہے؟

اس سوال کا مختصر جواب یہ ہے کہ جہاد' اسلام کے اہم ترین احکامات میں سے ایک حکم ہے' اور شہادت ہر مسلمان کے لئے باعث عزت و افتخار اعزازات میں سے ایک اعزاز۔ قرآنِ مجید میں جہاد اور شہادت کے بارے میں دسیوں آیات موجود ہیں (۱) اور ان میں

۱۔ قرآن کریم پر طائرانہ نگاہ ڈالنے ہی سے ایک سو سے زائد ایسی آیات نظر آجاتی ہیں' جو جہاد و شہادت سے مربوط ہیں۔

سے کسی ایک آیت میں بھی یہ شرط نہیں رکھی گئی ہے کہ جہاد اس وقت کیا جائے' یا شہادت اس موقع پر قبول کی جائے جب اسکے نتیجے میں یقینی کامیابی کا علم ہو۔ بلکہ اسلام دشمنوں کے مدمقابل معرکہ آرائی' جانبازی اور حق کے غلبے کی راہ میں شہادت مومن کی علامتوں میں شمار کی گئی ہے۔جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیَقْتُلُوْنَ وَ یُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَیْہِ حَقًّا فِی التَّوْرٰۃِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ وَمَنْ اَوْفٰی بِعَھْدِہٖ مِنَ اللّٰہِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَیْعِکُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِہٖ وَذٰلِکَ ھُوَالْفَوْزُ الْعَظِیْمُ. (بے شک اللہ نے صاحبان ایمان سے جنت کے عوض ان کے جان و مال کو خرید لیا ہے' کہ یہ لوگ راہِ خدا میں جہاد کرتے ہیں اور دشمنوں کو قتل کرتے ہیں اور پھر خود بھی قتل ہو جاتے ہیں۔ یہ سچا وعدہ توریت' انجیل اور قرآن' ہر جگہ ذکر ہوا ہے' اور خدا سے زیادہ کون اپنے وعدے کو پورا کرنے والا ہوگا۔تو اب تم لوگ اپنی اس تجارت پر خوشیاں مناؤ جو تم نے خدا سے کی ہے' کہ یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔سورۂ توبہ۹- آیت ۱۱۱)

اور اگلی آیت میں پروردگار نے نو انتہائی اہم اور عالی صفات کے ذریعے ان جانباز اور فداکار مومنوں کی تعریف کی ہے اور ان کی ستائش میں فرمایا ہے: اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰکِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاھُوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَ الْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰہِ. (یہ لوگ توبہ کرنے والے' عبادت کرنے والے' پروردگار کی حمد کرنے والے' راہِ خدا میں سفر کرنے والے' رکوع کرنے والے' سجدہ کرنے والے' نیکیوں کا حکم دینے والے' برائیوں سے روکنے والے اور حدودِ الٰہیہ کی حفاظت کرنے والے ہیں۔سورۂ توبہ۹- آیت ۱۱۲)

یعنی یہ لوگ اللہ کے بنائے ہوئے قانون اور احکام کی حفاظت کرنے والے ہیں اور انہی قوانین کی حفاظت اور دفاع کا جذبہ ہے جو انہیں اس انتہائی درجے کے ایثار اور فداکاری

پر تیار کرتا ہے۔

جیسا کہ آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ دوسری آیات کی طرح اس آیت میں بھی کامیابی اور کامرانی کے یقین کو جہاد کی شرط قرار نہیں دیا گیا بلکہ فرمایا گیا ہے کہ: فَيَقْتُلُوْنَ وَ يُقْتَلُوْنَ (کبھی قتل کرتے ہیں اور کبھی قتل ہوتے ہیں۔)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت اور حیاتِ طیبہ سے اس بات کی شہادت ملتی ہے کہ آپؐ نے اپنے سے کئی گنا زیادہ طاقتور لشکر سے جنگ کی اور بعض اوقات اپنے خاندان کے عزیز ترین افراد کی قربانی پیش کی۔ اگر اسلام دشمنوں کے خلاف جنگ اور جہاد فی سبیل اللہ صرف اسی وقت کیا جائے جب فتح اور کامیابی یقینی ہو تو ایسے میں شہادت اور جہاد اپنا اصل مفہوم کھو بیٹھیں گے۔

اگر یہ اہم فریضہ اور جہاد فی سبیل اللہ ہر مسلمان پر واجب ہے تو امام پر تو ہمارے تصور سے بھی کہیں بڑھ کر یہ فریضہ واجب ہوگا کیونکہ امام محافظِ قرآن اور بقائے اسلام کا ضامن ہوتا ہے اور اگر امام ہی اس ذمے داری کو انجام نہ دے اور اس عظیم سعادت سے محروم رہے تو پھر کون اس ذمے داری سے عہدہ برآ ہوگا؟ اگر امام اپنی اور اپنے اقربا کی قربانی دے کر احکام الٰہی کی حفاظت نہ کرے تو پھر کون ان احکام وقوانین کی حفاظت کرے گا؟

جی ہاں! امام حسینؑ نے اس زمانے کے حالات اور فضا کو اپنی جدوجہد کے لئے مناسب سمجھا۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ اس جدوجہد کے نتیجے میں اسلام و مسلمین، قرآن وسنت یزیدیوں کے ناجائز تسلط اور چنگل سے نجات پا جائیں گے اور اسلامی تاریخ میں ایک عظیم الشان انقلاب رونما ہوگا، اور اس سے بڑھ کر کامیابی کیا ہوسکتی تھی؟ لہٰذا انہوں نے جہاد کا فیصلہ کرلیا۔

امامؑ کے خطبات کی مناسبت سے اس بارے میں آئندہ صفحات میں مزید گفتگو ہوگی۔

۱۷

ابن عباس کے جواب میں

«یَا بُنَ العَمِّ اِنّی وَاللہ لاَ عْلَمُ اَنَّکَ نَاصِحٌ مُشْفِقٌ وَقَدْ اَزْ مَعْتُ عَلَی المَسیر ..... وَاللہ لاَ یَدَعُونی حَتّی یَسْتَخرِجُوا ھٰذِہِ الْعَلَقَۃَ مِنْ جوفی فَاِذٰا فَعَلُوا سَلَّطَ اللہُ عَلَیْھِمْ مَنْ یُذِلّھُمْ حَتّی یَکُونُوا اَذَلَّ مِن فِرٰامِ الْمَرْأۃ.» (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

مُشْفِق: مہربان۔ اَزْمَعْتُ، زَمَعَ اور زَمَّعَ: پکا عزم کرلیا۔ اَیَدعونی (وَدَع سے): ترک کردیا۔ عَلَقۃ: خون کا لوتھڑا۔ فِرٰام: وہ کپڑا جو خواتین ماہانہ عادت کے دوران استعمال کرتی ہیں۔

ترجمہ اور تشریح

عراق جانے کی مخالفت میں امامؑ کو دیئے جانے والے مشورے

جب امام حسینؑ نے عراق روانگی کا اعلان کیا تو کچھ افراد نے امامؑ کے اس فیصلے کی مخالفت کی اور آپؑ کو عراق نہ جانے کا مشورہ دیا۔ یہ مشورہ دینے والے تمام خیر خواہ اور دور

۱۔ انساب الاشراف۔ ج ۳۔ ص ۱۶۲، تاریخ طبری۔ ج ۷۔ ص ۲۷۵، تاریخ کامل ابن اثیر۔ ج ۴۔ ص ۳۹۔

اندیش افراد کی ایک ہی دلیل تھی اور وہ یہ کہ اہل کوفہ بے وفا اور عہد شکن ہیں۔ یہ سب ایک ہی بات کہتے تھے کہ اہل کوفہ استقبال تو گرم جوشی سے کرتے ہیں لیکن اس کے بعد انتہائی بے رخی سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ ان تمام افراد کی پیش گوئی تھی کہ اس سفر کا انجام امام حسینؑ کی شہادت اور ان کے اہل خانہ کی اسیری کی صورت میں برآمد ہوگا۔

البتہ حقیقت یہ ہے کہ ان حضرات کی پیش گوئی اگرچہ صحیح تھی لیکن وہ سب مسئلے کے صرف ایک ہی رخ کو دیکھ رہے تھے' ان کی حتیٰ المقدور کوشش تھی کہ کسی بھی طریقے سے امامؑ کو قتل ہونے سے بچائیں' کیونکہ ان کی اور ہر مسلمان کی رائے میں امام علیہ السلام کی شہادت' اسلام اور مسلمین کی شکست کے مترادف تھی۔

جبکہ حسین ابن علیؑ کے پیشِ نظر مسئلے کا دوسرا رخ تھا۔ ان کی نظر ان دسیوں آیاتِ قرآنی پر تھی جن میں مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے انہیں تاکید کے ساتھ جنگ اور جہاد کا حکم دیا گیا ہے۔

جی ہاں' امامؑ کے مدنظر وہ آیت تھی جس میں حکم دیا گیا ہے کہ: کُتِبَ عَلَیۡکُمُ الۡقِتَالُ وَھُوَ کُرۡہٌ لَّکُمۡ (جنگ تم پر واجب قرار دے دی گئی ہے' چاہے تمہارے لئے ناپسند ہی کیوں نہ ہو۔ سورۂ بقرہ ۲ - آیت ۲۱۶) اور آپؑ کے ذہن میں وہ آیۂ کریمہ تھی جو کہہ رہی ہے: فَقَاتِلُوۡٓا اَوۡلِیَآءَ الشَّیۡطٰنِ (پس شیطان کے ہمنواؤں سے جنگ کرو۔ سورۂ نساء ۴ - آیت ۷۶)

پھر امام علیہ السلام حالات وظروف کو دیکھنے اور صورتحال کا جائزہ لینے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ جب شیطان اور اس کے ماننے والوں سے جنگ واجب ہے' تو پھر آج روئے زمین پر یزید سے بڑھ کر کون شیطان کا ہمنوا' پیروکار اور جانشین ہوسکتا ہے اور اس کے خلاف جنگ اور جہاد کا فریضہ ہر مسلمان سے پہلے خود مجھ پر عائد ہوتا ہے۔ میں' جو اس امت کا امام اور اسلام کا محافظ ہوں۔

لہٰذا امامؑ نے اپنے انصار واعوان سے خطاب کرتے ہوئے واضح الفاظ میں فرمایا کہ تم

میں سے جو کوئی بھی ہمارے مقصد کی راہ میں، یعنی کلمہ حق کی سربلندی کے لئے اپنی جان نثار کرنا چاہتا ہے، شہادت اور اللہ سے ملاقات کے لئے آمادہ ہے، وہ ہمارے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہو جائے۔ یہ واشگاف اعلان سن کر صرف انہی لوگوں نے آپؑ کی صدا پر لبیک کہا، آپؑ کے ہمراہ ہوئے اور آپؑ کے قافلے میں شمولیت اختیار کی، جو جانثاری کی حد تک تیار تھے، دنیا ان کی نظروں میں حقیر اور بے وقعت تھی۔

لیکن تمام دوسری اصولی اور انقلابی تحریکوں کی مانند، اس تحریک سے بھی بعض دوسرے مسلمانوں، حد یہ ہے کہ کچھ سرکردہ مسلمانوں نے بھی نہ صرف خود کو دور رکھا، امامؑ کی دعوت کا مثبت جواب نہ دیا اور اس عظیم فیض اور اس بے مثل ابدی سعادت سے محروم رہے، بلکہ چونکہ یہ لوگ امامؑ کے فریضے کی اہمیت اور ان کی تحریک کی حقیقت سے بے خبر تھے، اس لئے امامؑ کی اس جدوجہد کی مخالفت کرنے لگے۔ مکہ میں امامؑ کے قیام کے دوران اور پھر مکہ سے کربلا تک کے راستے میں ایسے ہی لوگوں نے کبھی تو ہمدردی جتا کر، کبھی دور اندیشی پر مبنی اپنے مشوروں کے ذریعے اور کبھی طاقت وقوت سے اس عظیم تحریک کا راستہ روکنے کی کوشش کی۔

ایسے لوگوں میں امام علیہ السلام کی قوم و قبیلے کے افراد کے ساتھ ساتھ عام مسلمان اور حتیٰ آپؑ کے مخالفین بھی نظر آتے ہیں۔ البتہ دوستوں کی طرف سے مخالفت کی وجہ اسلام اور امامؑ کے تحفظ کے سلسلے میں ان کا اخلاص اور محبت تھی۔ جبکہ دشمن یزید کی خدمت اور اسکے خلاف کسی بھی تحریک کو اٹھنے سے روکنے کی غرض سے امامؑ کی مخالفت کر رہے تھے۔

اگر امام علیہ السلام اپنے دوستوں اور ہمدردوں کے اس مشورے کو قبول کر لیتے تو دشمنوں کی خواہش بیٹھے بٹھائے پوری ہو جاتی۔ یوں اس موقع پر دوستوں کے مشورے دشمنوں کے مفاد اور ان کے مقاصد کو پورا کر رہے تھے۔

بہر حال یہ مشورے مدینہ سے شروع ہوئے اور مکہ میں جب امامؑ کا ارادہ اور فیصلہ کسی سے پوشیدہ نہ رہا، پھر کربلا پہنچنے تک راستے میں ملنے والے مختلف افراد کی طرف سے جاری رہے۔

مدینہ میں جو مشورے امامؑ کو دیئے گئے، ان کا تذکرہ ہم گزشتہ صفحات میں کر چکے ہیں۔ اس حصے میں بھی کتاب کے تسلسل کو باقی رکھنے کے لئے، صرف وہی مشورے نقل کریں گے، جن کے جواب میں امامؑ کا کوئی واضح بیان تاریخ کی کتابوں میں درج ہوا ہے۔

اب کچھ مشوروں کے جواب میں امامؑ کی گفتگو ملاحظہ ہو:

عبداللہ ابن عباس کا مشورہ

امام حسینؑ کی طرف سے عراق روانگی کے اعلان کے بعد جو افراد امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؑ کو یہ سفر ترک کرنے کا مشورہ دیا ان میں سے ایک عبداللہ ابن عباس تھے۔ انہوں نے اپنی گفتگو کا آغاز اس طرح کیا: اے چچازاد! آپ کے فراق میں خواہ کتنے ہی صبر و ضبط کا اظہار کروں لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں صبر نہیں کرسکتا، کیونکہ مجھے خدشہ ہے کہ اس سفر میں آپ مارے جائیں گے اور آپ کے اہل و عیال قیدی بنا لئے جائیں گے اور میرے اس اندیشے کا سبب یہ ہے کہ اہلِ عراق وعدہ خلاف ہیں اور ان پر اطمینان نہیں کیا جاسکتا۔

اس کے بعد ابن عباس نے کہا: آپ سرزمینِ حجاز کے سید و سردار ہیں اور اہل مکہ و مدینہ آپ کا احترام کرتے ہیں۔ لہٰذا میری رائے میں بہتر یہ ہے کہ آپ یہیں مکہ میں قیام فرمائیں اور اگر اہلِ عراق یزید کی حکومت کے مخالف ہیں اور واقعی آپ کو چاہتے ہیں، جیسا کہ انہوں نے دعویٰ کیا ہے، تو بہتر ہے کہ پہلے یزید کے گورنر اور اپنے دشمن کو شہر سے باہر نکالیں، اسکے بعد آپؑ وہاں تشریف لے جائیں۔

ابن عباس نے مزید کہا: اور اگر آپ مکہ چھوڑنے پر مُصر ہیں، تو بہتر ہے کہ یمن جائیے کیونکہ ایک تو اس علاقے میں آپ کے والد کے حامی بڑی تعداد میں بستے ہیں اور دوسرے یہ کہ یمن ایک وسیع و عریض علاقہ ہے، اس میں مضبوط قلعے اور بلند و بالا پہاڑ ہیں اور وہاں آپ حکومت کی دسترس سے دور رہتے ہوئے اپنا کام انجام دے سکتے ہیں۔ اس دوران آپؑ خط و

کتابت اور اپنے قاصدوں کے ذریعے لوگوں کو اپنی طرف دعوت دیجئے گا۔ مجھے امید ہے کہ اس طرح آپؑ مشکلات میں پڑے بغیر اپنا مقصد حاصل کرلیں گے۔

ابن عباس کو امامؑ کا جواب

ان کے جواب میں امامؑ نے فرمایا:

«یَا بْنَ العَمِّ اِنّی وَ اللہِ لاَ عْلَمُ اَنَّکَ ناصِحٌ مُشْفِقٌ .... اے چچازاد! بخدا میں جانتا ہوں کہ آپ میرے خیر خواہ، ہمدرد اور مجھ پر مہربان ہیں لیکن میں نے (عراق کی جانب) اپنے سفر کا پختہ ارادہ کرلیا ہے۔»

یہ سننے کے بعد ابن عباس سمجھ گئے کہ امامؑ کا فیصلہ اٹل ہے اور اب اس سلسلے میں کوئی مشورہ موثر واقع نہیں ہوگا، لہٰذا انہوں نے اس موضوع پر مزید کوئی بات نہیں کی اور کہا: اب جبکہ آپ نے جانے کا فیصلہ کر ہی لیا ہے تو خواتین اور بچوں کو اپنے ساتھ نہ لے جائیے۔ مجھے ڈر ہے کہ آپ کو ان کی آنکھوں کے سامنے قتل کر دیا جائے گا۔

امامؑ نے ابن عباس کے اس مشورے کا بھی یوں جواب دیا:

«وَاللہِ لاَ یَدَعُونی حَتّی یَسْتَخْرِجُوا .... خدا کی قسم (یہ لوگ میرا خون بہائے بغیر) مجھے نہیں چھوڑیں گے (۱)۔ اور جب یہ لوگ یہ ظلم کر گزریں گے تو خداوند متعال ان پر ایک ایسے شخص کو مسلط کرے گا جو انہیں ایسا ذلیل و خوار کردے گا کہ یہ عورتوں کے استعمال کئے ہوئے کپڑے سے زیادہ پست ہو جائیں گے۔» (۲)

۱- امامؑ نے «لا یدعونی» کا جو لفظ استعمال کیا ہے وہ «ودع» یعنی ترک سے ماخوذ ہے «دعی» یعنی دعوت سے ماخوذ نہیں۔

۲- ابن کثیر نے «کامل» میں امامؑ کے اس قول کو نقل کرنے کے بعد «فرام» کے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نتیجہ : رہبر کا یقین محکم : امامؑ کی اس گفتگو سے، اپنے مقاصد پر آپؑ کا ایمان اور اپنی منزل کے سلسلے میں آپؑ کا یقین واضح ہوتا ہے۔ حالانکہ آپؑ اپنے چچازاد بھائی عبداللہ ابن عباس کی بصیرت اور ان کے خلوص نیت کے قائل تھے اور جانتے تھے کہ انہوں نے جن مشکلات اور رکاوٹوں کا ذکر کیا ہے وہ درست ہیں۔ اس کے باوجود آپؑ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ میں ان تمام مشکلات کے باوجود یہی راستہ اختیار کروں گا۔ اور جب ابن عباس نے انہیں خواتین اور بچوں کو ساتھ لے جانے سے منع کیا، تب بھی آپؑ نے اپنے اسی اٹل اور نہ بدل سکنے والے موقف کو دہرایا۔ یہی ہے امامت اور رہبری کا صحیح مفہوم کہ جب امامؑ اپنے لئے فریضے کا تعین کر لیتا ہے تو پھر اسکے مقابل کسی اندازے اور تخمینے کو خاطر میں نہیں لاتا۔

امام علیہ السلام کی رائے کی مخالفت میں جو مشورے دیئے گئے ان میں سے ایک مشورہ یہ تھا جو عبداللہ ابن عباس نے خود امامؑ کے حضور بیان کیا۔ امامؑ کے اس فیصلے کی مخالفت میں دوسرے افراد نے بھی مشورے دیئے جنہیں آپ آئندہ صفحات میں ملاحظہ کریں گے۔

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ) معنی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ فِرامُ الْمرئةِ خِرْقَةٌ تَجْعَلُها الْمَرْئَةُ فِی قُبُلِها اِذا حاضَتْ (کپڑے کا ایسا پرانا ٹکڑا جسے عورتیں اپنی ماہانہ عادت کے موقع پر استعمال کرتی ہیں۔)

۱۸

عبداللہ ابن زبیر کے جواب میں

"اِنَّ اَبِی حَدَّثَنِی اَنَّ بِمَکَّۃَ کَبْشاً بِہٖ تُسْتَحَلُّ حُرْمَتُھَا فَمَا اُحِبُّ اَنْ اَکُونَ ذٰلِکَ الْکَبْشَ وَ لَئِنْ اُقْتَلُ خَارِجاً مِنھَا بِشِبْرٍ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ اُقْتَلَ فِیھَا وَلَئِنْ اُقْتَلُ خَارِجاً مِنھَا بِشِبْرَیْنِ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ اُقْتَلَ خَارِجاً مِنھَا بِشِبْرٍ وَاَیْمُ اللّٰہِ لَوْ کُنْتُ فِی جُحْرِ ھَامَّۃٍ مِنْ ھٰذِہِ الْھَوَامِّ یَسْتَخْرِجُونِی حَتّٰی یَقْضُوا بِی حَاجَتَھُمْ وَاللّٰہِ لَیَعْتَدُنَّ عَلَیَّ کَمَا اعْتَدَتِ الْیَھُودُ فِی السَّبْتِ.

.....یَا ابْنَ الزُّبَیْرِ لَئِنْ اُدْفَنْ بِشَاطِئِ الْفُرَاتِ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ اُدْفَنَ بِفِنَاءِ الْکَعْبَۃِ.

.....إِنَّ ھٰذَا یَقُولُ لِی کُنْ حَمَاماً مِنْ حَمَامِ الْحَرَمِ وَلَئِنْ اُقْتَلُ وَبَیْنِی وَبَیْنَ الْحَرَمِ بَاعٌ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ اُقْتَلَ وَبَیْنِی وَ بَیْنَہٗ شِبْرٌ وَلَئِنْ اُقْتَلُ بِالطَّفِّ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ اُقْتَلَ بِالْحَرَمِ.

.....اِنَّ ھٰذَا لَیْسَ شَیْءٌ مِنَ الدُّنْیَا اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ اَنْ

اَخْرُجَ مِنَ الْحِجَازِ وَقَدْ عَلِمَ اَنَّ النَّاسَ لاٰ يَعْدِ لُونَهُ بی فَوَدَّ اَنِّی خَرَجْتُ حَتّی يَخْلُولَهُ.» (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

کَبْش :مینڈھا (بھیڑ کا نر)۔ شِبْر :بالشت۔ جُحْر :زمین کا وہ سوراخ جس میں جانور رہتے ہیں، بل۔ هَوامّ (هامة کی جمع): حشرات الارض۔ اِعْتِداء :حق کو پامال کرنا۔ شَاطِیٔ الْفُراٰت :فرات کے کنارے۔ فِناء :دہلیز۔ حَمَام (م پر زبر کے ساتھ): کبوتر۔ باٰع :دو کھلے ہاتھوں کا درمیانی فاصلہ، ایک ہاتھ کی انگلیوں کی ابتدا سے لے کر دوسرے ہاتھ کی انگلیوں کے آخر تک کو ایک باع کہتے ہیں۔ طَفّ :کربلا کے ناموں میں سے ایک نام۔

ترجمہ اور تشریح

عبداللہ ابن زبیر کا شمار بھی ان لوگوں میں ہوتا ہے جنہوں نے امام حسینؑ کو عراق جانے سے منع کیا۔ عبداللہ ابن زبیر بھی حکومت کے مخالفین میں سے تھے اور اسی لئے مدینہ سے فرار ہو کر مکہ میں پناہ گزیں ہوئے تھے۔ مکہ میں امام حسینؑ کی تشریف آوری کے بعد، وہ بھی دوسرے مسلمانوں کی طرح، کبھی ہر روز اور کبھی ایک دن چھوڑ کر امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور ان کی بزم میں شریک ہوتے۔ انہیں جب پتا چلا کہ امامؑ نے عراق کی جانب روانگی کا فیصلہ کر لیا ہے، تو وہ آپؑ کے پاس آئے اور بظاہر آپؑ کو مشورہ دیا کہ اس سفر کا ارادہ ترک کر دیں۔

«بلاذری» اور «طبری» کی تحریر کے مطابق عبداللہ ابن زبیر کی بات کے دو رخ تھے۔ کیونکہ ان کے الفاظ یہ تھے: اے فرزندِ رسولؐ! جس طرح عراق میں آپ کے انصار و مددگار

۱- انساب الاشراف- ج ۳- ص ۱۶۴، تاریخ طبری- ج ۵- ص ۳۸۳، تاریخ کامل ابن اثیر- ج ۴- ص ۳۸، کامل الزیارات- ص ۷۲۔

ہیں، اگر اس طرح میرے حامی وہاں ہوتے، تو میں دوسری کسی بھی جگہ کے مقابلے میں، عراق جانے کو ترجیح دیتا۔

پھر اپنے آپ کو تہمت سے بچانے کی خاطر سلسلۂ کلام کو یوں جاری رکھا: بہر حال، اگر آپ مکہ میں مقیم رہیں اور اسی شہر میں رہتے ہوئے مسلمانوں کی امامت اور رہبری کرنا چاہیں تو ہم بھی آپ کی بیعت کریں گے اور جہاں تک ممکن ہو گا آپ کی حمایت اور ہم نوائی سے گریز نہیں کریں گے۔

امامؑ نے انہیں جواب دیا:

«اِنَّ اَبِی حَدَّثَنِی اَنَّ بِمَکَّةَ .... میرے والد نے مجھے بتایا تھا کہ مکہ میں ایک مینڈھے کی موجودگی کی وجہ سے اس شہر کا احترام پامال ہو گا۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ مینڈھا میں بنوں (یعنی مجھے قتل کیا جائے اور اس وجہ سے خانۂ خدا کا احترام پامال ہو)۔ اگر میں مکہ سے ایک بالشت باہر مارا جاؤں تو یہ مجھے مکہ میں مارے جانے کے مقابلے میں زیادہ پسند ہے، اسی طرح اگر مکہ سے دو بالشت کے فاصلے پر قتل کیا جاؤں تو یہ مجھے مکہ سے ایک بالشت دور مارے جانے سے زیادہ پسند ہو گا۔

خدا کی قسم، اگر میں کسی جانور کے بل میں بھی چلا جاؤں تو یہ لوگ اپنا مقصد پانے کی خاطر مجھے وہاں سے بھی نکال کر قتل کر دیں گے۔ یہ لوگ میرا احترام اسی طرح پامال کریں گے جس طرح یہودیوں نے ہفتے کے دن کا احترام پامال کیا تھا۔»

مزید فرمایا:

«یَا ابْنُ الزُّبَیْرِ لَئِنْ......... اے ابن زبیر! مجھے فرات کے کنارے دفن ہونا، خانۂ کعبہ کی دہلیز پر دفن ہونے سے زیادہ پسند ہے۔»

«ابن قولویہ» کے مطابق، جب عبداللہ ابن زبیر امامؑ کے پاس سے چلے گئے تو آپؑ نے فرمایا:

« إنَّ هٰذَا يَقُولُ لِي كُنْ حَمَاماً.......... یہ مجھ سے کہتا ہے کہ میں حرم کا کبوتر بن جاؤں۔ اگر قتل کے موقع پر میں حرم سے ایک ہاتھ کے فاصلے پر ہوں تو یہ میرے لئے (حرم سے) ایک بالشت دور ہونے کے مقابلے میں زیادہ پسندیدہ ہے اور (اسی طرح) طف میں قتل کیا جانا مجھے حرم میں مارے جانے سے زیادہ محبوب ہے۔»

اور «طبری» اور «ابن اثیر» کے مطابق عبداللہ ابن زبیر کے جانے کے بعد امامؑ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا:

«إنَّ هٰذَا لَيْسَ شَيْءٌ مِنَ الدُّنْيَا..... (اگرچہ وہ ظاہرا ایسے کر رہا ہے جیسے میرا مکہ میں رہنا اسے پسند ہے لیکن درحقیقت) میرا مکہ سے چلے جانا، اسے دنیا کی ہر چیز سے زیادہ پیارا ہے، کیونکہ اسے معلوم ہے کہ میرے ہوتے ہوئے لوگ اسے کوئی اہمیت نہیں دیں گے (لہٰذا یہ چاہتا ہے کہ میں مکہ سے چلا جاؤں تاکہ لوگ اس کے گرد جمع ہو جائیں)۔»

نتیجہ: اس گفتگو میں امامؑ نے عبداللہ ابن زبیر کے ماضی، حضرت علیؑ کی حکومت کے خلاف ان کے موقف اور حتیٰ جنگِ بصرہ کا بھی کوئی تذکرہ نہیں کیا جس کا بنیادی مقصد امیر المومنینؑ کو ختم کرنا تھا اور عبداللہ ابن زبیر اس جنگ کے اصلی محرک اور عامل تھے۔ البتہ چند ہی جملوں میں امامؑ نے ان کے سامنے اپنے اور ان کے مستقبل کی تصویر کھینچ دی۔

اپنے موقف کے بارے میں امامؑ نے فرمایا کہ: خواہ میں مکہ میں رہوں یا کسی اور جگہ، حتیٰ اگر کسی جانور کے بل میں بھی جا چھپوں، تب بھی حکومت کے کارندے میرا پیچھا نہیں چھوڑیں

گے اور (اس کی وجہ یہ ہے کہ) حکومت کے ساتھ میرا اختلاف ختم ہونے والا نہیں ہے۔ کیونکہ جو وہ مجھ سے چاہ رہے ہیں، وہ میں کبھی قبول نہیں کروں گا اور جو میں ان سے چاہتا ہوں وہ، وہ قبول کرنے کو تیار نہ ہوں گے۔

امامؑ نے اسی گفتگو میں شَاطِیٔ ءُ الْفُرات (فرات کے کنارے) اور طف کا تذکرہ کیا ہے، جو قابل توجہ اور انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ ساتھ ہی امامؑ نے ابن زبیر کو بھی خبردار کیا کہ میرے والد نے فرمایا ہے کہ ایک مینڈھے کی وجہ سے خانۂ کعبہ اور حرم الٰہی کا احترام پامال ہوگا، اور کیونکہ میں وہ مینڈھا نہیں بننا چاہتا، اور مجھے منظور نہیں کہ میرا خون بہنے کی وجہ سے کعبہ اور حرم کی بے احترامی ہو، لہٰذا میں اس شہر سے نکل رہا ہوں اور اگر کعبہ کے احترام کے تحفظ کی خاطر اس سے ایک بالشت باہر بھی قتل ہوں تو یہ مجھے خانۂ کعبہ میں مارے جانے سے زیادہ محبوب ہے۔ اور تمہیں بھی مستقبل کی طرف سے مطمئن نہیں رہنا چاہئے، اور ایسا نہ ہو کہ اپنی حفاظت کے لئے حرم کے کبوتر بن جاؤ اور خانۂ کعبہ کو اپنی ڈھال بناؤ اور اس گھر کی حرمت کی پامالی کا سبب بنو۔

امامؑ کی پیش گوئی صحیح ثابت ہوئی

لیکن ابن زبیر نے امامؑ کی اس گفتگو اور انتباہ (Warning) پر توجہ نہ دی، اور جلد ہی (صرف ۱۳ سال کے عرصے میں) دو مرتبہ خانہ کعبہ پر سنگ باری، اسکی آتش زدگی اور تباہی کا موجب بنے، اور یوں امیر المومنینؑ اور امام حسینؑ کی پیش گوئی صحیح ثابت ہوئی۔

پہلی مرتبہ یہ سانحہ امام حسینؑ کی شہادت کے تین سال بعد ۳ ربیع الاوّل ۶۴ ھ کو پیش آیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ابن زبیر نے یزید کی بیعت نہیں کی اور یزید کا لشکر واقعۂ حرہ اور مدینہ میں قتل و غارتگری کے بعد ابن زبیر کی سرکوبی کے لئے مکہ روانہ ہوا اور مکہ کو اپنے محاصرے میں لے لیا۔ جب ابن زبیر نے اپنی جان بچانے کے لئے خانہ کعبہ میں پناہ لی تو لشکرِ یزید نے

محاصرہ تنگ کر دیا اور ابوقبیس نامی پہاڑی کے ذریعے مسجد الحرام میں داخل ہو گئے۔ اس دوران خانہ کعبہ پر منجنیق کے ذریعے پتھراؤ کیا اور کپڑے کے جلتے ہوئے گولے برسائے۔ اس پتھراؤ سے بیت اللہ کا کچھ حصہ تباہ ہو گیا اور آتشی گولوں کی وجہ سے اس کا غلاف' چھت اور اس مینڈھے کے سینگ جو حضرت اسماعیلؑ کے بدلے ذبح ہونے کے لئے جنت سے آیا تھا سب جل کر راکھ ہو گئے۔

اسی حملے کے دوران یزید کی موت کی خبر مکہ پہنچی' یہ اطلاع پہنچنے پر اس کا لشکر منتشر ہو گیا اور پھر ابن زبیر نے خانہ کعبہ کو دوبارہ تعمیر کیا۔

دوسری مرتبہ کعبہ کی بے حرمتی کا سانحہ اس وقت رونما ہوا' جب یزید کی موت کے بعد ابن زبیر نے لوگوں کو اپنی بیعت کی دعوت دی اور رفتہ رفتہ کچھ افراد نے انکی بیعت بھی کر لی۔ یہاں تک کہ ۷۳ھ میں عبدالملک کی خلافت کے دوران حجاج بن یوسف کو ابن زبیر کی سرکوبی پر مامور کیا گیا۔ حجاج نے کئی ہزار فوج پر مشتمل لشکر کے ساتھ حملہ کیا اور مکہ کو اپنے محاصرے میں لے لیا۔ یہ محاصرہ بھی کئی مہینے جاری رہا اور اس میں بھی ابن زبیر نے خانہ کعبہ میں پناہ لی۔ آخر کار حجاج کے حکم پر شہر کے پانچ حصوں سے مسجد الحرام پر منجنیق کے ذریعے پتھراؤ کیا گیا' جس کے نتیجے میں خانہ کعبہ کو کافی نقصان پہنچا اور بعض مورخین کے مطابق وہ بالکل تباہ ہو گیا۔ اس جنگ میں ابن زبیر قتل ہوئے' بعد میں حجاج بن یوسف نے خانہ کعبہ کو دوبارہ تعمیر کیا۔ (۱)

اسلام کو ڈھال بنانا اور اسلام کے لئے ڈھال بننا

امام حسین علیہ السلام اور ابن زبیر کی گفتگو اور ان دونوں کے طرزِ عمل کے موازنے سے ایک انتہائی اہم اور توجہ طلب نکتہ حاصل ہوتا ہے' اور وہ نکتہ تاریخ میں رونما ہونے والی مختلف

۱- تاریخ کامل ابن اثیر' البدایۃ والنہایۃ اور تاریخ الخلفاء سے خلاصہ۔

تحریکوں اور جہادی سلسلوں کا ایک دوسرے سے تقابل اور ان کے درمیان باہمی فرق کا واضح ہونا ہے۔

ممکن ہے دو افراد ایک ہی زمانے میں' ایک ہی معاشرے اور ایک ہی ماحول میں ظلم و ستم' بگاڑ اور انحراف کے خلاف جد و جہد کا دعویٰ کریں اور بظاہر دونوں کا دعویٰ ایک ہی جیسا نظر آتا ہو اور بادی النظر میں اسلام اور اس کی تعلیمات کے تحفظ کی خاطر دونوں ہی مدینہ سے سفر کا آغاز کر کے مکہ کی طرف آئیں۔

لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اور حالات اور فضا کی تبدیلی سے ثابت ہو جاتا ہے کہ ان میں سے ایک شخص عہدے و مقام کے لالچ اور اپنے ذاتی مفادات کی حفاظت کے لئے کعبہ کو اپنی ڈھال بناتا ہے اور دوسرا خود کو اور اپنے اہل و عیال کو خانہ کعبہ کی حفاظت کے لئے ڈھال بنالیتا ہے۔ ایک اسلام کو اپنی شخصیت پر قربان کر دیتا ہے اور دوسرا اپنی پوری ہستی اسلام کی راہ میں فدا کر دیتا ہے۔ ایک لوگوں کو اپنی طرف دعوت دیتا ہے اور دوسرا خدا کی طرف بلاتا ہے۔

ظاہراً ایک جیسا نظر آنے کے باوجود یہی وہ باریک لیکن بنیادی فرق ہے جو ہر زمانے میں سادہ لوح اور کم علم افراد کو غلط فہمی میں مبتلا کر دیتا ہے اور وہ صحیح اور غلط کے درمیان تمیز سے عاجز رہتے ہیں۔

اگر ابن زبیر جیسے لوگ' یزید جیسوں کی مخالفت کریں' تو ان کا مطمع نظر کیا ہے اور اگر یہی کام حسینؑ جیسے کریں تو کن مقاصد کے پیش نظر ہوتا ہے۔ اگرچہ ظاہری طور پر دونوں ہی یزید اور یزید جیسوں کے مخالف ہیں اور دونوں ہی کی جد و جہد اسلام کے لئے ہے!

اگر ابن زبیر جیسے لوگ اپنے دعوؤں میں سچے ہوں اور ریاست و مقام کی خواہش میں نہیں بلکہ اسلام کے لئے جد و جہد کر رہے ہوں تو حسینؑ جیسوں سے پیش پیش دشمن سے برسر پیکار ہوں اور امامؑ کے بقول حرم کا کبوتر نہ بنیں اور ان کے دل میں یہ آرزو نہ ہو کہ کسی طرح

حسینؑ سرزمین حجاز سے دور چلے جائیں ۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ حسینؑ جیسوں کے ہوتے ہوئے کوئی بھی ان جیسوں کی طرف توجہ نہیں دے گا۔

پس اس قسم کی جد و جہد کے ذریعے ابن زبیر جیسے لوگوں کا مقصد اپنے لئے عہدہ و مقام اور عوام کی توجہات حاصل کرنا اور انہیں بے وقوف بنا کر اپنے مفادات کا حصول ہوتا ہے۔

عبداللہ ابن زبیر کا کردار

عبداللہ ابن زبیر جیسے افراد کی زندگی کا مختصر سا جائزہ بھی لیا جائے، تو بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ یزیدیت کے ساتھ ان کے مقابلے اور جد و جہد (اگر اسے مقابلہ اور جد و جہد کہا جا سکے!) کی حقیقت کیا ہے۔ اگر ایک زمانے میں، وہ یزید کی مخالفت میں، مدینہ سے فرار ہو کر مکہ میں پناہ لیتے ہیں، تو ایک زمانے میں جب علی ابن ابی طالبؑ مسلمانوں کو بنی امیہ کے تسلط سے نکال کر انہیں ذلت اور پستی سے نجات دلانے اور اسلام میں داخل کئے جانے والے انحرافات اور خرابیوں کا خاتمہ کرنے، نیز مسلمانوں کے بیت المال کو غاصبوں اور لٹیروں کے چنگل سے بچانے کے لئے سرگرم عمل تھے، تو اس وقت یہی ابن زبیر، منافقین، ناکثین اور مارقین کے لئے جائے پناہ بنے ہوئے تھے۔

انہوں نے اسی شہر مکہ میں پارٹی بنا کر سازشوں کے تانے بانے بنے اور بصرہ جیسے دور دراز شہر میں انہیں جامۂ عمل پہنایا اور حضرت علیؑ کے دشمنوں، معزول کئے جانے والے گورنروں (۱) اور بے خبر مسلمان عوام (۲) کی مدد سے علم بغاوت بلند کیا اور حضرت علیؑ کی برحق حکومت

۱۔ مثال کے طور پر ((طبری)) کے بیان کے مطابق یمن میں حضرت عثمان کا گورنر ((یعلی بن امیہ)) جسے حضرت علیؑ کے زمانے میں اسکے عہدے سے ہٹا دیا گیا تھا، کثیر دولت اور چار سو اونٹوں کے ساتھ بصرہ کے باغیوں کی مدد کے لئے مکہ آیا۔

۲۔ تاریخ طبری (ج ۵۔ص ۱۲) ہی کے بیان کے مطابق بصرہ میں قبیلہ ((ازد)) کے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

کے خلاف باقاعدہ اعلانِ جنگ کر دیا۔ اسلام کے نام پر حضرت عثمان کے دور میں ان افراد کے چنگل میں پھنس جانے والے بے کس و لاچار مسلمانوں کے خرچ پر' اسلام کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور فتنہ وفساد کی آگ بھڑکائی۔

کیونکہ اسلام کی حفاظت کے سلسلے میں حضرت علیؑ کا شاندار ماضی آپؑ پر کسی بھی قسم کی تہمت اور الزام چسپاں کرنے میں رکاوٹ ثابت ہوا' لہٰذا انہوں نے ان کی حکومت کو ختم کرنے کے لئے دو ایسے بہانے تراشے جن کا حالانکہ حضرت علیؑ کی شخصیت سے کوئی تعلق نہ تھا لیکن آپؑ کے لئے سخت ترین نقصان کا سبب بنے۔ ایک بہانہ حضرت عثمان کے قتل کا قصاص تھا۔ ان (مخالفین) کا کہنا تھا کہ حضرت عثمان کو حضرت علیؑ کے اردگرد رہنے والے افراد نے قتل کیا ہے اور اب حضرت علیؑ کو چاہئے کہ وہ مالک اشترؒ' عمار یاسر اور اپنے باقی تمام ساتھیوں کو نہ صرف خود سے علیحدہ کریں بلکہ سب کو قید کر کے ان (باغیوں) کے حوالے کر دیں۔

دوسرا بہانہ آزادی' عوامی حاکمیت اور قوم پرستی جیسے بظاہر دلکش اور عوام فریب نعرے لگا کر حضرت علیؑ پر مطلق العنانیت (ڈکٹیٹرشپ) اور شخصی آمریت کا الزام لگانا تھا۔ ان لوگوں کا کہنا تھا کہ ہمیں علیؑ کی ذات سے کوئی دشمنی نہیں ہے' بلکہ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ وہ حکومت سے علیحدہ ہو جائیں اور امت اسلامیہ ہر قسم کے دباؤ اور پابندیوں سے آزاد ہو کر اپنی مکمل رضا اور خوشی سے جسے چاہے اپنا خلیفہ منتخب کرے۔

اگرچہ تیس ہزار سے زیادہ مسلمانوں کا خون بہہ جانے کے بعد ابن زبیر کی اس شورش پر بظاہر قابو پالیا گیا(۱) اور وہ ایک عرصے تک باشعور اور آگاہ مسلمانوں کے درمیان نفرت اور

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ) افراد حضرت عائشہ کے اونٹ کا فضلہ بطور تبرک ہاتھ میں اٹھا کر اسے سونگھ کر کہتے تھے کہ واہ واہ اس میں سے تو مشک کی خوشبو آتی ہے!

۱۔ تاریخ یعقوبی۔ فصل جنگ جمل۔

بے توجہی کا شکار رہے لیکن یہ بات نہیں بھولنی چاہیئے کہ اسی سازش نے جنگِ صفین اور جنگ نہروان کی راہ ہموار کی، یہاں تک کہ امیر المومنین علیہ السلام کی شہادت بھی اسی اسلام دشمن (اور بعض احمقوں کی نظر میں سوفی صد اسلامی) سازش کے برے نتائج میں سے ایک نتیجہ تھی۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اگر ابن زبیر جیسے لوگ اپنی جاہ طلبی، ذاتی اور مادی مفادات کے حصول اور عوام کو فریب دینے کے لئے حکومتِ یزید کو قبول نہیں کرتے تو ساتھ ہی امیر المومنین علیؑ کی حکومت کے خاتمے کے لئے بھی ہر ممکن طریقے اختیار کرتے ہیں۔ حتیٰ یہی ابن زبیر یزید کی مخالفت کی آڑ میں ایک اہم مذہبی اور سیاسی شخصیت کا درجہ حاصل کر لیتے ہیں اور امام حسینؑ کی شہادت کے بعد کچھ بے خبر افراد امام زین العابدینؑ کی بجائے ان کی بیعت کر لیتے ہیں اور ایک باشعور لیڈر کے طور پر ان کے دلدادہ ہو جاتے ہیں۔

پھر جب یہ مکہ اور سیاست کا میدان امام حسینؑ اور یزید دونوں سے خالی دیکھتے ہیں اور انہیں اپنی آرزوئیں پوری ہوتی نظر آتی ہیں، تب بھی سازشیں ترک نہیں کرتے اور خاندان پیغمبرؐ کے لئے اپنے دل میں موجود بغض وعناد کو ایک دوسرے طریقے سے ظاہر کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ جب یزید اور عبدالملک کی حکومت کی درمیانی مدت میں مکہ پر قابض ہوئے تو انہوں نے کچھ عرصے تک نمازِ جمعہ کے خطبے میں رسول خداؐ کا نام نہیں لیا اور جب ان کے اس عمل پر مسلمانوں نے اعتراض کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ کیونکہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نسل اور ان کے قبیلے کے لوگ نالائق اور بے صلاحیت ہیں اور جب خطبے میں رسول اللہ کا نام لیا جاتا ہے تو یہ لوگ فخر اور غرور کا اظہار کرتے ہیں۔ لہٰذا میں ان کا تکبر توڑنے کے لئے پیغمبر کا نام لینے سے گریز کرتا ہوں۔ (۱)

۱۔ مروج الذہب۔ ج ۳۔ ص ۸۸۔

مکہ سے کربلا تک

۱۹

محمد بن حنفیہ کے جواب میں

«بَلیٰ ولکن بَعْدَ ما فارَقْتُک اَتانی رَسُولُ اللهِ(ص) وَقالَ یا حُسَیْنُ اُخْرُجْ فَاِنَّ اللهَ تَعالیٰ شاءَ اَنْ یَراکَ قَتِیلاً ......وَقَدْ شاءَ اَنْ یَراهُنَّ سَبایا» (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

قَتِیل : جسے قتل کیا گیا ہو۔ سَبایا (سَبِیَّة کی جمع' سَبِیَ کی مونث ہے): قیدی۔

ترجمہ اور تشریح

امام حسینؑ کے بھائی محمد بن حنفیہ' وہ تیسرے شخص تھے جنہوں نے آپؑ کو عراق جانے سے گریز کا مشورہ دیا۔

محمد بن حنفیہ' جو فریضہ حج کی ادائیگی اور امام حسینؑ سے ملاقات کی غرض سے مکہ تشریف لائے تھے اور «علامہ حلی» کے بقول اس وقت سخت علیل تھے (۲)' امامؑ کے سفر پر نکلنے سے پہلے رات کے وقت آپؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے بھائی! آپؑ دیکھ چکے ہیں

۱-لہوف-ص ۶۵-

۲-سفینۃ البحار-ج ۱-ص ۳۲۲ (اور اسی بیماری کی وجہ سے وہ امامؑ کے ہمراہ عراق نہیں جا سکے تھے)

کہ اہلِ کوفہ نے آپؑ کے والد اور آپؑ کے بھائی کے ساتھ کس طرح بے وفائی اور وعدہ خلافی کی تھی۔ مجھے اندیشہ ہے کہ یہ لوگ آپؑ کے ساتھ بھی عہد شکنی کریں گے۔ لہٰذا بہتر ہے کہ آپؑ عراق کی سمت نہ جائیں بلکہ اسی شہر مکہ میں رہیں۔ کیونکہ لوگوں کے نزدیک اس شہر اور اس حرم الٰہی میں کوئی بھی آپؑ سے زیادہ معزز اور محترم نہیں ہے۔

امامؑ نے جواب میں فرمایا:

«مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ یزید مکر وفریب کے ذریعے اسی حرم الٰہی میں مجھے قتل کروا دے گا اور یوں خانۂ خدا کا احترام پامال ہوگا۔»

محمد بن حنفیہ نے تجویز پیش کی کہ اس صورت میں بہتر ہے کہ آپؑ عراق کی بجائے یمن یا کسی اور محفوظ مقام کی جانب تشریف لے جائیں۔

امامؑ نے فرمایا: آپ کے مشورے اور اس تجویز پر بھی غور کروں گا۔

لیکن امام حسینؑ اگلے روز علی الصبح عراق کی سمت روانہ ہو گئے۔ جب یہ خبر محمد بن حنفیہ کو ملی تو وہ آناً فاناً امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے اونٹ کی لگام تھام کر کہا: بھائی! کیا کل رات آپؑ نے میری درخواست اور مشورے پر غور فرمانے کا وعدہ نہیں کیا تھا؟

امامؑ نے جواب دیا:

«بَلیٰ ولکن بَعْدَ ما فارَقْتُک ..... جی ہاں، لیکن آپ کے جانے کے بعد رسول اللہؐ میرے خواب میں تشریف لائے اور فرمایا: حسین! روانہ ہو جاؤ کیونکہ اللہ تمہیں مقتول دیکھنا چاہتا ہے۔»

امامؑ کی یہ بات سن کر محمد بن حنفیہ نے کہا: اِنّا لِلّٰه وَاِنّا اِلَیْهِ راجِعُونَ.

اسکے بعد انہوں نے ان حساس اور پرخطر حالات میں خواتین اور بچوں کو ساتھ لے جانے کی وجہ جاننا چاہی، تو امام نے اس کے جواب میں بھی یہی فرمایا:

«وَقَدْ شاءَ اَنْ یَراهُنَّ سَبایا.»

((اور اللہ انہیں بھی قیدی بنا دیکھنا چاہتا ہے۔))

کیا امام حسینؑ شہادت پر مجبور تھے؟

امام حسینؑ نے محمد بن حنفیہ کو جو جواب دیا' اسکے ظاہری الفاظ (خدا چاہتا ہے) سے اور اسی طرح امامؑ کے حضرت ام سلمہؓ (۱) اور حضرت زینب علیہا السلام (۲) کو دیئے گئے جوابات سے ممکن ہے کوئی یہ نتیجہ اخذ کرے کہ امام حسینؑ کا سفر کرنا' ان کا مارا جانا اور ان کے اہل وعیال کا قیدی بنایا جانا ان کا مقدر اور مشیتِ الٰہی کے مطابق تھا' اور کیونکہ خدا نے ان چیزوں کا فیصلہ کرلیا تھا لہٰذا آپؑ کا قتل ناقابلِ اجتناب تھا اور امامؑ مجبور اور بے بس تھے۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ طرزِ فکر کسی نہ کسی حد تک بعض صاحبانِ علم میں بھی پیدا ہوا ہے۔ لہٰذا جب امام حسینؑ کی شہادت کے موضوع پر کوئی بات چیت ہو' یا اس بارے میں کوئی بحث چھڑ جائے تو یہ لوگ بھی کہتے ہیں کہ امامؑ کا معاملہ اور ان کا طریقۂ کار عام لوگوں سے جدا تھا اور خدا کی یہی مشیت تھی کہ وہ انہیں مقتول دیکھنا چاہتا تھا۔

یہاں یہ سوال پیش آتا ہے کہ اگر اس بارے میں خدا کی مشیت' اس کے ارادے اور تقدیر کے معنی یہی ہوں جو ان صاحبانِ فکر کے ذہن میں ہیں' تو پہلی بات تو یہ کہ پھر امام حسینؑ کی شہادت کی کوئی قدر و قیمت اور اہمیت نہیں رہتی۔ مزید یہ کہ اس صورت میں یہ بے نظیر تحریک اور بے مثال صبر و استقامت جس نے نہ صرف انسانوں بلکہ قدسیوں کو بھی حیرت زدہ کردیا تھا وہ ایک ایسے عام شخص کی شہادت اور قربانی کے مقابلے میں بھی کم اہمیت ہو جائے گی جس نے خود بڑھ کر شہادت کو گلے لگایا ہو۔ کیونکہ اس عام شخص نے اپنے ارادے اور اختیار سے شہادت کا راستہ منتخب کیا جبکہ (ان حضرات کے اس قول کے مطابق) امام حسینؑ نے یہ راستہ مجبوراً اور بے اختیار ہونے کی وجہ سے اپنایا تھا اور آپؑ مشیت اور ارادۂ الٰہی کے برخلاف قدم اٹھانے سے

۱'۲۔اسی کتاب کے صفحہ ۴۷ اور ۱۴۰ پر ملاحظہ فرمایئے

عاجز تھے۔

دوسری بات یہ کہ پھر لشکرِ کوفہ اور قاتلانِ امام حسینؑ کو بہت زیادہ لعنت ملامت نہیں کی جانی چاہئے۔ کیونکہ اس صورت میں امام حسینؑ کا قتل ارادۂ الٰہی کے مطابق انجام پایا تھا اور ہر مقتول کے لئے بہرحال قاتل کا ہونا ضروری ہے۔ مختصر یہ کہ امام حسینؑ کے معاملے میں جس طرح مقتول بے اختیار اور لاچار تھا' قاتل بھی مجبور اور بے بس تھا!

جواب: اس قسم کے اعتراض' بلکہ یہ کہنا بہتر ہے کہ اس طرزِ فکر اور طرزِ فہم کا اصل سبب یہ ہے کہ یہ افراد' ارادے' مشیت' تقدیر اور مختلف مواقع پر امامؑ کی گفتگو میں استعمال ہونے والی اسی قسم کی دوسری اصطلاحات کے وسیع مفہوم سے نابلد ہیں اور ان الفاظ کو ان معانی اور مفاہیم میں استعمال کرنے کی بجائے جو امامؑ کے مدِ نظر تھے' انہیں انہی الفاظ کے کسی اور معانی یا ان کے وسیع مفہوم کے کسی اور مصداق کے بارے میں استعمال کر رہے ہیں۔

بات کو کھول کر بیان کرتے ہیں کہ ارادے اور مشیتِ الٰہی کی ایک قسم تکوینی ہے اور ایک تکلیفی۔ جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہوا' اللہ تعالیٰ کا تکوینی ارادہ بندوں کے اختیار سے باہر ہے اور انسان اس قسم کی مشیت کے سامنے مجبور اور بے بس ہیں۔ جیسے انسانوں کا پیدا ہونا' یا وفات پانا اور زمین و آسمان کی خلقت وغیرہ۔۔۔

جبکہ ارادۂ تکلیفی یا تشریعی کا مطلب یہ ہے کہ خداوند متعال کسی کام کے انجام پانے یا ترک کئے جانے کو مصلحت سمجھے اور اس کے واقع ہونے یا نہ ہونے کا ارادہ کرے اور اس ارادے' مشیت' تقدیر اور خواہش کے مطابق اس عمل کے انجام پانے یا ترک کئے جانے کے بارے میں امر و نہی کرے۔ لیکن اس ارادے اور تقدیرِ الٰہی اور امر و نہی کے باوجود اس کام کے انجام دینے یا نہ دینے کا اختیار بندوں کے سپرد کر دے۔ جیسے نماز' روزہ' حج اور جہاد جیسے دوسرے شرعی فرائض۔ ان کے بارے میں ارادہ اور مشیتِ خدا یہ ہے کہ یہ کام انجام پائیں اور اگر خدا کا یہ ارادہ اور یہ تقدیر نہ ہوتی تو وہ انہیں انجام دینے کا حکم ہی نہ دیتا۔ اسی طرح اللہ کا

ارادہ اور مشیت یہ ہے کہ تمام محرمات سے پرہیز کیا جائے' اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ ان سے منع نہ کرتا۔ البتہ ان تمام امور میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارادہ اور مشیت براہِ راست نہیں ہے' بلکہ اللہ کے ارادے کے باوجود ان امور کا انجام دیا جانا بندوں کے ارادوں اور ان کی خواہش پر چھوڑا گیا ہے۔

مذکورہ حقیقت کی ایک مثال قرآنِ کریم میں اس طرح بیان کی گئی ہے:

"اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآیِٔ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ۔"

"بے شک اللہ عدل' احسان اور قرابت داروں کے حقوق کی ادائیگی کا حکم دیتا ہے اور بدکاری' ناشائستہ حرکات اور ظلم سے منع کرتا ہے کہ شاید تم اسی طرح نصیحت حاصل کرلو۔" (سورہ نحل ۱۶۔ آیت ۹۰)

اس آیۂ کریمہ کے مطابق خداوندِ متعال چاہتا ہے کہ عدل وانصاف ہو' نیکی انجام پائے' اعزہ واقربا کی مدد واعانت کی جائے اور ایک دوسرے کے حقوق ادا ہوں۔ اسی طرح چاہتا ہے کہ بے حیائی' برائی اور ظلم وستم کا خاتمہ ہو۔

لیکن ہم جانتے ہیں اور جیسا کہ خود آیۂ کریمہ میں بھی ہے کہ پروردگارِ عالم نے ان چیزوں کو امر ونہی کی صورت میں بیان کیا ہے اور پھر ان کی انجام دہی کو لوگوں کے ارادے و اختیار اور ان کی مرضی پر چھوڑ دیا ہے۔ اب یہ اللہ کے بندوں کی ذمے داری ہے کہ وہ اس تقدیر' اس ارادے اور اللہ کے اس حکم پر پوری آزادی اور اختیار کے ساتھ عمل کریں اور اگر وہ اس کے برخلاف چلنا چاہیں' تب بھی آزاد وخود مختار ہیں اور ان دونوں میں سے کسی ایک راستے کو اختیار کرنے کے سلسلے میں ان پر کوئی جبر نہیں ہے۔ خداوندِ متعال یہ امر ونہی کرتے ہوئے صرف نصیحت ورہنمائی کے طور پر صحیح راستے کے انتخاب کی دعوت دے رہا ہے: یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ. (شاید تم اسی طرح نصیحت حاصل کرو۔)

مشیت اور ارادۂ الٰہی کے دونوں معنی کی وضاحت کے بعد اب ہم دوبارہ اصل موضوع کی طرف آتے ہیں۔

امام حسینؑ کے نزدیک اس زمانے کے حالات وہ رخ اختیار کر چکے تھے جس میں اللہ کے حکم' كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ (تم پر جہاد واجب کر دیا گیا ہے۔سورۂ بقرہ۲۔آیت ۲۱۶) کے تحت' ان کا میدانِ جنگ میں آنا واجب ہو گیا تھا۔آپؑ' جنہوں نے فرمایا تھا کہ اگر مسلمانوں پر یزید جیسے حاکم کی حکومت ہو تو پھر اسلام کا خدا ہی حافظ ہے' ایسے حالات میں پورے کے پورے اسلام پر فاتحہ پڑھ لینی چاہئے۔لہٰذا جب صورتحال یہ ہے تو ضروری ہے کہ آپؑ اپنی ہر چیز' یہاں تک کہ اپنے باوفا اصحاب اور اہل وعیال تک کو قربان کر دیں' تاکہ جاں بلب اسلام کو حیاتِ تازہ اور فراموش شدہ قرآن کو نئی زندگی مل جائے۔

یہ وہی حقیقت ہے جسے حسین ابن علیؑ نے اس جملے میں بیان فرمایا ہے کہ: فَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى شَاءَ اَنْ يَّرَاكَ قَتِيْلاً ...... وَقَدْ شَاءَ اَنْ يَّرَاهُنَّ سَبَايَا.

جی ہاں' یہی ارادۂ الٰہی ہے' یہی اس کی مشیت اور تقدیر ہے اور اب امام حسینؑ کی ذمے داری ہے کہ اس پر عمل کریں۔یہی وہ عظیم اور تاریخ ساز ذمے داری تھی (نہ صرف تاریخ ساز بلکہ جس کی مثال تاریخِ بشریت نہیں لا سکتی) جس کی ادائیگی کی تاکید اور تائید رسولِ گرامیؐ نے بھی امامؑ کو خواب میں آکے فرمائی تھی۔

امامؑ نے شہادت کا راستہ آزادی کے ساتھ اختیار کیا

امام حسینؑ کے اس اقدام کی عظمت اور اس کی قدر و قیمت کو ہم اس وقت بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں' جب ہمارے سامنے یہ حقیقت واضح ہو کہ امامؑ نہ صرف ارادۂ تکوینی کے لحاظ سے اپنے راستے کے انتخاب میں مجبور اور بے بس نہ تھے اور آغاز ہی سے آپؑ نے مکمل آزادی اور اختیار کے ساتھ اس راستے کا انتخاب کیا تھا' بلکہ شہادت تک ہر مرحلے اور ہر قدم پر آپؑ کے

لئے یہ امکان موجود تھا کہ آپؑ اس راستے کو ترک کر دیتے۔ اور اگر آپؑ ایسا کرتے تو دوسرے تمام بظاہر عقلائے قوم کی طرح عراق کی جانب سفر کو ترک کرنے کے اتنے عقلی اور شرعی دلائل قائم کرتے جو ہر فرد کے لئے قابلِ قبول ہوتے۔

لیکن آپؑ نے دوسروں کی طرف سے ظاہر کئے گئے تمام اندیشوں' امکانات اور ان کے اندازوں کو پس پشت ڈال کر اور ان تمام بنیادوں اور وجوہات کو قدموں تلے روند کر جن کے مطابق ان کے دوست اور دشمن' چھوٹے اور بڑے' عورت و مرد سب ہی اس سفر کو یقینی شکست سے تعبیر کر رہے تھے' اور جو سمجھتے تھے کہ آپؑ کی اختیار کردہ راہ کا انجام آپؑ اور آپؑ کی آل اولاد کی شہادت اور عورتوں اور بچوں کی اسارت ہے۔ آپؑ نے ان خیالات اور آرا کے سامنے استقامت اور پامردی کا مظاہرہ کیا اور اپنے سفر کی تفصیلات کو جانتے ہوئے مکمل شعور اور آگہی کے ساتھ فرمایا کہ: اللہ مجھے مقتول دیکھنا چاہتا ہے۔

جی ہاں! انسانوں کی خواہشات اور ان کے مشوروں کے برخلاف' پروردگار کے حکم اور ارادۂ تکلیفی کے لحاظ سے' ان خاص حالات میں حسین ابن علیؑ کی ذمے داری یہ تھی کہ آپؑ میدان جہاد میں قدم رکھیں اور اعوان و انصار کی قلت کے باوجود ایک مضبوط اور طاقتور دشمن کے مقابل کھڑے ہو جائیں۔

اگرچہ اس غیر مساوی جنگ کا قدرتی نتیجہ وہی ظاہری شکست تھی جس کی سب پیش گوئی کر رہے تھے' لیکن اسکا باطنی' طویل مدتی نتیجہ وہ تھا جسے امامؑ نے مدینہ سے روانگی کے وقت اپنے وصیت نامے میں تحریر فرمایا تھا کہ: وَاِنَّما خَرَجْتُ لِطَلَبِ الْاِصْلاحِ فی اُمَّةِ جَدّی (صلی اللہ علیہ و آلہ) (میں تو صرف اس لئے نکل رہا ہوں کہ اپنے نانا کی امت کی اصلاح کروں۔)

لیکن ایک بار پھر یہ بات دُہرانا ضروری ہے کہ حسین ابن علیؑ دوسرے تمام لوگوں کی طرح اس راستے کے انتخاب میں آزاد تھے۔ آپؑ جب چاہتے اپنے ارادے کو ترک کر سکتے

تھے اور اس موقع پر خاموش رہ کر یہ تاریخ ساز عمل معطل کر سکتے تھے' لیکن آپؑ نے ایسا نہیں کیا' کیونکہ آپؑ قوم کے رہبر و راہنما اور تمام عالم کے لئے اسوۂ عمل تھے۔

پہلے سے معلوم شہادت کی کیا اہمیت ہے؟

اسی سلسلے میں ایک اور سوال (یا وہی گزشتہ سوال دوسرے الفاظ میں) یہ سامنے آتا ہے کہ امام حسینؑ کی شہادت پہلے ہی سے معلوم تھی اور اس کی پیش گوئی کی جا چکی تھی اور اسی پیش گوئی اور خبر کے عین مطابق وہ واقع ہوئی۔ لہٰذا جیسا کہ پہلے سوال میں اشارہ کیا گیا' ایسی شہادت کیا خاص فضیلت رکھتی ہے؟

اس سوال کا مختصر جواب یہ ہے کہ: یقیناً خداوند متعال آگاہ تھا کہ امام حسینؑ اپنے ارادے اور اختیار سے اس کے اس عظیم حکم کی تعمیل کریں گے' اپنا سب کچھ راہِ خدا میں قربان کر دیں گے اور کبھی اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کریں گے۔ لہٰذا اس نے پہلے ہی سے اس بارے میں اپنے نبی کو مطلع کر دیا تھا۔ لیکن یہ علمِ الٰہی اور یہ پیشگی اطلاع کسی بھی طرح امام حسینؑ کو مجبور یا بے بس نہیں کرتے۔ کیونکہ مثال کے طور پر اگر ہم اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کو اپنے ارادے اور اختیار کے تحت انجام دیتے ہیں مثلاً' نماز پڑھتے ہیں۔ اب اگر خدا ہمارے اس عمل کے بارے میں جس سے وہ پہلے ہی سے آگاہ ہے' اپنے نبی کو بھی مطلع فرما دے تو کیا خدا کا اس طرح انہیں بتا دینا ہمارے ارادے اور عمل پر کوئی معمولی سا بھی اثر ڈالے گا؟ اور کیا خدا کا یہ علم' جس سے اس نے اپنے نبی کو بھی مطلع کر دیا ہے' ہم سے ہمارا ارادہ اور اختیار سلب کر لے گا' اور ہمیں اس نماز کی ادائیگی پر مجبور کر دے گا؟ ۔۔۔ نہیں' ہرگز نہیں۔

خلاصہ یہ کہ کسی کام کے بارے میں خدا کا علم یا پیش گوئی کرنا' اس کام کے انجام پانے کا محرک اور سبب نہیں ہے' بلکہ یہ پیش گوئی کرنا ایک ایسے واقعے کی اطلاع دینا ہے جو کسی انسان کے ارادے اور اختیار کے نتیجے میں مستقبل میں انجام پائے گا اور اگر وہ انسان اس عمل کا ارادہ

نہ کرتا تو وہ انجام نہ پاتا۔

کسی ذمے داری کی بجا آوری اور کسی فریضے کے انجام پانے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا علم اور اس کا اظہار اور اعلان صرف امام حسینؑ کے لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ خداوند متعال اپنے تمام انبیا و اولیا کے فرائض اور ذمے داریوں سے بھی آگاہ تھا، جنہیں ان حضرات نے اپنے ارادے اور اختیار سے مستقبل میں انجام دینا تھا۔ اور اللہ نے ان تمام یا ان میں سے بعض فرائض سے انبیا کو مطلع کر دیا تھا اور اس راہ میں ان کی فداکاری اور ایثار و قربانی سے بھی تقدیر کے عنوان سے انہیں آگاہ کر دیا تھا۔

«بَعْدَ اَنْ شَرَطْتَ عَلَيْهِمُ الزُّهْدَ فِي دَرَجَاتِ هٰذِهِ الدُّنْيَا الدَّنِيَّةِ وَزُخْرُفِهَا وَ زِبْرِجِهَا فَشَرَطُوا لَكَ ذٰلِكَ وَ عَلِمْتَ مِنْهُمُ الْوَفَآءَ بِهِ فَقَبِلْتَهُمْ وَ قَرَّبْتَهُمْ وَ قَدَّمْتَ لَهُمُ الذِّكْرَ الْعَلِيَّ وَالثَّنَاءَ الْجَلِيَّ.» (دعائے ندبہ سے اقتباس)

«اس کے بعد کہ تو نے ان سے اس حقیر دنیا کے درجات میں اور اس کی زیب و زینتوں کے سلسلے میں زہد کی شرط کر لی اور انہوں نے تجھ سے اس بات کا وعدہ کر لیا۔ اور تجھے معلوم تھا کہ وہ اپنے وعدے کو وفا کریں گے، تو تو نے انہیں قبول کر لیا اور اپنے سے قریب تر بنا لیا اور ان کے لئے بلند ترین ذکر اور وافر تعریف کو پیش کر دیا۔»

۲۰

عبداللہ بن جعفر اور عمرو بن سعید کے جواب میں

«إنّـي رَأيتُ رُؤياً فيها رَسولُ اللّٰہ(ص) وَاُمِرتُ فيها بِاَمرٍ اَنا ماضٍ لَهُ عَلَيَّ كانَ اَولي (۱)...

ماحَدَّثتُ اَحَداً بِها وَما اَنا مُحَدِّث بِها حَتّىٰ اَلقىٰ رَبّي(۲) ....

أمّا بَعد فَاِنَّه لَمْ يُشاقِقِ الله و رَسوله من دعا الى الله عزّوجلَّ وَ عَمِلَ صالِحاً و قالَ اِنّني مِنَ المُسلِمينَ وَ قَدْ دَعوتُ اِلى الايمانِ و البِرِّ والصِّلة فَخيرُ الاَمانِ اَمانُ الله ولَنْ يُؤمِنَ الله يوم القِيامَة مَنْ لَمْ يَخفهُ فِي الدُّنيا فَنسألُ الله مَخافَةً فِي الدُّنيا توجِبُ لَنا اَمانَهُ يومَ القِيامَة فَاِنْ نَويتَ بالكِتاب صلَتي وَ برّي فجُزيت خَيراً فِي الدُّنيا والآخرة؛ والسَّلامُ» (۳)

۱، ۲- ارشادِ مفید- ص ۲۱۹، البدایۃ والنھایہ- ج ۸- ص ۱۶۷، تاریخ ابن عساکر- ص ۲۰۲ (لیکن ابن عساکر نے پہلے حصے کو بھی عبداللہ ابن جعفر کے خط کے جواب میں مکتوب کی صورت میں نقل کیا ہے۔)

۳- انساب الاشراف- ج ۳- ص ۱۶۴، تاریخ طبری- ج ۷- ص ۲۸۰، تاریخ کامل ابن اثیر- ج ۷- ص ۲۷۷۔

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

لَمْ يُشَاقِق (شاق سے ماخوذ): مخالفت کرنا، دشمنی کرنا۔ اُمِرْتُ (صیغہ مجہول ہے): مجھے مامور کیا گیا ہے۔ اَنَا مَاضٍ لَهُ: میں انجام دوں گا۔ عَلَيَّ كَانَ اَوْلٰى: مجھے فائدہ پہنچے یا نقصان۔ جُزِيْتَ (صیغہ مجہولِ مخاطب ہے): انعام دیا جائے گا۔

ترجمہ اور تشریح

((طبری)) اور ((ابن اثیر)) نے امام سجادؑ سے نقل کیا ہے کہ عبداللہ ابن جعفر، وہ چوتھے شخص تھے جنہوں نے حسین ابن علیؑ کو عراق کا سفر ترک کرنے کا مشورہ دیا اور اس سلسلے میں اصرار کیا۔ عبداللہ ابن جعفر نے مکہ مکرمہ سے امامؑ کی روانگی کے بعد، اپنے دو بیٹوں عون اور محمد کے ذریعے ایک خط امامؑ کی خدمت میں ارسال کیا، جس میں تحریر تھا کہ: اما بعد: آپؑ کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ آپؑ نے جس سفر کا ارادہ کیا ہے، اسے اس خط کے پہنچتے ہی ترک کر دیجئے اور فوراً مکہ واپس تشریف لے آیئے، کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ اس سفر میں آپؑ مارے جائیں گے اور آپؑ کے اہل و عیال بے یار و مددگار رہ جائیں گے۔ آپؑ، جو ہدایت کی نشانی اور مومنوں کی امید ہیں، آپؑ کے مارے جانے سے اللہ کا نور بجھ جائے گا۔ اس وقت تک سفر میں جلدی نہ کیجئے جب تک میں آپؑ سے نہ آملوں۔ (۱)

عبداللہ ابن جعفر نے یہ خط روانہ کرنے کے بعد، فوراً عمرو بن سعید (جسے یزید کی طرف سے ولید کو معزول کئے جانے کے بعد اس کی جگہ مدینہ کا گورنر بنایا گیا تھا اور جو بظاہر امیر حج کے طور پر لیکن درحقیقت امام حسینؑ کو قتل کرنے کی ذمے داری ادا کرنے کی غرض سے مکہ میں موجود تھا) سے ملاقات کی، اور اس سے درخواست کی کہ امام علیہ السلام کے لئے ایک امان نامہ

۱- تاریخ طبری- ج ۷- ص ۲۷۹، تاریخ کامل ابن اثیر- ج ۳- ص ۲۷۷۔

لکھ دے' جس کے ذریعے شاید امامؑ واپسی پر تیار ہو جائیں۔ ساتھ ہی مزید تاکید اور اطمینان کے لئے عمرو بن سعید کو اس بات پر بھی رضامند کیا کہ وہ امان نامہ امامؑ تک پہنچانے کے لئے اپنے بھائی یحییٰ ابن سعید کو' ان (عبداللہ ابن جعفر) کے ہمراہ امامؑ کی خدمت میں بھیجے۔

عبداللہ ابن جعفر نے یحییٰ ابن سعید کے ہمراہ مکہ سے باہر امامؑ سے ملاقات کی اور امان نامہ حوالے کرتے ہوئے زبانی بھی اپنی اور یحییٰ ابن سعید کی گزارش امامؑ کی خدمت میں پیش کی اور ان سے درخواست کی کہ آپؑ عراق کی سمت سفر کا ارادہ ترک کر دیں۔

امامؑ نے عبداللہ ابن جعفر اور یحییٰ ابن سعید کے جواب میں فرمایا:

«إنّی رَأیتُ رُؤیاً فیها رَسُولُ اللّٰه (ص) ..... میں نے خواب میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو دیکھا ہے' اس خواب میں انہوں نے انتہائی اہم کام کی ذمے داری میرے سپرد کی ہے' جسے میں نے بہر صورت انجام دینا ہے' خواہ اس کے نتیجے میں مجھے فائدہ ہو یا نقصان پہنچے۔»

عبداللہ نے اس خواب اور اہم ذمے داری کی مزید تفصیل جاننا چاہی تو امامؑ نے فرمایا:

«مَا حَدَّثْتُ اَحَداً بِهَا ..... میں نے یہ کسی کو نہیں بتایا ہے اور جب تک زندہ ہوں کسی کو نہیں بتاؤں گا۔»

امامؑ نے امان نامے کے جواب میں درج ذیل خط بھی عمرو ابن سعید کے نام تحریر کیا:

«..... أمّا بَعد فَاِنّه لَم یُشاقِق الله ..... امابعد! وہ شخص ہرگز اللہ اور اس کے رسولؐ کا مخالف نہیں ہے' جو لوگوں کو اللہ کی طرف بلائے' عملِ صالح انجام دے اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرے۔ اور میں نے لوگوں کو ایمان' نیکی اور احسان کی دعوت دی ہے۔ بہترین امان (پناہ) اللہ کی امان ہے اور جو شخص دنیا میں اللہ کا خوف نہ رکھتا ہو' وہ آخرت میں ہرگز اللہ کی امان (پناہ) حاصل

نہیں کر سکے گا۔ لہٰذا ہم اللہ تعالیٰ سے دنیا میں اس کے خوف وخشیت کا سوال کرتے ہیں، جو قیامت کے دن ہمارے لئے اس کی امان کا سبب بنے۔ (اور جو امان نامہ تم نے بھجوایا ہے) اگر اس امان نامے سے تمہارا مقصد ہماری بھلائی اور بہتری ہے، تو تم دنیا اور آخرت میں اس کا اجر پاؤ گے۔ والسلام۔»

بلاذری، طبری اور ابن اثیر کے مطابق جب جعفر ابن عبداللہ اور یحییٰ ابن سعید کو انکی پیشکش کا کوئی مثبت جواب نہ ملا اور انہوں نے امامؑ کو اپنے ارادے اور فیصلے میں اٹل پایا تو مکہ واپس آ گئے۔

اس طرح عمرو ابن سعید نے بھی محسوس کر لیا کہ معاملہ آسانی سے حل ہونے والا نہیں، تو اس نے ایک مرتبہ پھر اپنے بھائی کو چند مسلح افراد کے ساتھ روانہ کیا تا کہ وہ امام حسینؑ کو واپسی پر مجبور کریں۔ یہ افراد امام حسینؑ کے قافلے کے پاس آئے تو یہاں دونوں گروہوں کے درمیان ایک مختصر جھڑپ ہوئی اور دونوں نے ایک دوسرے پر کوڑوں سے حملہ کیا.... یحییٰ اور اس کے ساتھی مقابلہ نہ کر سکے اور مکہ واپس آ گئے۔

امامؑ کی گفتگو کے چند نکات

امام حسینؑ نے عبداللہ ابن جعفر کو جو جواب دیا اور اسی طرح جو کچھ انہوں نے عمرو ابن سعید کے امان نامے کے جواب میں تحریر فرمایا، اس میں چند انتہائی اہم نکات موجود ہیں، جن کی جانب اشارہ یہاں غیر مناسب نہیں۔

۱۔ امام حسینؑ نے عبداللہ ابن جعفر کے جواب میں ایک ذمے داری کا ذکر کیا ہے، جو خواب میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف سے امام حسینؑ کو سونپی گئی ہے اور جسے انجام دینا ان کے لئے لازم ہے، چاہے اس کے نتیجے میں انہیں نقصان ہی کیوں نہ اٹھانا پڑے۔

پھر آپؑ نے یہ بھی تاکید فرمائی ہے کہ اس ذمے داری اور اس راز کے بارے میں

انہوں نے اب تک کسی کو کچھ نہیں بتایا ہے اور آخر تک کسی کو کچھ نہ بتائیں گے۔

یہ ذمے داری کیا تھی؟ کیا راہِ خدا میں امام حسینؑ کا جہاد اور ان کی شہادت اور اہل و عیال کی اسارت وہ ذمے داری تھی؟ لیکن یہ بات تو امام حسینؑ مکہ سے روانہ ہونے سے پہلے محمد بن حنفیہ کو بتا چکے تھے اور مدینہ سے مکہ اور مکہ سے کربلا تک کے سفر کے دوران (متعدد مرتبہ) کبھی اشاروں کنایوں میں اور کبھی واضح الفاظ میں اسے بیان کرتے رہے تھے۔

یہ کیسی ذمے داری اور کیسا راز ہے جس کے بارے میں امامؑ نے اس قدر اٹل لہجے میں گفتگو فرمائی کہ عبداللہ ابن جعفر کی امیدوں پر پانی پھر گیا اور وہ امامؑ کی واپسی سے ناامید ہو گئے اور تمام تر کوششوں کے باوجود خاموش ہو کر مکہ واپس آ گئے؟

ہم اس بارے میں کیا جان سکتے ہیں جبکہ خود امامؑ نے فرمایا تھا کہ: جب تک زندہ ہوں کسی کو نہیں بتاؤں گا۔

۲- امامؑ نے امان نامے کے جواب میں پہلے تو اشاروں کنایوں میں اپنے اصل مقصد یعنی اللہ کی طرف دعوت کو بیان کیا۔ پھر ایک لطیف اشارے کے ذریعے ((عمرو ابن سعید)) کو نصیحت کی اور فرمایا کہ قیامت کے دن وہ لوگ اللہ کی امان حاصل کر پائیں گے جو دنیا میں اپنے ان فرائض کے لئے قیام کریں گے جن کا سرچشمہ خوفِ خدا ہے۔

اور آخر میں آپؑ نے اِن (اگر) کا لفظ استعمال کر کے عمرو ابن سعید کے اصل اور اسکے دل میں چھپے مقصد سے پردہ اٹھا دیا۔ کیونکہ دعا میں ((اگر)) کا استعمال شک و شبہ ابھارنے والا اور مذمت کا مفہوم رکھتا ہے۔

۲۱

فرزدق سے ملاقات

"..... صَدَقْتَ للهِ الامْرُ و کُل یَوْمٍ هُوَفِی شَأن اِنْ نَزَلَ الْقَضَاءُ بِمَانُحِبُّ وَ نَرْضیٰ فَنَحْمَدُ الله عَلیٰ نَعْمائِهِ وَ هُوَ الْمُسْتَعانُ عَلیٰ اَداءِ الشُّکْرِ وَاِنْ حَالَ الْقَضاءُ دُونَ الرَّجاءِ فَلَمْ یَتَعَدَّ مَنْ کَانَ الحَقُّ نِیَّتَهُ وَالتَّقْویٰ سَرِیرَتَهُ" (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

شَأنٍ :اہم کام، واقعہ، کسی واقعے کے مطابق حکم۔ قَضاءُ :حکم فرمانِ الٰہی۔ حَالَ یَحُولُ :کسی چیز کا دو چیزوں کے درمیان رکاوٹ بن جانا۔ دون (عربی میں کہتے ہیں حَالَ الْقَوْمُ دُونَ فُلانٍ): وہ لوگ کسی شخص کے منزلِ مقصود تک پہنچنے میں رکاوٹ بن گئے۔ تَعَدّی :ظلم، تجاوز۔ سریرہ :انسان کا باطن۔

ترجمہ اور تشریح

عرب کا مشہور شاعر فرزدق، وہ پانچواں شخص تھا جس نے حسین ابن علیؑ کو مشورہ دیا کہ

۱- انساب الاشراف- ج ۳- ص ۱۶۴، تاریخ طبری- ج ۷- ص ۲۷۸، تاریخ کامل ابن اثیر- ج ۳- ص ۲۷۶، ارشادِ مفید- ص ۲۱۸، مقتل خوازمی- ج ۱- ص ۲۲۳، البدایۃ والنھایۃ- ج ۸- ص ۱۶۶۔

آپؑ عراق کی سمت سفر کا ارادہ ترک کردیں۔

جس وقت امامؑ مکہ سے عراق کی جانب سفر کر رہے تھے، اسی زمانے میں فرزدق فریضۂ حج کی ادائیگی کے لئے مکہ آرہا تھا۔ مکہ کے باہر فرزدق کی امامؑ سے ملاقات ہوئی اور اس نے امامؑ سے ان کے سفر کی بابت دریافت کیا۔ امامؑ نے فرزدق کے جواب میں ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔ ہم اس ملاقات کی وہی تفصیل ذیل میں درج کر رہے ہیں جسے ((مرحوم شیخ مفید)) نے خود فرزدق سے نقل کیا ہے۔(۱)

فرزدق کہتا ہے: میں ۶۰ ھ میں اپنی والدہ کے ہمراہ فریضۂ حج کی ادائیگی کے لئے مکہ مکرمہ روانہ ہوا۔ جب میں اپنی والدہ کے اونٹ کی لگام تھامے، اسے کھینچتا ہوا حرم کی حدود میں داخل ہو رہا تھا تو حسین ابن علیؑ کے قافلے سے میرا سامنا ہوا، جو عراق کے لئے عازم سفر تھا۔ میں فوراً ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام اور احوال پرسی کے بعد عرض کیا: اے فرزند رسولؐ! میرے ماں باپ آپؑ پر فدا ہوں، مَا اَعْجَلَکَ عَنِ الْحَجِّ (کس چیز نے آپؑ کو حج کئے بغیر یوں عجلت میں سفر پر مجبور کر دیا؟) امامؑ نے فرمایا: لَوْ لَمْ اَعْجَلْ لاُخِذْتُ (اگر میں عجلت نہ کرتا تو گرفتار کر لیا جاتا۔)

فرزدق کہتا ہے کہ امامؑ نے مجھ سے پوچھا: تم کون ہو؟ میں نے عرض کیا: میں ایک عرب ہوں۔

فرزدق کا کہنا ہے کہ: خدا کی قسم امامؑ نے میرے اتنے ہی تعارف پر اکتفا کیا اور اس بارے میں مزید کوئی سوال نہیں کیا؟

۱- باوجود یہ کہ طبری نے ملاقات کا مقام ((صفاح)) اور ((ذہبی)) نے (تذکرۃ الحفاظ - ج۱- ص ۳۳۸) میں ((ذاتِ عرق)) قرار دیا ہے اور فرزدق کے سوال کے بارے میں بھی اختلاف رائے رکھتے ہیں لیکن انہوں نے بھی امامؑ کا جواب وہی نقل کیا ہے جو یہاں متن میں تحریر ہے۔ ہمیں چونکہ قرائن کے مطابق شیخ مفید کا بیان ہر طرح سے صحیح نظر آتا ہے لہٰذا ہم نے اس ملاقات کی تفصیلات کے لئے شیخ مفید کی کتاب ارشاد کو سند بنایا ہے۔

پھر دریافت کیا: حالات کے بارے میں لوگوں (اہل عراق) کی رائے کیا ہے؟

فرزدق نے جواب دیا: آپؑ نے ایک باخبر شخص سے سوال کیا ہے۔ لوگوں کے دل آپؑ کے ساتھ ہیں اور تلواریں آپؑ کے خلاف۔ (بہر حال) تقدیر اللہ کے ہاتھ میں ہے' وہ جس طرح چاہتا ہے انجام دیتا ہے۔

فرزدق کہتا ہے کہ امامؑ نے میرے جواب میں فرمایا:

«صَدَقْتَ للهِ الاَمْرُ ..... تم نے صحیح کہا۔ تمام امور خدا ہی کے ہاتھ میں ہیں' خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ ہمارا پروردگار ہر دن ایک نئی شان کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے۔ اگر حالات ہماری خواہش اور مرضی کے مطابق رہے تو ہم اس (اللہ) کی نعمتوں کا شکر ادا کریں گے اور ادائے شکر کے لئے بھی وہی مدد کرنے والا ہے۔ لیکن اگر حوادث ہمارے اور ہماری آرزوؤں کے درمیان رکاوٹ بن گئے اور حالات نے ہماری خواہش کے مطابق رخ اختیار نہ کیا' تب بھی جس کی نیت حق ہو اور جس کے دل میں خوفِ خدا ہو' وہ راہِ حق سے گمراہ نہیں ہوا ہے۔»

فرزدق کہتا ہے: جب امامؑ کی گفتگو یہاں تک پہنچی تو میں نے عرض کیا کہ یقیناً آپؑ نے درست فرمایا' خدا خیر کرے گا۔

پھر میں نے امامؑ سے حج اور دوسرے امور کے بارے میں چند سوال کئے۔ ان سوالوں کے جواب دینے کے بعد امامؑ نے اپنی سواری کو ایڑ لگائی' مجھے الوداع کہا اور ہم ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔

دو توجہ طلب نکات

امام حسینؑ کی اس گفتگو سے دو توجہ طلب اور قابلِ قدر نکات حاصل ہوتے ہیں:

۱- جیسا کہ ہم نے بارہا اشارہ کیا ہے' امامؑ ((علمِ امامت)) سے قطع نظر عام اور معمول کے ذرائع سے بھی عراق کے حالات اور آئندہ پیش آنے والے حوادث سے بخوبی آگاہ تھے اور مکمل علم و آگہی کے ساتھ اپنے منصوبے پر عمل پیرا تھے اور یہ بات تو فرزدق جیسے عام افراد کے لئے بھی بالکل واضح تھی۔ لہٰذا اس نے صاف الفاظ میں کہا تھا کہ: قُلُوبُ النَّاسِ مَعَکَ وَسُیُوفُهُمْ عَلَیْکَ (لوگوں کے دل آپ کے ساتھ ہیں لیکن تلواریں آپ کے خلاف۔)

۲- دوسرا نکتہ اس معاملے کا اخلاقی پہلو' اخلاص اور خداوند متعال پر بھروسے کا مسئلہ ہے۔ امامؑ کی جدوجہد ایک الٰہی فریضے اور ذمے داری کی تعمیل اور معنوی مقاصد کے حصول کے لئے تھی' صرف ظاہری کامیابی حاصل کرنے کیلئے نہیں۔ اور امام حسینؑ نے اپنی جدوجہد کو اسی اصول اور قانون پر استوار کیا تھا۔ لہٰذا فرمایا: وَاِنْ حَالَ الْقَضٰاءُ دُونَ الرَّجٰاءِ فَلَمْ یَتَعَدَّ مَنْ کٰانَ الْحَقُّ نِیَّتَهُ وَالتَّقْویٰ سَرِیرَتَهُ.

۲۲

شتر بانوں کو پیشکش

«مَنْ اَحَبَّ مِنْكُمْ اَنْ يَنْصَرِفَ مَعَنَا اِلَى الْعِرَاقِ اَوْفَيْنَا كِرَاءَهُ وَاَحْسَنَّا صُحْبَتَهُ وَ مَنْ اَحَبَّ الْمُفَارَقَةَ اَعْطَيْنَاهُ مِنَ الْكِرَاءِ عَلٰى مَا قَطَعَ مِنَ الْاَرْضِ»(۱).

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

انصراف: پلٹنا، واپسی۔ اَوْفَيْنَا (ایفاء سے): ادا کرنا۔ كِرَاءِ: کرایہ۔

ترجمہ اور تشریح

مکہ سے باہر «تنعیم» کے مقام پر امام حسینؑ کا سامنا ایک قافلے سے ہوا۔ اس قافلے میں موجود چند شتر بان یمن کے گورنر «بجیر بن یسار حمیری» کی طرف سے یمنی کپڑا اور کچھ قیمتی اشیا یزید ابن معاویہ کے لئے شام لے جا رہے تھے۔ امامؑ نے ان شتر بانوں سے یہ سامان لے لیا اور ان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

«مَنْ اَحَبَّ مِنْكُمْ .... تم میں سے جو کوئی بھی ہمارے ساتھ عراق چلنا پسند کرے، تو ہم اسے عراق تک کا کرایہ دیں گے اور اسکے ساتھ حسن سلوک سے

۱۔ انساب الاشراف۔ ج ۲۔ ص ۱۶۴، تاریخ طبری۔ ج ۷۔ ص ۲۷۷، تاریخ کامل ابن اثیر۔ ج ۳۔ ص ۲۷۶، ارشادِ مفید۔ ص ۲۱۹، لہوف۔ ص ۶۰، مقتل خوارزمی۔ ج ۱۔ ص ۲۲۰۔

پیش آئیں گے اور جو یہیں سے واپس جانا چاہے، تو ہم اسے ((یمن)) سے یہاں تک کا کرایہ ادا کریں گے۔))

امامؑ کی اس پیشکش کے بعد کچھ شتر بانوں نے اپنا کرایہ لیا اور یمن واپس چلے گئے اور کچھ نے امامؑ کے ہمراہ جانے پر آمادگی کا اظہار کیا۔

اس عمل کی حکمت

حسین ابن علیؑ جن کی ذات ہر زمانے کے انقلابیوں اور تحریکی رہنماؤں کے لئے نمونۂ عمل ہے، آپؑ کے اس انقلابی اقدام اور اس گفتگو کی حکمت مستضعفین کی حمایت، مستکبرین اور طاغوت کی دشمنی اور انہیں کمزور کرنا ہے۔

اس اقدام سے پتا چلتا ہے کہ ظلم و طاغوت کو کمزور کرنے اور مظلوم اور مستضعف طبقے کو تقویت پہنچانے کے ہر مناسب موقع سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔ لہٰذا امامؑ نے یہ مال و دولت جو معاویہ کے گورنر اور اس کے کارندے کے ذریعے یمن کے مظلوم عوام سے جمع کیا گیا تھا اور اب یزید کے حوالے کیا جارہا تھا، ان طاغوتیوں سے چھین لیا، تاکہ اسے امت کی بھلائی کے کاموں میں خرچ کیا جائے اور ان مفلس اور مستضعف افراد کے حوالے کیا جائے جو مکہ سے عراق تک کے طویل اور دور دراز راستے میں نظر آئیں، یا یہ دولت اس حکومت کو منہدم کرنے کے کام آئے جو اسلام کے خلاف محاذ بنائے بیٹھی ہے۔

لیکن دوسری طرف شتر بان اور اونٹوں کو کرائے پر دینے والے لوگ، اگرچہ اس وقت ظالم حکومت کی معاونت کر رہے تھے لیکن کیونکہ ان افراد کا تعلق معاشرے کے مظلوم اور مستضعف طبقے سے تھا اور انہیں ان کی اجرت اور اس سخت سفر کا پورا کرایہ دیا جانا چاہئے۔ لہٰذا امامؑ خوشروئی کے ساتھ انہیں سفر میں ساتھ دینے یا واپس پلٹ جانے کی مکمل آزادی دیتے ہیں اور دونوں صورتوں میں انہیں کرایہ دینے کا وعدہ کرتے ہیں اور اگر کوئی ان کے ساتھ عراق تک

چلنے کی پیشکش قبول کرے تو کرائے کے علاوہ اسکے ساتھ مہربانی اور حسن سلوک کا وعدہ بھی فرماتے ہیں۔

جی ہاں، عراق کے سفر میں ہمراہی اور نواسۂ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی طرف سے حسن سلوک کا وعدہ، جس کا نتیجہ سعادت، عظمت اور فردوس بریں میں اعلیٰ مقام ہے، یقیناً ہر صالح اور باایمان انسان کے لئے باعث رشک اور اسکی آرزو اور خواہش ہے۔

۲۳

اہل کوفہ کے نام دوسرا خط

"اَمّـا بَعۡدُ ، فَقَدۡ وَرَدَ عَلَیَّ کِتابُ مُسۡلِمِ بنِ عَقیل یُخۡبِرُنی بِـاجۡتِـماعِکُمۡ عَلیٰ نَصۡرِنا وَالطَّلَبِ بِحَقِّنا فَسَأَلۡتُ اللّٰہَ اَنۡ یُحۡسِنَ لَنَا الصُّنۡعَ وَ یُثیبَکُمۡ عَلیٰ ذٰلِکَ اَعۡظَمَ الأَجۡرِ وَقَدۡ شَـخَـصۡـتُ اِلَیۡکُمۡ مِنۡ مَکَّۃَ یومَ الثّلاثاءِ لِثمانٍ مَضَیۡنَ مِنۡ ذي الۡـحِـجَّۃِ فَـاِذٰا قَـدِمَ عَـلَیۡـکُـمۡ رَسُولي فَانۡکَمِشُوا فی اَمۡرِکُمۡ فَاِنِّی قادِم" فی اَیّامي هٰذِهِ ." (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

صُنۡع : (صاد پر پیش یا زیر): جو بھی انجام پائے۔ یُثِیبُ (اَثابَہُ ، اثابۃ سے): اچھی جزا دینا۔ شَخَصۡتُ (شخوص سے) : سفر کا آغاز کرنا۔ ثَلاثاء : منگل۔ اِنۡکِماش : تیزی کرنا، تیزی سے کاموں کو منظّم کرنا۔ قُدُوم : مسافر کا پہنچنا۔

ترجمہ اور تشریح

کوفہ کی جانب اپنے سفر میں، جب امام حسین علیہ السلام "حاجر" نامی مقام پر پہنچے تو

۱۔ انساب الاشراف۔ ج ۳۔ ص ۱۶۷، تاریخ طبری۔ ج ۷۔ ص ۲۸۹، البدایۃ والنہایۃ۔ ج ۸۔ ص ۱۶۸۔

آپؑ نے مسلم بن عقیل کے خط کے جواب میں اہل کوفہ کو مخاطب کرتے ہوئے یہ خط تحریر کیا اور اسے قیس بن مسہر صیداوی کے ذریعے ارسال کیا۔

«اَمَّا بَعْدُ، فَقَدْ وَرَدَ عَلَیَّ کِتَابُ مُسْلِمٍ..... مجھے مسلم، کا خط ملا، جس میں خبر دی گئی ہے کہ تم لوگ ہماری مدد پر اور ہمارے حق کے مطالبے کے سلسلے میں متحد ہو۔ خدا کے حضور دعا گو ہوں کہ ہمارے امور بخیر و خوبی انجام پائیں اور ہماری مدد کرنے پر وہ تمہیں اجر عظیم عطا فرمائے۔ میں مکہ سے، منگل کے دن، مورخہ ۸ ذی الحجہ کو تمہاری طرف روانہ ہو چکا ہوں۔ میرے قاصد کے پہنچنے پر تم لوگ جلد از جلد اپنے کاموں کو منظّم کر لو۔ میں خود بھی آئندہ چند روز میں پہنچ جاؤں گا۔»

کوفہ کے انتخاب کی وجہ

بعض اوقات اہلِ کوفہ کی طرف سے حمایت کے اظہار، ان کی دعوت اور حکومتِ اسلامی کی تشکیل کو امام حسینؑ کی اس عظیم جدوجہد کے اصل محرکات اور اسباب کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ امام حسینؑ کے قیام کی یہ تفسیر نہ صرف حقائق اور مسلمات کے برخلاف ہے، بلکہ اس نے اس عظیم جدوجہد کی اہمیت اور عظمت کو گھٹا کر مسئلے کو ایک ایسے عام موضوع کی مانند بنا ڈالا ہے جس میں معنوی مقام اور ذاتی الٰہی فریضے سے عاری ہر مسلمان سیاستدان، یہی لائحۂ عمل اختیار کرنے کا پابند ہوتا۔ لیکن ہم جو یہاں، ہر ہر مرحلے پر امام حسینؑ کے خطبات، کلمات اور مکتوبات کا مطالعہ کر رہے ہیں، ہمیں نظر آ رہا ہے کہ اس حیات آفریں تحریک اور امامؑ کی طرف سے قیام کے عزم و ارادے میں اہل کوفہ کی دعوت اور حکومت کی تشکیل کو بنیادی کردار حاصل نہیں ہے، کیونکہ امام علیہ السلام نے مدینہ ہی میں یزید کی بیعت کا انکار کیا اور پھر اپنے سرسخت دشمن سے مقابلے کے لئے ایک منظّم حکمتِ عملی کے تحت مکہ تشریف لائے۔ یہاں تک کہ ابن عباس کے

جواب میں فرمایا: یہ مجھے قتل کئے بغیر نہیں چھوڑیں گے۔ اور ابن زبیر کو جواب دیا کہ: اگر میں کسی پرندے کے گھونسلے میں بھی چلا جاؤں تب بھی یہ مجھے باہر نکال کر مار ڈالیں گے۔

امام علیہ السلام کی جانب سے (مقابلے کا) فیصلہ کر لینے' آپؑ کے مکہ تشریف لانے اور اہلِ کوفہ کو یہ خبر ہو جانے کے بعد کہ آپؑ نے یزید کا مطالبۂ بیعت مسترد کر دیا ہے' ان کی طرف سے امامؑ کو دعوت اور خطوط کا سلسلہ شروع ہوا۔ لہٰذا واضح ہے کہ اس دعوت کو امام حسینؑ کے قیام کا اصل محرک یا بنیادی سبب قرار نہیں دیا جا سکتا۔ بلکہ ایک منظّم اور وسیع حکمتِ عملی اور اعلیٰ اہداف کے حصول کے لئے کئے جانے والے پختہ عزم وارادے میں یہ بھی ایک فروعی اور ضمنی مسئلہ تھا۔

امام علیہ السلام نے یزید کی مخالفت اور اس کے خلاف جد وجہد کو جاری رکھنے کا پکا ارادہ اور عزمِ مصمم کر لیا تھا لیکن مکہ میں رہتے ہوئے اس مخالفت کو جاری رکھنے کے نتیجے میں امامؑ کو خفیہ طریقے سے قتل کر دیا جاتا۔ اس طرح ایک طرف تو خانۂ کعبہ کی بے حرمتی ہوتی اور دوسری طرف اس انداز سے آپؑ کا مار دیا جانا یزید ابن معاویہ کے لئے مفید ثابت ہوتا۔ یہی وجہ تھی جو ہم دیکھتے ہیں کہ سعید ابن عمرو عاص (جس کو مکہ میں امام حسینؑ کے قتل کی ذمے داری سونپی گئی تھی) پہلے تو صلح وصفائی اور امان نامے کے ذریعے اور اسکے بعد بزورِ طاقت چاہتا ہے کہ کسی طرح امامؑ اپنا سفر ترک کر کے مکہ واپس آ جائیں تاکہ وہ یہ معاملہ خاموشی کے ساتھ مکہ ہی میں تمام کر دے اور یہ تحریک اپنی ابتدا ہی میں دبا دی جائے۔

ایسی صورتحال میں امام حسینؑ اپنے لئے کس علاقے کا انتخاب کرتے؟

ظاہر ہے وسیع وعریض اسلامی مملکت میں' انقلاب اور تبدیلی کے لئے سب سے زیادہ تیار علاقے کوفہ اور عراق کا۔ کیونکہ یہ ایک بڑا صوبہ ہے' اسلامی افواج کا ایک اہم مرکز ہے اور شام کا رقیب اور مدِ مقابل ہے۔ اس کے علاوہ جنگی حکمتِ عملی کے اعتبار سے یہ علاقہ حتیٰ مکہ اور مدینہ سے بھی زیادہ اہم ہے۔ وہاں کے لوگوں کے شعور اور بیداری کا اندازہ لگانے کے لئے

یہی بات کافی ہے کہ انہوں نے مکہ میں امامؑ کے سامنے اپنے دعوتی خطوط کا ڈھیر لگا دیا۔ ان خطوط میں اپنی آمادگی اور امامؑ کی پشت پناہی اور حمایت کے عزم کا اظہار کیا گیا تھا۔ اور اگرچہ ایک خاص مرحلے پر اس شعور و بیداری اور اس آمادگی اور حمایت پر تیاری کو طاقت کے بل بوتے پر دبا دیا گیا لیکن ان افکار نے مستقبل میں رونما ہونے والے انقلابات میں اپنا اثر دکھایا' بعد میں ظہور کرنے والے انقلابات کا نقطہ آغاز ثابت ہوئے۔

اس سے قطع نظر' امام حسینؑ جوامت کے رہبر اور امام تھے' کیا ان کے پاس ان بے شمار خطوط اور درخواستوں کے باوجود کوفہ اور عراق نہ جانے کا کوئی عذر تھا؟

اگر بعد میں اہل کوفہ یہ دعویٰ کرتے کہ ہم امام حسینؑ کی راہ میں جان و مال قربان کرنے کے لئے تیار تھے' ہم نے ان سے اپنی قیادت اور رہبری کرنے کے لئے اس قدر اصرار کے ساتھ درخواست کی تھی لیکن انہوں نے ہماری درخواستوں پر یکسر توجہ نہ دی۔ تو کیا اس صورت میں امامؑ کا یہ جواب کسی ایک فرد کو بھی مطمئن کر سکتا تھا کہ کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ تم وعدہ خلافی کرو گے اس لئے میں نے تمہیں مثبت جواب نہیں دیا؟ کیا اہل کوفہ یہ دعویٰ نہیں کر سکتے تھے کہ ہم اپنے قول کے پکے تھے؟

بالفاظ دیگر' اس موقع پر امام حسین علیہ السلام تاریخ کے ایک دوراہے پر کھڑے تھے۔ اگر آپؑ اہل کوفہ کی درخواست قبول نہ کرتے تو تاریخ انہیں موردِ الزام ٹھہراتی اور مستقبل کی تاریخ کا فیصلہ ہوتا کہ حالات غیر معمولی طور پر مساعد تھے لیکن حسین ابن علیؑ نے اس سنہری موقع سے فائدہ نہیں اٹھایا' انہوں نے جانتے بوجھتے ہوئے اقدام سے گریز کیا' یا (نعوذ باللہ) خوف و ہراس ان کے پاؤں کی زنجیر بن گیا۔

امام علیہ السلام نے مدد و نصرت کا ہاتھ بڑھانے والے لوگوں پر' اتمام حجت کی غرض سے' ان کی درخواست قبول کی اور کوفہ کی سمت روانہ ہو گئے۔

نتیجہ یہ کہ امام حسین علیہ السلام اپنی معنوی اور حقیقی شرعی ذمے داری کے لحاظ سے (جس

سے وہ خود واقف اور اسکی جانب متوجہ تھے) اس بات کے پابند تھے کہ اس زمانے کے انحراف اور حکومتِ یزید کے مقابلے' نیز کلمۂ حق کی سر بلندی کے لئے اپنے خون کا آخری قطرہ تک نچھاور کردیں۔

حکمِ ظاہری کے لحاظ سے بھی' جو ہر شخص کے لئے واضح تھا' اہل کوفہ کے خطوط کے جواب اور عراق کے خاص حالات کے تحت ضروری تھا کہ آپؑ سرزمینِ عراق ہی کو اپنی جدو جہد کا مرکز بنائیں اور اپنے پروگرام کو اس علاقے میں جامۂ عمل پہنائیں اور بالکل عام انداز میں اہل کوفہ کو کوفہ کی جانب اپنے سفر کی اطلاع دیں اور انہیں زیادہ سے زیادہ تیاری کا حکم دیں۔

اگر چہ عام افراد کے لئے ان دونوں قسم کی ذمے داریوں کو علیحدہ علیحدہ کرنا خاصا مشکل کام ہے لیکن شاید چوٹی کے ایک شیعہ عالم ((مرحوم شیخ جعفر شوستریؒ)) نے اپنی کتاب ((خصائص الحسینیہ)) میں اسی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ: امام حسینؑ نے ظاہری اور حقیقی دونوں قسم کی ذمے داریوں کو جمع کر دیا اور کوفہ کی جانب اپنے سفر کے ذریعے دونوں ذمے داریوں کو انجام دیا۔

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ امامؑ نے مسئلے کے ان دونوں پہلوؤں کی جانب بارہا اشارہ فرمایا تھا۔ اپنی پہلی ذمے داری کو مختلف طریقوں سے مثلاً خواب میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کی طرف سے دی جانے والے ذمے داری اور کبھی ارادہ اور مشیتِ الٰہی کہہ کر بیان کیا اور دوسری ذمے داری اور امامؑ کا ظاہری فریضہ' جسے آپؑ نے اہلِ کوفہ کی وعدہ خلافی کو جاننے کے باوجود ایک عام اور رائج طریقے سے انجام دیا' اس کی جانب آپؑ نے مختلف بیانات کے ذریعے مثلاً ابن زبیر کے ساتھ ہونے والی گفتگو میں اشارہ کیا۔ انہی مواقع میں سے ایک موقع امامؑ کی وہ گفتگو ہے جس کا مطالعہ آپ آئندہ صفحات میں کریں گے۔

۲۴

کوفہ کے راستے میں

«اِنَّ هٰؤُلاٰءِ اَخٰافُونِي وَ هٰذِهِ كُتُبُ اَهْلِ الْكُوفَةِ وَهُمْ قٰاتِلِي فَاِذا فَعَلُوا ذٰلِكَ وَلَمْ يَدَعُو اللهُ مُحَرَّماً اِلاّ انْتَهَكُوهُ بَعَثَ اللهُ اِلَيْهِم مَنْ يُذِلّهُم حَتّىٰ يَكُونُوا اَذَلَّ مِنْ فِرٰامِ الْمَرأَةِ» (۱)

ترجمہ اور تشریح

«ابن کثیر دمشقی» اور «ابن نما» نے کوفہ کے ایک باشندے سے نقل کیا ہے کہ: میں اعمالِ حج انجام دینے کے بعد تیزی سے کوفہ واپس پلٹ رہا تھا کہ مجھے راستے میں چند خیمے نظر آئے۔ میں نے ان خیموں کے مالک کے بارے میں پوچھا تو بتایا گیا کہ یہ خیمے حسین ابن علیؑ کے ہیں۔ یہ سن کر میں نواسۂ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زیارت کے شوق میں ان کے مخصوص خیمے کی طرف چلا گیا۔ آپؑ اپنے سراپے سے مجھے ایک ایسے شخص نظر آئے جس نے ابھی اپنے بڑھاپے کی ابتدا کی ہو۔ میں نے دیکھا کہ آپؑ تلاوتِ قرآن میں مشغول ہیں اور

۱۔ابن عساکر۔ص ۲۱۱، البدایۃ والنہایۃ۔ج ۸۔ص ۱۶۹، مثیر الاحزان۔ص ۲۱، (البدایۃ اور ابن عساکر کے جو نسخے ہمارے پاس موجود ہیں، ان میں اس کلام کا پہلا جملہ ذکر نہیں ہوا ہے اور کچھ بعید نہیں کہ دستِ سیاست نے اسے تبدیل کر دیا ہو)۔

آپؑ کی آنکھوں سے بہنے والے آنسوؤں کے قطرے آپؑ کے چہرے اور داڑھی کو تر کر رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا: میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، اے نواسۂ رسولؐ! کیا وجہ ہے کہ آپؑ اس بے آب وگیاہ بیابان میں تشریف لائے ہیں؟

امامؑ نے مجھے جواب دیا:

«اِنَّ هٰؤُلاٰءِ اَخافُوني وَ هٰذِهِ کُتُبُ اَهْلِ الْکُوفَة ..... (ایک طرف) مجھے اس قوم (بنی امیہ) سے خطرہ ہے (اور دوسری طرف) یہ اہل کوفہ کے خطوط ہیں (جو انہوں نے مجھے ارسال کیے ہیں) اور یہی اہل کوفہ مجھے قتل کریں گے، اور جب اس جرم میں اپنے ہاتھ رنگ لیں گے اور خدا کے احکام اور فرامین کا احترام پامال کرلیں گے، تب خدا ان پر ایک ایسے شخص کو مسلط کرے گا جو انہیں ذلیل وخوار کردے گا اور ان کی حیثیت (ماہانہ عادت کے ایام میں) عورتوں کے استعمال شدہ کپڑے سے زیادہ پست ہوجائے گی۔»

امام علیہ السلام کی پیش گوئی

امامؑ کی اس گفتگو میں، انتہائی قابلِ توجہ چیز اہل کوفہ کے بارے میں آپؑ کی پیش گوئی ہے۔ آپؑ نے فرمایا کہ یہی لوگ مجھے قتل کریں گے اور اس جرم کے ارتکاب کے بعد خدا ایک ایسے شخص کو ان پر مسلط کرے گا جو انہیں اتنی ذلت اور خواری کا مزہ چکھائے گا کہ یہ لوگ دنیا کے پست اور ذلیل ترین افراد ہوجائیں گے۔

امامؑ نے متعدد مواقع پر اپنی گفتگو میں یہ پیش گوئی کی ہے۔ مثلاً «بطن عقبہ» کے مقام پر آپؑ کی گفتگو میں اور مکہ سے روانگی کے وقت ابن عباس کے مشورے کے جواب میں۔ اسی طرح عاشورا کے دن اہل کوفہ کے سامنے کی گئی اپنی دوسری تقریر میں، جس کے الفاظ یہ ہیں کہ خدا کی قسم اس جنگ کے بعد بجز انتہائی کم مدت کے تم آسودگی اور خوشی نہیں پاؤ گے۔ صرف اتنی

ہی دیر کے لئے جتنی دیر ایک انسان کو گھوڑے پر سوار ہونے میں لگتی ہے۔ اسکے بعد (گردشِ زمانہ کی) چکی تمہیں گھماڈالے گی اور چرخی کی طرح چکر میں ڈال دے گی۔

اہلِ کوفہ کی ذلت و خواری

آیئے، اب دیکھتے ہیں کہ اہلِ کوفہ کے بارے میں امامؑ کی پیش گوئی کب، کس طرح اور کس کے ہاتھوں پوری ہوئی۔ وہ کون تھا، جو اہلِ کوفہ پر مسلط ہوا اور انہیں اس طرح ذلیل وخوار کیا کہ وہ تمام اقوام وملل سے زیادہ ذلیل ورسوا ہوئے۔

جیسا کہ امامؑ نے فرمایا تھا، کربلا کے واقعے کے بعد اہلِ کوفہ ایک مختصر عرصے کے سوا کبھی سکون واطمینان سے نہ رہ سکے۔ کیونکہ کچھ ہی مدت کے بعد اس شہر سے تعلق رکھنے والے ایک گروہ نے ''توابین'' (توبہ کرنے والوں) کے نام سے قیام کیا، اس کے کچھ ہی عرصے بعد خروجِ مختار کا واقعہ پیش آیا اور پھر یہ سلسلہ جاری رہا۔ ان تمام واقعات میں بڑے پیمانے پر قتل وغارت ہوئی اور اہلِ کوفہ کو شدید مشکلات اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا اور آخر کار ان تمام افراد کو سزا ملی جو واقعۂ کربلا میں ملوث تھے۔

عراق اور اس کے مرکز کوفہ کے باشندوں کی یہ مشکلات اور پریشانیاں بنی امیہ کی خلافت کی تقریباً تمام مدت میں اور خلافتِ عباسیہ کے بھی اچھے خاصے زمانے تک جاری رہیں۔ اسی بات کی جانب امامؑ نے یہ کہہ کر اشارہ فرمایا تھا کہ: ان کا کوئی حاکم کبھی ان سے خوش نہیں رہے گا۔

لیکن اہلِ کوفہ کا بدترین اور سخت ترین دور اور کوفہ کی تاریخ کے تلخ ترین ایام وہ بیس سال ہیں جب حجاج بن یوسف ثقفی، پورے عراق اور ایران کے کچھ حصوں کا مطلق العنان حاکم بنا۔ اس نے اپنے دورِ اقتدار (۷۵ھ سے ۹۵ھ تک) میں، اہلِ عراق بالخصوص اہلِ کوفہ کو اس قدر سخت عذاب میں مبتلا کیا اور ان کے دلوں میں اتنا خوف وہراس بٹھایا، اور ان کے اتنے افراد کو

قتل کیا، اتنوں کو قید و بند کی سختیوں میں ڈالا، اور اتنا زیادہ انہیں ذلیل و رسوا، تباہ و روسیاہ کیا کہ ان کی اس حالت کی ترجمان اس سے بہتر کوئی عبارت ہو ہی نہیں سکتی کہ: اَذَلَّ مِنْ فِرامِ الْمَرأۃِ (ماہانہ عادت کے ایام میں عورتوں کے استعمال کئے ہوئے کپڑے سے زیادہ پست۔)

حجاج کے بعض مظالم

((مروج الذہب)) اور ((کامل ابن اثیر)) میں درج ہے کہ جب حجاج بن یوسف ثقفی کو عراق کا حاکم بنایا گیا اور وہ اپنے مرکزِ حکومت کوفہ میں آیا، تو اس نے اپنے پہلے ہی خطاب کے ذریعے جو اس نے بغیر بسم اللہ کے شروع کیا اور جو دھمکیوں اور رعب و دہشت کی باتوں سے بھرپور تھا، اپنی جلاد صفت اور خونخوار شخصیت کا اظہار کیا۔ اپنی پہلی ہی تقریر میں جو فقرے اس نے استعمال کئے ان میں سے چند یہ تھے: اے اہل عراق! تم باہم متفرق (جھگڑالو)، منافق اور بدترین صفات کے حامل لوگ ہو۔ میں تمہارے درمیان بہت سی اٹھی ہوئی گردنیں اور ایسے سر دیکھ رہا ہوں جن کے کٹنے کا وقت اب آ گیا ہے اور یہ کام میں باآسانی کر سکتا ہوں۔ اے اہل عراق! اچھی طرح جان لو کہ میں نہ تمہاری غلطیاں معاف کروں گا اور نہ تمہارا عذر قبول کروں گا۔ (۱)

پھر اس نے حکم دیا کہ تم سب شہر کے باہر جمع ہو کر ((مھلب)) کی مدد کے لئے روانہ ہو جاؤ جو بصرہ میں حکومت کے مخالفوں کے ساتھ جنگ میں مصروف ہے۔ جو کوئی اس حکم کی مخالفت کرے گا، میں اس کی گردن اڑا دوں گا اور اس کا گھر منہدم کر دوں گا۔

تیسرے دن، ایک ایسے وقت جب حجاج بذاتِ خود اہل کوفہ کی بصرہ روانگی کی نگرانی کر رہا تھا، کوفہ میں مقیم قبیلوں میں سے ایک قبیلے کا بوڑھا سردار جس کا نام ((عمیر بن ضابی)) تھا،

۱۔ مروج الذہب۔ ج ۳۔ ص ۱۴۴، تاریخ کامل ابن اثیر۔ ج ۴۔ ص ۳۴۔

حجاج کے پاس آیا اور کہا کہ اے امیر! میں ایک بوڑھا، اپاہج اور لاغر شخص ہوں، میرے چند جوان بیٹے جنگ میں شرکت کر رہے ہیں، ان میں سے کسی ایک کو میری جگہ سمجھ لو اور مجھے اس جنگ میں شرکت سے معاف رکھو۔ ابھی بوڑھے کی بات پوری بھی نہ ہوئی تھی کہ حجاج نے حکم دیا کہ اس کی گردن اڑا دی جائے اور اسکی دولت ضبط کر لی جائے۔

یہ سختی دیکھ کر اہل کوفہ ایسے جوق در جوق اور عجلت میں شہر سے نکل کر بصرہ کی سمت روانہ ہوئے کہ اس ہڑبونگ میں کئی افراد پل پر سے دریائے فرات میں گر کر غرق ہو گئے۔(۱)

مورخین کے مطابق ۹۵ھ میں، اپنے بیس سالہ دورِ اقتدار کے بعد جب حجاج بن یوسف کی موت واقع ہوئی تو اس مدت میں (جنگوں میں مرنے والوں کے علاوہ) ایک لاکھ بیس ہزار سے زائد افراد اس کے ہاتھوں مارے گئے تھے۔ حجاج کی موت کے وقت پچاس ہزار مرد اور تیس ہزار عورتیں اسکے قید خانوں میں قید تھے اور ان قیدی خواتین میں سے سولہ ہزار خواتین کو برہنہ رکھا گیا تھا۔

ان حالات کو رقم کرنے کے بعد ((مسعودی)) لکھتا ہے کہ حجاج عورتوں اور مردوں کو ایک ہی جگہ قید رکھتا تھا اور اس کے قید خانوں میں چھتیں نہیں تھیں جو گرمیوں میں سورج کی تپش، باد و باراں اور جاڑوں میں سردی سے قیدیوں کو محفوظ رکھتیں۔(۲)

((تاریخ ابن جوزی)) میں تحریر ہے کہ حجاج کے قیدیوں کو جو غذا دی جاتی تھی وہ جو کے آٹے، راکھ اور نمک کا مرکب ہوتی تھی اور جو کوئی بھی حجاج کی قید میں چند دن گزارتا تھا اس قسم کی غذا اور سورج کی تمازت کی وجہ سے اسکا رنگ سیاہ فاموں جیسا ہو جاتا تھا۔(۳)

((ابن قتیبہ دینوری)) نے لکھا ہے کہ بصرہ میں لوگوں کی طرف سے حکومت کی مخالفت کی

۱، ۲- مروج الذہب- ج ۲- ص ۱۳۷۔

۳- سفینۃ البحار- ج ۱- ص ۲۲۲۔

خبر ملنے پر حجاج ماہِ رمضان میں جمعہ کے دن بصرہ پہنچا اور ایک منصوبے اور سازش کے ذریعے اس شہر کی جامع مسجد میں ستّر ہزار افراد کو، جی ہاں ستّر ہزار افراد کو ایک ساتھ تہہ تیغ کروا دیا۔ یہ وہ ظلم اور سفاکی ہے جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ (۱)

لبنان کے مشہور مصنف، مرحوم شیخ محمد جواد مغنیہ لکھتے ہیں کہ میں نے تاریخ کا جتنا بھی مطالعہ کیا ہے اس میں قساوت اور خونخواری میں کسی کو حجاج کا ہم پلّہ نہیں پایا۔ صرف ((نیرو)) کے بارے میں ایسی چیزیں سنی ہیں جو حجاج کی شقاوت اور اذیت پسندی کی ترجمانی کرسکتی ہیں کہ ((نیرو)) نے روم کو جلوانے کے بعد اس شہر سے اٹھنے والے شعلوں کا نظارہ کیا اور جلنے والی عورتوں اور بچوں کی چیخ و پکار سن کر قہقہے لگائے۔ (۲)

حد یہ ہے کہ (بنی امیہ کے ایک خلیفہ) عمر ابن عبدالعزیز نے حجاج بن یوسف کے بارے میں کہا ہے کہ: اگر دنیا کی تمام قومیں ظلم و ستم اور درندہ صفتی کے مقابلے (Competition) میں اپنے خبیث ترین اور خونخوار ترین افراد کو لائیں اور ہم اپنی طرف سے صرف حجاج کو پیش کریں تو پست فطرتی کے اس مقابلے میں ہم سب قوموں سے بازی لے جائیں گے۔ (۳)

یہاں پہنچ کر حسین ابن علیؑ کی اس گفتگو کا مفہوم، ایک حد تک واضح ہو جاتا ہے، جس میں آپؑ نے فرمایا تھا کہ:

((سَلَّطَ اللہُ عَلَیْھِمْ مَنْ یُذِلُّھُمْ حَتَّی یَکُونُوا اَذَلَّ مِنْ فِرَامِ الْمَرْأَۃِ..... (خدا ان پر ایسے شخص کو مسلط کرے گا جو انہیں ذلیل و خوار کردے گا اور ان کی حیثیت (ماہانہ عادت کے ایام میں) عورتوں کے استعمال شدہ کپڑے سے زیادہ پست ہو جائے گی۔))

۱۔ یہ واقعہ پوری تفصیلات کے ساتھ الامامۃ والسیاسۃ ۔ ج ۲ ۔ ص ۳۲ میں ذکر ہوا ہے۔

۲ ۔ شیعہ و زمامدارانِ خودسر ۔ ص ۱۲۲۔ ۳ ۔ تھذیب التھذیب ۔ ج ۲ ۔ ص ۲۱۱۔

۲۵

حضرت زینبؑ کے جواب میں

«یَا اُخْتَاهُ کُلُّ مَاقُضِيَ فَهُوَ کَائِنٌ»(۱)

ترجمہ اور تشریح

امام حسینؑ کربلا کے راستے میں «خزیمیہ» نامی مقام پر پہنچے اور ایک دن اور ایک رات وہاں قیام کیا اور آرام فرمایا۔ اسی جگہ علی الصبح حضرت زینب سلام اللہ علیہا امامؑ کی خدمت میں تشریف لائیں اور عرض کیا: بھیا! گویا کسی غیبی آواز سے مجھے یہ دو شعر سنائی دیئے ہیں، جو میری پریشانی اور تشویش میں اضافے کا سبب ہیں۔

اَلاٰ یَاعَیْنُ فَاحتَفِلی بِجُهْدِ　　　فَمن یَبکی عَلی الشهداء بعدیٗ

«اے میری آنکھوں اب کوشش کرو اور رونے کے لئے تیار ہو جاؤ کیونکہ میرے علاوہ کون ہے جو شہیدوں پر گریہ کرے گا۔»

عَلٰی قَوْمٍ تَسُوقُهُمُ الْمَنٰایا　　　بمقدار الی انجاز وَعد

«ان لوگوں پر رونے کے لئے جنہیں تقدیر میں لکھے خطرات اور مشکلات وعدے کی وفا کی طرف لے جا رہے ہیں۔»

امام حسین علیہ السلام نے جناب زینبؑ کے جواب میں، محض ایک جملے پر اکتفا کیا، جی

۱۔ مقتل خوارزمی۔ ج ۱۔ ص ۲۲۵۔

ہاں صرف ایک جملے پر۔ وہ مختصر جملہ یہ تھا:

«یَا اُخْتَاهُ کُلُّ مَاقُضِيَ فَهُوَ کَائِنٌ .»

«اے بہن! جوخدا نے مقدر کیا ہے وہ واقع ہو کر رہے گا۔»

قضا سے کیا مراد ہے؟

اس وضاحت کو مدنظر رکھتے ہوئے جو مشیت اور اللہ کے تکوینی اور تشریعی ارادے کے سلسلے میں گزشتہ صفحات میں کی گئی اور ان خاص حالات اور فضا کے پس منظر میں جن میں امام حسینؑ نے اپنی شرعی ذمے داریوں کو انجام دینا تھا، ہم محسوس کرتے ہیں کہ اب قارئینِ کرام کے لئے امامؑ کے اس کلام میں ذکر ہونے والی «قضا» کا مطلب ایک حد تک واضح ہو گیا ہو گا۔ اس «قضا» کا مطلب ان خاص حالات میں اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنا اور امامؑ کا اپنی شرعی ذمے داری کو انجام دینا ہے۔ کیونکہ «قضا» کا مطلب یقینی حکم اور مشیت اور تقدیر کا انجام دینا ہے جو اللہ کے ارادے اور تقدیر کے بعد کا مرحلہ ہے۔

۲۶

ثعلبیہ کے مقام پر

«لاَ خَیرَ فِی الْعَیشِ بَعْدَ ھٰؤُلاٰءِ»(۱)

ترجمہ اور تشریح

«خزیمیہ» اور «زرود» کے بعد امام حسینؑ کا قافلہ «ثعلبیہ» کے مقام پر پہنچا۔ اس مقام پر امام حسینؑ کے تین بیانات تاریخ میں نقل ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک حضرت مسلم بن عقیلؑ کی شہادت کی مناسبت سے ہے اور دوسرے دو بیانات دو سوال کرنے والوں کے جواب میں ہیں۔ ہم یہاں ان تینوں بیانات کو بالترتیب پیش کر رہے ہیں۔

پہلا بیان حضرت مسلم بن عقیلؑ کی شہادت کی مناسبت سے ہے۔ اس واقعے کو «طبری» اور دوسرے مورخین نے عبداللہ بن مسلم کے توسط سے مکمل تفصیل کے ساتھ تحریر کیا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ «ابن سلیم» جو کوفہ سے تعلق رکھتا ہے' کہتا ہے: میں اور میرے ہمسفر «مذری» نے مراسمِ حج کی ادائیگی کے بعد فیصلہ کیا کہ اپنی بھرپور کوشش کر کے جلد از جلد امام حسینؑ کے قافلے تک پہنچ کر ان کے انجام کو دیکھیں گے۔ «زرود» نامی مقام پر جب ہم امامؑ کے قافلے کے پاس پہنچے تو یہاں «بکیر» نامی شخص سے ہماری ملاقات ہوئی' جو کوفہ سے آرہا

۱۔ انساب الاشراف۔ ج ۳۔ ص ۱۶۸' تاریخ طبری۔ ج ۷۔ ص ۲۹۳' تاریخ کامل ابن اثیر۔ ج ۳۔ ص ۲۷۸' البدایۃ والنھایۃ ابن کثیر۔ ج ۸۔ ص ۱۶۸' ارشادِ مفید۔ ص ۲۲۲' لہوف۔ ص ۴۱' سیر اعلام النبلاء۔ ج ۳۔ ص ۲۰۸۔

تھا۔ ہم نے اس سے اپنے شہر کے حالات دریافت کیے۔ اس نے بتایا کہ خدا کی قسم، جس وقت میں شہر سے نکلا ہوں، اس سے پہلے مسلم بن عقیل اور ہانی ابن عروہ قتل کیے جا چکے تھے اور میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ ان دونوں شہدا کے بدن کوفہ کے بازار میں زمین پر گھسیٹے جا رہے تھے۔

عبداللہ کہتا ہے: یہ خبر حاصل کرنے کے بعد ہم حسین ابن علیؑ کے قافلے سے جا ملے، یہاں تک کہ غروبِ آفتاب کے وقت «ثعلبیہ» کے مقام پر پہنچے اور اس جگہ قریب جا کر امام حسینؑ سے ملاقات کی اور انہیں مسلم اور ہانی کی شہادت سے مطلع کیا۔

«ابن سلیم» کہتا ہے کہ امامؑ نے یہ خبر سننے کے بعد کلمہ استرجاع (اِنّـا لِلّٰـہ وَاِنّـا اِلَیْـہِ رٰاجِعُونَ) پڑھا اور پھر ان کے رخسارِ مبارک پر آنسو جاری ہو گئے۔ امامؑ کے ساتھی اور بنی ہاشم کے افراد بھی رونے لگے اور خواتین کے رونے کی آوازیں بھی سنائی دیں۔

لوگوں کے خاموش ہو جانے کے بعد «عبداللہ» اور اس کے ساتھی نے امامؑ سے عرض کیا: اے فرزند رسولؐ! مسلم اور ہانی کی شہادت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اب کوفہ میں آپؑ کے حامی اور طرفدار نہیں رہے، لہٰذا بہتر ہے کہ آپؑ یہیں سے واپس چلے جائیں۔

لیکن اولادِ عقیل نے واپسی سے انکار کیا اور کہا کہ: خدا کی قسم ہم اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے جب تک یا تو مسلم کے قاتلوں سے ان کے خون کا بدلہ نہ لے لیں یا پھر انہی کی طرح اپنے خون میں نہ نہا جائیں۔

عبداللہ اور اس کے ساتھی اور اولادِ عقیل کے درمیان یہ بحث طول پکڑ گئی۔ دونوں اپنی اپنی رائے کو ثابت کرنے کے لئے دلائل لاتے تھے اور تائیدی باتوں کا ذکر کرتے تھے۔ ساتھ ہی سب اس بات کے منتظر تھے کہ اس سلسلے میں امام علیہ السلام اپنی رائے اور فیصلے کا اظہار کریں۔ آخر کار امامؑ نے ارشاد فرمایا:

«لَاخَیْـرَ فِـی الْـعَیْـش ..... ان سب (مسلم، ہانی اور ان کے حامی مراد

ہیں) کے بعد زندگی میں کوئی خیر نہیں۔»

نتیجہ: امامِ حریت، حسین ابن علیؑ کی نگاہ میں ایسے معاشرے میں زندگی گزارنا بے فائدہ ہے جہاں مسلم ابن عقیل اور ہانی ابن عروہ جیسے افراد، کوفہ جیسے اسلامی مرکز میں قتل کر دیئے جائیں اور ان کے بدن اس شہر کے بازاروں میں گھسیٹے جائیں، وہ بازار جہاں کسی وقت مولائے کائنات کے وعظ و نصیحت کی صدائیں گونجا کرتی تھیں۔ جی ہاں، اس سنگین جرم اور ایسے خداپرست افراد کی شہادت کے بعد ایسے پست اور حقیر معاشرے میں زندگی گزارنا بے فائدہ ہے۔ حالانکہ ایسے انسانوں کے لئے جو صرف «انسان نما» ہیں، اسی ذلت آمیز ماحول میں زندگی بسر کرنا انتہائی لذت بخش اور خوشگوار ہوتا ہے۔

۲۷

ثعلبیہ کے مقام پر' ایک سوال کے جواب میں

"اِمَامٌ دَعَا اِلیٰ هُدیً، فَاَجَابُوا اِلَیهِ وَ امامٌ دَعَا اِلیٰ ضَلاٰلَةٍ فَاَجَابُوا اِلَیهَا هؤُلاءِ فِی الْجَنَّةِ وَهؤُلاءِ فِی النّار وَهُو قَوْلُهُ تَعَالیٰ : فَرِیق" فِی الجَنَّةِ وَ فَرِیق" فِی السَّعِیر" (۱)

ترجمہ اور تشریح

عظیم شیعہ محدث "شیخ صدوق" اور "خطیب خوارزمی" نے نقل کیا ہے کہ "ثعلبیہ" ہی کے مقام پر ایک شخص حسین ابن علیؑ کی خدمت میں شرفیاب ہوا اور اس آیۂ کریمہ کی تفسیر دریافت کی کہ: یَوْمَ نَدْعُوا کُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ (قیامت کے دن ہم ہر قوم کو اس کے امام اور پیشوا کے ساتھ بلائیں گے۔ سورہ بنی اسرائیل ۱۷ - آیت ۷۱)۔ امام علیہ السلام نے اسکے جواب میں فرمایا:

"اِمَامٌ دَعَا اِلیٰ هُدیً..... ایک امام و پیشوا وہ ہوتا ہے جو لوگوں کو راہِ راست اور کامیابی اور سعادت کی طرف دعوت دیتا ہے۔ کچھ لوگ اس کی دعوت پر لبیک کہتے ہیں اور اس کی پیروی کرتے ہیں۔ (جبکہ) ایک اور امام

۱- امالی صدوق - مجلس ۳۰، مقتل خوارزمی - ج ۱ - ص ۲۲۱۔

اور پیشوا وہ ہے جو لوگوں کو گمراہی اور بدبختی کی طرف بلاتا ہے اور لوگوں کا ایک گروہ اس کی دعوت قبول کرتا ہے۔ ان میں سے پہلا گروہ جنت میں اور دوسرا گروہ دوزخ میں جائے گا۔))

پھر امام علیہ السلام نے فرمایا کہ یہی اس آیۂ کریمہ کی تفسیر ہے جس میں پروردگار نے فرمایا ہے: فَرِیْقٌ فِی الْجَنَّةِ وَ فَرِیْقٌ فِی السَّعِیْرِ (کچھ لوگ جنت میں اور کچھ لوگ دوزخ میں ہوں گے۔ سورۂ شوریٰ ۴۲ - آیت ۷)

رہنماؤں کی اقسام

امام حسین علیہ السلام نے اپنی اس گفتگو میں، قرآن کریم کی دو آیات کی بنیاد پر، دو متضاد گروہوں اور دو قسم کے رہبروں کا ذکر کیا ہے۔ ان دونوں میں سے ہر گروہ ایک رہبر سے وابستہ اور اسی کے افکار کی روشنی میں زندگی بسر کرتا ہے۔

انسانی زندگی میں ہمیشہ، ایسے گروہ اور ایسے رہبر رہے ہیں، اور رہیں گے۔ اب یہ ہر شخص کی اپنی ذمے داری ہے کہ وہ ان رہنماؤں کے پیش کردہ پروگراموں کی بنیاد پر انہیں پرکھے، پہچانے اور اس رہنما کی پیروی کرے جو انسانی سعادت کی سمت دعوت دیتا ہو۔

۲۸

ایک اور سوال کا جواب

«اَمَا وَاللّٰہِ لَوْ لَقِیتُکَ بِالْمَدِینَۃِ لأَرَیْتُکَ اَثَرَ جَبْرَئِیلَ فِی دَارِنَا وَ نُزُولِہِ بِالْوَحیِ علی جَدّي یَا اَخَا اَھْلِ الْکُوفَۃِ مِنْ عِنْدِنَا مُسْتَقَی الْعِلْمِ اَفَعَلِمُوا وَجَھِلْنَا؟ ھٰذَا مِمَّا لَایَکُونُ.»(۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

اَرَیْتُ ، اِرائۃ :دکھانا۔اثر جبرئیل :جبرئیل کے داخل ہونے کا مقام۔ مُسْتَقی : وہ جگہ جہاں سے پانی پیا جاتا ہے۔

ترجمہ اور تشریح

«ثعلبیہ »ہی کے مقام پر یہ امامؑ کا تیسرا کلام ہے۔کوفہ کا ایک شخص امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔دورانِ گفتگو امامؑ نے اس سے پوچھا کہ وہ کس شہر کا رہنے والا ہے۔اس نے جواب دیا کہ وہ کوفہ کا باشندہ ہے۔امامؑ نے اس سے فرمایا:

«اَمَا وَاللّٰہِ لَوْ لَقِیتُکَ بِالْمَدِینَۃِ ..... خدا کی قسم، اگر مدینہ میں ہماری

۱۔بصائر الدرجات۔ص ۱۱،اصول کافی ۔باب مستقی العلم من بیت آل محمدؐ۔

ملاقات ہوئی ہوتی، تو میں تمہیں اپنے گھر میں جبرئیل کے داخل ہونے کی جگہ اور اپنے نانا پر وحی کے نزول کا مقام دکھاتا۔(۲) اے کوفی بھائی! لوگوں نے علم کی پیاس ہمارے ہی گھرانے سے بجھائی ہے۔ پس کیسے ممکن ہے کہ ان کے پاس تو علم ہو اور ہم جاہل اور بے خبر رہیں؟ یہ نہیں ہو سکتا۔))

((بصائر الدرجات)) اور ((اصول کافی)) میں نقل ہونے والے امامؑ کے اس بیان سے ظاہر ہے کہ امامؑ نے یہ گفتگو اس کوفی کی جانب سے کئے جانے والے کسی سوال کے جواب میں فرمائی ہے۔ جہاں تک ہمارے لئے ممکن تھا ہم نے کوشش کی کہ وہ سوال بھی کہیں مل جائے تاکہ امامؑ کی یہ گفتگو بخوبی واضح اور روشن ہو جائے لیکن بدقسمتی سے ہمیں وہ سوال نہ مل سکا۔

لیکن امامؑ کے بیان کی مجموعی کیفیت اور خاص کر اس جملے سے جس میں آپؑ نے فرمایا کہ: ((پس کیسے ممکن ہے کہ ان کے پاس تو علم ہو اور ہم جاہل اور بے خبر رہیں؟)) یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ امامؑ کا مخاطب ایک بے خبر اور سادہ لوح شخص تھا جس نے دوسرے اور لوگوں کی طرح بنی امیہ کے خلاف امامؑ کے اقدام پر اعتراض کیا تھا۔ اور امام علیہ السلام نے (اسکے جواب میں) بنی امیہ کے ہاتھوں وقوع پذیر ہونے والے افسوسناک حادثات اور ان کے جرائم کو بیان کرتے ہوئے اس انحراف اور بگاڑ کا تذکرہ کیا تھا جو ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی رحلت کے بعد رہبری کے مسئلے میں اسلام میں در آیا تھا اور اس بات کا باعث بنا تھا کہ بنی امیہ (جن کی اسلام اور قرآن سے سخت دشمنی کسی سے ڈھکی چھپی نہ تھی) مسلمانوں کے حاکم اور رہنما بن بیٹھے اور پھر انہوں نے تمام مظالم اور خیانتیں، اور وہ بھی اسلام کے نام پر، انجام

۲- علامہ مجلسیؒ نے ((مرآت العقول)) میں فرمایا ہے: اثر جبرئیل سے مراد وہ جگہ ہے جہاں جبرئیل ٹھہر کر نبی اکرمؐ سے داخلے کی اجازت طلب کرتے تھے۔ یہ جگہ آج بھی مشہور ہے اور اس کے قریب واقع دروازے کو ((بابِ جبرئیل)) کہتے ہیں۔

دیں۔

البتہ وہ کوفی امامؑ کی گفتگو سے مطمئن نہیں ہوا تھا اور بعض دوسرے کوتاہ بین مسلمانوں کی طرح وہ بھی بنی امیہ کے افعال کو اسلامی تعلیمات کے مطابق سمجھتے ہوئے ان کے ظاہری اعمال جیسے نماز، روزہ اور نمازِ جمعہ و جماعت کو ان کی حقانیت کی دلیل قرار دے رہا تھا۔ یہاں تک کہ امامؑ نے اسے مطمئن کرنے کے لئے یہ آخری بات کہی۔

امامؑ کی گفتگو سے سامنے آنے والی بات

امامؑ کی اس گفتگو سے کئی نکات حاصل کئے جا سکتے ہیں، لیکن جیسا کہ پہلے وضاحت کی گئی ہے، اس گفتگو میں ایک نکتہ دوسری تمام چیزوں سے زیادہ، قابلِ توجہ ہے اور وہ نکتہ امامؑ کی اس گفتگو میں موجود ایک کلی اور عمومی قانون ہے جسے قاعدہ ‹‹اھل البیت ادریٰ بمافیه›› کا نام دیا جا سکتا ہے۔ یعنی اہل خانہ دوسروں سے زیادہ واقف ہوتے ہیں۔ یہ وہ قانون ہے جس سے نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی وفات کے بعد مسلمانوں کے درمیان پیش آنے والے اختلاف اور نزاع کے حل کے سلسلے میں استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ اسلام کے یہ دو مکاتب یعنی ‹‹شیعہ›› اور ‹‹سنّی›› بے شمار اسلامی اصول و فروع میں ایک دوسرے سے متفق اور ہم خیال ہیں، جیسے توحید، نبوت، قیامت، قرآن، قبلہ، نماز، زکات، حج اور دوسرے مسائل لیکن بعض فروعی اور اسی طرح بعض اصولی مسائل جیسے ‹‹امامت›› کے مسئلے میں یہ دونوں مکاتب اختلافِ رائے رکھتے ہیں۔ لیکن اگر تنگ نظری اور تعصب کو چھوڑ دیا جائے تو باہمی تفاہم، علمی تحقیقات اور تجزیہ و تحلیل کے ذریعے مکمل اتحاد حاصل کیا جا سکتا ہے اور ان دونوں مکاتبِ فکر کو اللہ اور اس کے رسولؐ کے پسندیدہ ایک اصل مکتب کے زیر سایہ جمع کیا جا سکتا ہے۔

لیکن ان چند اختلافی مسائل میں حق کس طرف ہے؟ ایک ایسا سوال ہے جس کے مختلف

اور متعدد عمومی اور خصوصی جوابات دیئے گئے ہیں۔ اس کا ایک عمومی ترین جواب وہی ہے جو امامؑ کے بیان سے ایک قاعدے کی صورت میں حاصل کیا جا سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ: اھل البیت ادری بما فیہ یعنی اہل خانہ گھر کے امور سے دوسروں کے مقابلے میں زیادہ باخبر ہوتے ہیں۔

شیعہ اپنے تمام عقائد، مذہبی احکام اور دین کے اصول و فروع، خاندانِ نبوت اور اہل بیتؑ کے توسط سے علوم اسلامی کے بنیادی سرچشمے پیغمبر اکرمؐ سے حاصل کرتے ہیں۔ یوں مکتب تشیع درحقیقت مکتبِ وحی اور مکتبِ اہل بیتؑ ہے، وہی اہل بیتؑ جن کا خداوند عالم نے قرآن مجید میں اس طرح تعارف کرایا ہے کہ: اِنَّمَا یُرِیْدُ اللہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا. (سورۂ احزاب ۳۳- آیت ۳۳)

لیکن ((سنی)) مکتبِ فکر نے اپنے عقائد اور احکام اس گھرانے سے حاصل نہیں کیے۔ ((شیعہ)) توحید، قیامت اور دوسرے تمام عقائد میں رسول کریمؐ اور ان کے اہل بیتؑ کی روایات پر بھروسہ کرتے ہیں۔ جبکہ اہل سنت اس سلسلے میں ابو ہریرہ اور ان جیسے دوسرے راویوں کی روایات پر تکیہ کرتے ہیں۔ شیعوں نے اپنے فقہی احکام امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ سے حاصل کیے ہیں جبکہ اہل سنت نے امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی سے۔

یہی وہ بات ہے جو ہمیں امام علیہ السلام کے اس کلام سے سمجھ میں آتی ہے، جس میں آپؑ نے فرمایا: یَا اَخَا اَھْلِ الْکُوفَۃِ مِنْ عِنْدِنَا مُسْتَقَی الْعِلْمِ اَفَعَلِمُوا وَ جَھِلْنَا؟ ھٰذَا مِمَّا لَا یَکُوْنُ..... (اے کوفی بھائی! لوگوں نے علم کی پیاس ہمارے ہی گھرانے سے بجھائی ہے۔ پس کیونکر ممکن ہے کہ ان کے پاس تو علم ہو اور ہم جاہل اور بے خبر رہیں۔)

۲۹

شقوق کے مقام پر

«اِنّ الأمْرَ للهِ يَفْعَلُ ما يَشاءُ وَرَبُّنا تَبارَکَ هُوَ کُلَّ يَوْمٍ فِي شأنٍ

فَإنْ تَكُنِ الدُّنْيا تُعَدُّ نفيسةً ۔۔۔ فَدار ثَوابِ اللهِ اَعْلا وَاَنْبَلُ

وَإنْ تكُنِ الأمْوالُ لِلتَّرْكِ جَمْعُها ۔۔۔ فَما بالُ مَتْروكٍ بِهِ الْمَرْءُ يَبْخَلُ

وَإنْ تَكُنِ الأرْزاقُ قِسماً مُقَسَّماً ۔۔۔ فَقِلَّةُ حِرْصِ الْمَرْءِ فِي الْكَسْبِ اَجْمَلُ

وَإنْ تكُنِ الْأبْدانُ لِلْمَوْتِ اُنْشأتْ ۔۔۔ فَقَتْلُ اِمرىءٍ بِالسَّيْفِ فِي اللهِ افضلُ

عَلَيْكُمْ سَلامُ اللهِ يا آلَ اَحْمَدَ ۔۔۔ فَإنِّي اَراني عَنْكُمْ سَوْفَ اَرْحَلُ (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

نَفیس اور نفیسہ: قیمتی۔ اَنْبَل: افضل۔ بال: حالت۔

ترجمہ اور تشریح

جوں جوں حسین ابن علیؑ عراق سے نزدیک ہو رہے تھے، ہر روز عراق اور کوفہ سے تعلق رکھنے والے متعدد افراد سرِ راہ امامؑ کو ملتے تھے۔ جب آپؑ «ثعلبیہ» سے آگے بڑھ کر

۱۔ ابن عساکر۔ ص ۱۶۴، مقتل خوارزمی۔ ج ۱۔ ص ۲۲۳، مناقب۔ ج ۴۔ ص ۹۵۔

((شقوق)) کے مقام پر پہنچے تو کوفہ سے آنے والے ایک شخص سے آپؑ کی ملاقات ہوئی۔ آپؑ نے اس سے کوفہ کے حالات اور اہل کوفہ کے افکار و خیالات کے بارے میں سوال کیا۔

اس شخص نے عرض کیا: اے فرزند رسولؐ! اہل عراق آپؑ کے خلاف متحد اور ہم آواز ہو چکے ہیں اور انہوں نے آپؑ کے خلاف جنگ کے لئے آپس میں گٹھ جوڑ کر لیا ہے۔

اس کے جواب میں امام علیہ السلام نے فرمایا:

((اِنّ الأمْرَ لله یَفْعَلُ ما یَشاءُ ..... یقیناً جو کچھ بھی پیش آتا ہے، وہ سب اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ وہ جو چاہتا ہے انجام دیتا ہے اور ہر روز اس کا ایک خاص ارادہ ہوتا ہے۔))

اس کے بعد امامؑ نے وہ اشعار پڑھے جو اوپر درج کئے گئے ہیں۔ ان اشعار کا ترجمہ یوں ہے:

((اگر چہ بعض لوگوں کے لئے یہ دنیا انتہائی قیمتی ہے لیکن اللہ کا دارِ ثواب اس سے زیادہ قیمتی اور گرانبہا ہے۔ اور اگر جمع شدہ مال و دولت کو چھوڑ ہی جانا ہے، تو پھر انسان کا اس کے بارے میں بخل کرنا صحیح نہیں۔ اور اگر رزق اور روزی مقدر ہے اور تقسیم کر دی گئی ہے، تو پھر انسان دولت کے حصول کے لئے جتنی کم طمع کرے اتنا ہی بہتر ہے۔ اور اگر بدن بنائے ہی اس لئے گئے ہیں کہ انہیں موت آئے، تو پھر اللہ کی راہ میں تلوار سے مارے جانا ہی افضل ہے۔ اے خاندان محمدؐ! آپ پر میرا سلام ہو کیونکہ میں محسوس کر رہا ہوں کہ جلد ہی آپ سے رخصت ہو جاؤں گا۔))

آہنی ارادہ

کسی بھی تحریک اور جد و جہد کی کامیابی کی ایک شرط، بالخصوص اسکے رہنما میں پائی جانے

والی شرائط میں سے ایک اہم ترین شرط یہ ہے کہ وہ ناگوار حوادث اور اپنے مقاصد کے راستے میں پیش آنے والی رکاوٹوں کے سامنے ہمت نہ ہارے، اپنے ارادوں سے پلٹ نہ جائے اور کمزوری اور سستی کا مظاہرہ نہ کرے۔

امام حسین علیہ السلام کے مذکورہ کلام میں یہ موضوع بہت روشن اور واضح دکھائی دیتا ہے کہ جب کوئی شخص امامؑ کو تلخ اور غیر متوقع صورتحال سے مطلع کرتا ہے، بتاتا ہے کہ اہل کوفہ یعنی امامؑ کے قوتِ بازو، حامی و ناصراب ان کے خلاف متحد ہو گئے ہیں، تو امامؑ یہ سن کر نہ صرف کسی کمزوری اور کم ہمتی کا اظہار نہیں کرتے، اپنے راستے پر گامزن رہتے ہیں بلکہ دنیا اور مال دنیا کی بے وقعتی کے بارے میں اشعار پڑھ کر خود کو اور اپنے اصحاب کو پہلے سے زیادہ پختہ اور مستحکم بناتے ہیں اور یہی وہ درسِ شجاعت واستقامت ہے جو امام حسین علیہ السلام نے انسانیت کو دیا۔

۳۰

زبالہ کے مقام پر

"بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ اَمّا بَعْدُ فانَّهُ قَدْ اَتَانَا خَبَرٌ فَظِيعٌ قَتْلُ مُسْلِمِ بْنِ عَقِيلٍ وَهَانِي بن عُرْوَةٍ وَ عَبدِاللّٰه بْنِ يَقْطُرٍ وَقَدْ خَذَلَتْنَا شيعَتُنَا فَمَنْ اَحَبَّ مِنْكُمُ الإنْصِرافَ فَلْيَنْصَرِفْ لَيْسَ عَلَيْهِ مِنّا ذِمَامٌ." (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

فَظِيعٌ : ناگوار۔ خَذَلَهُ: مدد سے دستبردار ہو جانا۔ اِنْصِراف: پلٹ جانا۔ ذِمَامٌ": حق، معاہدہ۔

ترجمہ اور تشریح

امامؑ کا قافلہ "شقوق" کے بعد "زبالہ" کے مقام پر پہنچا۔ یہی وہ مقام ہے جہاں امامؑ کو ایک خط کے ذریعے (جو کوفہ سے آپؑ کے کسی حامی نے آپؑ کو ارسال کیا تھا) حضرت مسلم ابن عقیل، ہانی ابن عروہ اور عبداللہ ابن یقطر (۲) کی شہادت کی باقاعدہ خبر موصول ہوئی۔

۱- تاریخ طبری-ج ۷-ص ۲۹۴، ارشادِ مفید-ص ۲۲۳۔

۲- ابن حجر نے کتاب "اصابہ" میں عبداللہ ابن یقطر کے مارے جانے کا واقعہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

جس وقت امامؑ نے مذکورہ گفتگو ارشاد فرمائی، اس وقت آپؑ اپنے اصحاب کے درمیان تشریف فرما تھے، اور وہ خط آپؑ کے دستِ مبارک میں تھا۔ آپؑ نے فرمایا:

((اَمّا بَعۡدُ، فانَّہُ قَدۡ اَتانا خَبَرٌ فَظیعٌ..... ایک نہایت افسوس ناک خبر ہمیں ملی ہے اور وہ مسلم ابن عقیل، ہانی ابن عروہ اور عبداللہ ابن یقطر کی شہادت کی خبر ہے۔ ہمارے دوستوں نے ہماری مدد ترک کر دی ہے۔ اب تم میں سے جو بھی واپس جانا چاہے وہ آزاد ہے اور ہماری طرف سے اس پر کوئی حق نہیں ہے۔))

صاف گوئی

دینی اور مذہبی رہنماؤں اور عام سیاسی لیڈروں کے درمیان ایک بنیادی اور واضح فرق یہ ہوتا ہے کہ دینی رہنما سچے اور صاف گو ہوتے ہیں، حقائق کو کھل کر بیان کر دیتے ہیں۔ ایک دینی رہنما اپنے ایمان اور عقیدے پر بھروسہ کرتے ہوئے اہم امور و معاملات کے بارے میں

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ) مختصر طور پر یوں بیان کیا ہے: امامؑ نے مکہ سے روانگی کے بعد عبداللہ ابن یقطر کو مسلم بن عقیل کے نام ایک خط دے کر روانہ کیا۔ عبداللہ قادسیہ کے مقام پر حصین بن نمیر کے ہاتھوں گرفتار ہوئے اور انہیں کوفہ میں عبیداللہ ابن زیاد کے پاس بھیج دیا گیا۔ ابن زیاد نے انہیں حکم دیا کہ وہ منبر پر جائیں اور امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ اور حسین ابن علیؑ پر تنقید کریں اور انہیں برا بھلا کہیں، لیکن اس کے برخلاف عبداللہ ابن یقطر نے منبر پر جا کے بنی امیہ کی مذمت اور خاندان علی ابن ابی طالبؑ کی تعریف و تمجید کرتے ہوئے کہا: ((اے لوگو! میں فرزند فاطمہ حسینؑ کا قاصد ہوں اور تمہارے پاس اس لئے آیا ہوں کہ تم لوگ ان کی نصرت وحمایت کرتے ہوئے ابن مرجانہ کے خلاف اٹھ کھڑے ہو))۔ ابن زیاد کے حکم سے انہیں ہاتھ باندھ کر دارالامارہ کی چھت سے نیچے پھینک دیا گیا۔ جس سے ان کی ہڈیاں چورہ چورہ ہوگئیں۔ ابھی ان کے بدن میں کچھ جان باقی تھی کہ عبدالملک بن عمیر نامی ایک شخص آگے بڑھا اور ان کا سر تن سے جدا کر دیا۔ جب لوگوں نے اس عمل پر اس کی مذمت کی تو اس نے جواب دیا کہ مجھ سے ان کی تکلیف دیکھی نہ گئی، لہٰذا میں نے چاہا کہ انہیں اس تکلیف سے نجات دلا دوں۔

اپنے ماننے والوں اور اپنی قوم سے خطاب کرتے ہوئے صداقت اور صراحت سے کام لیتا ہے، چاہے اس کے نتیجے میں اسے نقصان ہی کیوں نہ اٹھانا پڑے۔ اسکی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ان رہنماؤں کا اوّلین مقصد لوگوں کے دلوں کو ایمان کے نور سے منور کرنا ہے۔ ان کی تمام سرگرمیاں اور کوششیں اسی مقصد کی تمہید ہوا کرتی ہیں اور اس مقصد کا حصول حقائق کی پردہ پوشی، دھوکہ دہی اور فریب کاری کے ذریعے ممکن نہیں، جو آج کے سیاستدانوں میں رائج اور ان کا معمول ہے، جو افراد اور ماحول کو دیکھتے ہوئے اپنا ظاہر تبدیل کرتے رہتے ہیں۔

اس صفا و اخلاص، وفا و صداقت کا مشاہدہ تمام دینی رہنماؤں میں، خاص کر نبی اکرمؐ میں جو ساری دنیا کے لیے نمونۂ عمل کی حیثیت رکھتے ہیں، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تمام جنگوں میں اور آنحضرت کی پوری حیاتِ طیبہ میں بخوبی کیا جا سکتا ہے۔ امام حریت حسین ابن علیؑ بھی نہ صرف اس قاعدے اور قانون سے مستثنیٰ نہیں بلکہ اس اعتبار سے بھی دوسرے مذہبی رہنماؤں کے لیے ایک اصول اور اسوۂ عمل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ آپؑ نے مدینہ سے کربلا تک سفر کے دوران مستقبل میں جو کچھ ہوتا محسوس کیا اس سے مختلف مواقع پر اور مختلف مناسبتوں سے اپنے اصحاب کو مطلع کیا۔ مثال کے طور پر آپؑ مکہ سے روانگی کے موقع پر تقریر کے دوران اور اسی طرح عبداللہ ابن عباس، عبداللہ ابن زبیر، عبداللہ ابن عمر اور محمد ابن حنفیہ سے گفتگو کے ضمن میں اپنے اصحاب کو آئندہ کے حالات سے باخبر کرتے رہے۔ یہاں تک کہ جب آپؑ کو اپنے ایک مخلص کی طرف سے ایک خط کے ذریعے، کوفہ میں اپنے تین باوفا ترین اصحاب کی شہادت کی خبر پہنچتی ہے، تو مزید زور دینے کی خاطر خط کو ہاتھ میں تھام کر سب کے سامنے یہ خط پڑھتے ہیں۔

امامؑ کی اس پیشکش کا سبب اور نتیجہ

مشہور مورخ ((طبری)) اور انتہائی عالی مرتبت شیعہ عالم ((شیخ مفید)) نے امام حسینؑ کے

اس بیان کو نقل کرنے کے بعد امامؑ کی اس پیشکش کے سبب اور نتیجے کے بارے میں تقریباً ایک ہی جیسی وضاحت کی ہے۔ اس سلسلے میں ((طبری)) نے امامؑ کی پیشکش کے سبب کے بارے میں جو تحریر کیا ہے اس کا ترجمہ یہ ہے: امامؑ جانتے تھے کہ وہ لوگ جو راستے میں آپؑ سے ملحق ہوئے ہیں، ان کی توقع یہ ہے کہ امامؑ ایک ایسے شہر کی طرف جا رہے ہیں جس کے لوگ ان کے مطیع اور فرمانبردار ہیں۔ اور کیونکہ امامؑ نہ یہ چاہتے تھے اور نہ پسند کرتے تھے کہ یہ لوگ حالات سے بے خبر رہتے ہوئے آپؑ کے ساتھ رہیں، نیز آپؑ اس بات کو بھی جانتے تھے کہ اگر ان لوگوں کو حقیقتِ حال کا علم ہوگا تو وہ ان کا ساتھ چھوڑ دیں گے (سوائے ان چند افراد کے جو تا دمِ مرگ امامؑ کی نصرت کا سچا عزم رکھتے تھے)۔ لہٰذا امامؑ نے انہیں یہ پیشکش کی اور ان کے سامنے اس خط کا مضمون پڑھا۔

((طبری)) نے اس پیشکش کے نتیجے کے بارے میں بھی یہ تحریر کیا ہے کہ: امامؑ کے اس خطاب کے بعد آپؑ کے ساتھ آنے والے لوگوں کی ایک بڑی تعداد ٹکڑیوں کی صورت میں اِدھر اُدھر منتشر ہوگئی اور وہ مختلف سمتوں میں روانہ ہوگئے، اور آپؑ کے ہمراہ صرف وہ چند خاص اصحاب رہ گئے جو مدینہ سے آپؑ کے ساتھ آئے تھے.... اور یہی بات طبقاتِ ابن سعد میں بھی تحریر ہے۔

لیکن جیسا کہ ہم نے پہلے اشارہ کیا، حسین ابن علیؑ کی طرف سے یہ پیشکش صرف ایک مرتبہ اور صرف کسی ایک مقام پر نہیں کی گئی بلکہ بارہا، مختلف مناسبتوں اور مواقع پر اس کا اظہار کیا گیا تھا۔ ((زبالہ)) کے مقام پر اس پیشکش اور جانے کی اجازت دینے کے بعد جبکہ چند انتہائی باوفا، مخلص اور جانثار ساتھیوں کے سوا سب چلے گئے، تو امامؑ ((بطن عقبہ)) کے مقام پر ایک مرتبہ پھر زیادہ واضح الفاظ میں اس پیشکش کا اعادہ کرتے ہیں۔ اس پیشکش کا ذکر قارئین آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

۳۱

بطن عقبہ کے مقام پر

«مَا اَرٰانی اِلاّ مَقْتولاً فَاِنّی رَأیتُ فِی الْمَنٰامِ کِلاٰباً تنهشنی وَاَشَدُّهٰا عَلَیَّ کَلْبٌ اَبْقَعُ....

...یٰا عَبْدَاللّٰه لَیسَ یَخفیٰ عَلَیَّ الرَّاْیُ وَاَنَّ اللّٰه لاٰ یُغْلَبُ عَلیٰ اَمْرِهِ (۱) اِنَّهُمْ لَنْ یَدَعُونی حَتّی یَسْتَخْرِجُوا هٰذِهِ الْعَلَقَةَ مِنْ جوْفی فَاِذٰا فَعلُوا ذٰلِکَ سَلَّط اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مَنْ یُذِلُّهُمْ حَتّی یَکُونُوا اَذَلَّ فِرَقِ الاُمَمِ» (۲).

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

مَنٰام: خواب۔ کِلاٰبٌ (کلب کی جمع): کتے ۔ تَنْهَشنی (نهش سے): دانتوں سے کاٹنا۔ اَبْقَعُ: خاکستری رنگ، سیاہ اور سفید دھبوں والا۔ عَلَقَه: خون کا لوتھڑا (اسے نکالنا ایک کنایہ ہے جس کے معنی کسی شخص کو قتل کرنا ہے۔)

ترجمہ اور تشریح

امام حسینؑ کا قافلہ «زبالہ» سے روانہ ہونے کے بعد، ایک دوسرے مقام «بطن عقبہ»

۱- کامل الزیارات - ص ۷۵، تاریخ طبری - ج ۷ - ص ۲۹۴۔

۲- ارشادِ مفید - ص ۲۲۳، ابن عساکر - ص ۲۱۱۔

پر پہنچا۔

((ابن قولویہ)) نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے اور دیگر محدثین اور مورخین نے بھی ذکر کیا ہے کہ اس مقام پر امام حسینؑ نے ایک خواب دیکھا جس کی مناسبت سے اپنے اصحاب وانصار سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

((مَا اَرٰانِی اِلاّ مَقْتولاً ..... مجھے اپنے قتل کے آثار کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ کیونکہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ کئی کتے مجھے کاٹ رہے ہیں اور ان میں سب سے زیادہ شدید ایک سیاہ اور سفید (خاکستری) رنگت والا کتا ہے۔))

کتاب الارشاد میں شیخ مفید علیہ الرحمہ نے نقل کیا ہے کہ اس موقع پر قبیلۂ عکرمہ سے تعلق رکھنے والے ((عمرو بن لوذان)) نامی ایک بوڑھے شخص نے، جو اسی مقام پر امام حسینؑ کے قافلے سے ملا تھا، امامؑ کو مخاطب کر کے سوال کیا: آپؑ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟ امامؑ نے فرمایا: کوفہ۔ ((عمرو بن لوذان)) نے کہا: میں آپؑ کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ آپؑ یہیں سے پلٹ جایئے، کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ اس سفر میں آپؑ کو صرف تلوار اور نیزے ہی ملیں گے۔ جن لوگوں نے آپؑ کو دعوت دی ہے، اگر وہ جنگ و جدال کی روک تھام کر سکیں اور ہر طرح سے تیار ہوں، تب آپؑ کے ان کی طرف جانے میں کوئی مضائقہ نہیں، لیکن اس صورتحال میں جس کی آپؑ خود بھی پیش گوئی فرما رہے ہیں، آپؑ کا وہاں جانا میں کسی بھی صورت میں مناسب نہیں سمجھتا۔

امامؑ نے اس کے جواب میں فرمایا:

((...یٰا عَبْدَاللہ لَیسَ یَخفیٰ عَلَیَّ الرَّاْیُ ... اے بندۂ خدا! جو بات تم محسوس کر رہے ہو وہ مجھ سے بھی پوشیدہ نہیں ہے۔ لیکن اللہ کے حکم کو تبدیل

نہیں کیا جاسکتا۔))

امامؑ نے مزید فرمایا:

((اِنَّهُمْ لَنْ يَدَعُونِی ..... یہ میرا خون بہائے بغیر مجھے نہیں چھوڑیں گے اور جب یہ لوگ یہ کام کر گزریں گے تو خدا ان پر ایک ایسے شخص کو مسلط کرے گا جو انہیں انتہائی ذلیل وخوار کر ڈالے گا۔ یہاں تک کہ انہیں تمام قوموں سے زیادہ ذلیل ترین بنا دے گا۔))

۳۲

شراف کے مقام پر نمازِ ظہر کے بعد امامؑ کا خطاب

«اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّهَا مَعْذِرَةٌ اِلَى اللهِ وَاِلَيْكُمْ وَاِنِّي لَمْ آتِكُمْ حَتّى اَتَتْنِي كُتُبُكُمْ وَقَدِمَتْ بِهَا رُسُلُكُم اَنْ اَقْدِم عَلَيْنَا فَاِنَّهُ لَيْسَ لَنَا اِمَامٌ وَلَعَلَّ اللهَ اَنْ يَجْمَعَنَا بِكَ عَلَى الْهُدٰى فَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى ذٰلِكَ فَقَدْ جِئْتُكُم فَاَعْطُونِي مَا اَطْمَئِنُّ بِهِ مِنْ عُهُودِكُم وَ مُوَاثِيقِكُمْ وَاِنْ كُنْتُمْ لِمَقْدَمِي كَارِهِينَ اَنْصَرِفُ عَنْكُمْ اِلَى الْمَكَانِ الَّذِي جِئْتُ مِنْهُ اِلَيْكُمْ.» (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

مَعْذِرَةٌ: حجت اور دلیل بیان کرنا۔ عُهُود وَمَوَاثِيق: (عَهد و میثاق کی جمع): معاہدے۔

۱۔ تاریخ طبری۔ ج ۷۔ ص ۲۹۷ اور ۲۹۸، تاریخ کامل ابن اثیر۔ ج ۳۔ ص ۲۸۰، ارشادِ مفید۔ ص ۲۲۴ اور ۲۲۵، مقتلِ خوارزمی۔ ص ۲۳۱ اور ۲۳۲۔

ترجمہ اور تشریح

حسینی کارواں ((بطن عقبہ)) سے گزرنے کے بعد ((شراف)) نامی مقام پر پہنچا۔ امامؑ کی یہاں تشریف آوری کے بعد ((حر ابن یزید ریاحی)) ایک ہزار سپاہیوں پر مشتمل لشکر کے ہمراہ اسی مقام پر پہنچے۔ ((حر)) اس لشکر کے سردار تھے اور انہیں یہ ذمے داری سونپی گئی تھی کہ وہ امامؑ کو کوفہ کی سمت بڑھنے نہ دیں۔ اس مقام پر امامؑ نے دو مختصر تقریروں کے ذریعے لشکرِ حر کے سامنے اپنے مقام و منزلت کا ذکر کیا، بنی امیہ کے کردار کی وضاحت کی اور اپنے سفر کے سبب کو بیانؑ کیا۔

فرزندِ فاطمہؑ کی نرم دلی

ان دو تقریروں کے ترجمے اور تشریح سے پہلے تاریخوں میں درج، امامؑ اور ((حر)) کی ملاقات کے احوال اور اس دوران ((حر)) اور اس کے سپاہیوں کے ساتھ امامؑ کے اس طرزِ عمل پر نگاہ ڈالیں گے جو فرزند فاطمہؑ کی رحم دلی اور شفقت و مہربانی کا عکاس ہونے کے ساتھ ساتھ دنیا بھر کے قائدین اور تحریکوں اور انقلابات کے رہنماؤں کے لئے ایک درس کی حیثیت رکھتا ہے۔

امامؑ نے ((شراف)) کے مقام پر پہنچنے کے بعد اپنے قافلے میں موجود جوانوں کو حکم دیا کہ وہ صبح طلوع ہونے سے پہلے فرات سے معمول کے برخلاف ضرورت سے زیادہ پانی خیموں میں لے آئیں۔ اسی دن ظہر سے پہلے شدید گرمی میں حر ابن یزید ریاحی ایک ہزار سپاہیوں کی قیادت کرتے ہوئے شراف پہنچے۔ جب امام حسینؑ نے راستے کے گرد و غبار میں اٹے ہوئے، بھاری اسلحوں کے بوجھ سے تھکے ماندے ہونے کے ساتھ ساتھ پیاس کی شدت سے نڈھال حر کے سپاہیوں کو دیکھا تو اپنے اصحاب و انصار کو حکم دیا کہ وہ ان سپاہیوں اور ان کے گھوڑوں کو سیراب کریں اور چل کر آئی ہوئی سواریوں پر حسبِ دستور پانی چھڑکیں۔

اصحاب نے آپؑ کے حکم کی تعمیل کی اور ان میں سے کچھ ((حر)) کے سپاہیوں کو پانی

پلانے میں مشغول ہو گئے' کچھ نے پانی کے برتن بھر کے جانوروں کے سامنے رکھ دیئے' اور کچھ افرادسواری کے جانوروں پر پانی چھڑکنے لگے۔

((حر)) کے سپاہیوں میں سے ایک شخص ((علی بن طعان محاربی)) کہتا ہے: شدید پیاس اور تھکاوٹ کی وجہ سے میں اپنے لشکر کے تمام سپاہیوں کے بعد شراف کے مقام پر اس جگہ پہنچا جہاں لشکر ٹھہرے ہوئے تھے۔ اس وقت کیونکہ امامؑ کے تمام اصحاب سپاہیوں کو پانی پلانے میں مشغول تھے اس لئے کوئی میری طرف متوجہ نہ ہوا۔ اسی دوران خیموں کی طرف سے ایک جاذبِ نظر اور پروقار شخص میری طرف متوجہ ہوا' مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ وہ حسین ابن علیؑ تھے۔ آپؑ پانی کی مشک اٹھائے ہوئے میری مدد کے لئے آگے بڑھے اور نزدیک پہنچ کر فرمایا: اَنخ الرّاوِیَة (اونٹ کو بٹھاؤ)۔

((ابن طعان)) کہتا ہے کہ میں حجاز کی زبان سے نا آشنا ہونے کی وجہ سے ان کا مطلب نہ سمجھ سکا۔ لہٰذا آپؑ نے فرمایا: اَنِخ الْجَمَلَ (اونٹ کو بٹھاؤ)۔ اب بات میری سمجھ میں آئی اور میں نے اپنی سواری کو بٹھایا اور پانی پر ٹوٹ پڑا۔ لیکن شدید پیاس اور گھبراہٹ کی وجہ سے پانی میرے سر اور چہرے پر بہہ رہا تھا اور میں صحیح طرح پانی نہیں پی پا رہا تھا۔ (یہ حالت دیکھ کر) امامؑ نے فرمایا: اِخنِثِ السَّقاءَ (مشکیزے کو دباؤ)۔ میں پھر ان کی بات نہیں سمجھ پایا۔ امامؑ جو ایک ہاتھ سے مشکیزے کو تھامے ہوئے تھے' انہوں نے دوسرے ہاتھ سے اس کے منہ کو پکڑا' یہاں تک کہ میں نے بغیر کسی زحمت کے آسانی سے اپنی پیاس بجھائی۔

نمازِ باجماعت

اس پر خلوص استقبال' مہمان نوازی اور کچھ دیر آرام کے بعد ظہر کی نماز کا وقت ہو گیا۔ امامؑ نے اپنے خاص مؤذن ((حجاج بن مسروق)) سے فرمایا: اَذِّنْ یَرحَمُکَ اللهُ وَاَقِمِ لِلصَّلٰوۃِ نُصَلِّی (خدا تم پر رحمت کرے اذان اور اقامت کہو تا کہ ہم نماز پڑھیں)۔ حجاج

اذان دینے میں مشغول ہو گئے۔ امامؑ نے ((حر)) سے پوچھا: کیا تم ہمارے ساتھ ہی نماز پڑھو گے یا علیحدہ اپنے سپاہیوں کے ساتھ؟ ((حر)) نے جواب دیا: نہیں، ہم آپؑ ہی کے ساتھ باجماعت نماز ادا کریں گے۔

امامؑ نے اقتدا کی اور آپؑ کے اصحاب، ((حر)) اور ان کے سپاہی امامؑ کے پیچھے کھڑے ہوئے اور سب نے مل کر آپؑ کے ساتھ نمازِ ظہر ادا کی۔

امامؑ کا خطاب

نماز سے فارغ ہونے کے بعد، حسین ابن علیؑ نے، جو اپنی تلوار پر ٹیک لگائے ہوئے تھے، اور آپؑ کے پیروں میں نعلین تھی اور آپؑ نے سادہ عربی لباس زیبِ تن کیا ہوا تھا، لوگوں کی طرف رخ کیا اور ان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

((اَیُّھَا النَاسُ اِنَّھَا مَعْذِرَۃٌ اِلَی اللهِ وَاِلَیْکُمْ ..... اے لوگو! میرا یہ خطاب درحقیقت تمہارے لئے اتمامِ حجت اور اللہ کے حضور اپنی ذمے داری کی ادائیگی کے لئے ہے۔ میں خود سے تمہاری طرف نہیں آیا، بلکہ میں نے تمہاری طرف آنے کا ارادہ اس وقت کیا جب تمہارے خطوط مجھ تک پہنچے اور تمہارے قاصدوں نے پیغام پہنچائے کہ ہمارا کوئی رہبر اور امام نہیں ہے، آپ آئیے تاکہ خداوند عالم آپ کے ذریعے ہمیں ہدایت اور راہِ راست پر جمع کر دے۔ اگر تم اپنی ان دعوتوں پر باقی ہو تو میں یہاں آچکا ہوں۔ اب تمہارا کام ہے کہ اپنے عہد و پیمان کو مضبوط کرو اور اپنی مدد و نصرت کے ذریعے مجھے مزید مطمئن کرو، لیکن اگر تم میرے آنے سے ناخوش ہو، تو میں وہیں واپس چلا جاؤں گا جہاں سے تمہاری خاطر آیا تھا۔))

((حر)) کے سپاہی، امامؑ کی یہ گفتگو سننے کے بعد خاموش رہے اور ان کی طرف سے کوئی

مثبت یا منفی جواب نہیں دیا گیا۔

اس طرح امامؑ کی اس گفتگو پر نمازِ ظہر کا اختتام ہوا' یہاں تک کہ عصر کا وقت آ پہنچا اور نمازِ عصر بھی امام حسینؑ کے اصحاب' حر اور ان کے سپاہیوں نے امامؑ کی اقتدا میں ادا کی۔ اس نماز کے بعد ایک مرتبہ پھر امامؑ نے خطاب فرمایا جسے آپ آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

۳۳

شراف کے مقام پر نمازِ عصر کے بعد امامؑ کا خطاب

،،اَمّـا بَـعْـدُ، اَيُّها الناسُ فَاِنَّكُمْ اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ وَ تَعْرِفُوا الْحَقَّ لَاهْلِهِ يَكُنْ اَرْضىٰ لِلّٰهِ وَنَحْن اَهْلُ بَيْتِ مُحَمَّدٍ (ص) اَوْلىٰ بِوَلَايَةِ هٰذا الأَمْرِ مِنْ هٰؤُلاءِ الْمُدَّعِينَ مٰا لَيْسَ لَهُمْ وَالسَّائِرِينَ بِالْجَورِ وَالْعُدْوانِ وَاِنْ اَبَيْتُمْ اِلاّ الْكَرٰاهَةَ لَنٰا وَالْجَهْلَ بِحَقِّنٰا وَكٰانَ رَأْيُكُمُ الآنَ غَيْرَ مٰا اَتَتْنِى بِهِ كُتُبُكُمْ اُنْصَرِفُ عَنْكُمْ.،،

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

السائرینَ بالجور وَالعُدوان: لوگوں کے ساتھ دشمنی اور ظلم سے پیش آنے والے (عربی میں کہتے ہیں: سٰارَ السُّنَّة اور سٰارَ بِالسُّنَّة: اس نے اس طریقے پر عمل کیا)۔اَبَیْتُمْ (اَبىٰ 'یا بىٰ' اِباٰء کے مادہ سے): یعنی منع کیا۔

ترجمہ اور تشریح

جیسا کہ آپ نے گزشتہ صفحات میں ملاحظہ فرمایا ((شراف)) کے مقام پر ((حر ابن یزید ریاحی)) کے لشکر سے جو ابن زیاد کی طرف سے بھیجا گیا پہلا لشکر تھا، امامؑ کا سامنا ہوا۔ ظہر کی نماز

اور امامؑ کی تقریر کے بعد نمازِ عصر بھی دونوں لشکروں نے امامؑ کی اقتدا میں باجماعت ادا کی۔
اس کے بعد امامؑ نے ((حر)) کے لشکر سے اپنا دوسرا خطاب ان الفاظ میں فرمایا:

((اَيُّهَا النَّاسُ فَاِنَّكُمْ..... اے لوگو! اگر خدا سے ڈرو اور حق کو اہل حق کے لئے قبول کرو تو (تمہارا یہ عمل) اللہ کی خوشنودی کا باعث ہوگا۔ ہم نبی اکرم حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اہل بیت، ولایت اور رہبری کے لئے ان لوگوں (بنی امیہ) سے بہتر ہیں جو ایسی چیز کے دعویدار ہیں جس کا انہیں حق نہیں ہے۔ انہوں نے ظلم وستم اور اللہ کی دشمنی کا راستہ اپنایا ہوا ہے۔ اب اگر تمہیں انکار ہے، ہم سے منہ موڑنا چاہتے ہو، ہمارے حق سے غفلت کرنا چاہتے ہو اور اب اگر تمہاری رائے وہ نہیں ہے جسے تم نے خطوط میں لکھا تھا تو میں یہیں سے واپس چلا جاؤں گا۔))

امامؑ کی تقریر ختم ہونے پر ((حر)) نے کہا کہ ہمیں ایسے خطوط کا کوئی علم نہیں۔ امامؑ نے ((عقبۃ بن سمعان)) کو حکم دیا، جس پر وہ دو تھیلے اٹھا لائے جو اہلِ کوفہ کے خطوط سے بھرے ہوئے تھے۔ اس کے باوجود ((حر)) نے ان خطوط سے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔ اس موقع پر امامؑ اور ((حر)) کے درمیان کچھ گفتگو ہوئی جسے آپ آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

خطاب میں موجود تین اہم نکات

امامؑ نے اپنے اس خطاب میں تین انتہائی اہم اور قابلِ توجہ نکات کی جانب اشارہ کیا ہے۔

۱۔ اہل بیتؑ اور خاندانِ نبوت کا تعارف اور ان کی پاکیزگی، تقدس اور عظمت کا ذکر، جس کے سبب اللہ تعالیٰ نے امت کی رہبری اور سرپرستی کا منصب ان کے سپرد کیا۔

۲۔ اپنے دشمنوں کا تعارف جو ظالم' ستمگر اور فاسد افراد تھے۔ جنہوں نے ظلم وجور اور طاقت کے بل بوتے پر مسلمانوں کی حاکمیت کو ناحق اپنے ہاتھوں میں لیا ہوا ہے۔

۳۔ اور تیسرا وہ نکتہ ہے جس کا ذکر دونوں تقریروں میں ہوا ہے اور وہ یہ کہ امامؑ نے کوفہ کی طرف آنے کی اصل وجہ کو صاف صاف الفاظ میں بیان فرمایا اور واضح کیا ہے کہ اس سفر کی وجہ اہل کوفہ کی طرف سے ارسال کئے جانے والے خطوط اور ان ہی کی خواہش ہے' وہ خود سے اور بغیر کسی دعوت کے کوفہ کی سمت نہیں آئے ہیں۔ اب اگر دعوت دینے والے اہلِ کوفہ (جن میں سے کچھ افراد اس وقت بھی وہاں موجود تھے) اپنی دعوت پر باقی نہیں رہے ہیں اور ان کا ارادہ بدل گیا ہے تو امامؑ بھی تیار ہیں کہ جس راستے سے آئے ہیں اسی سے واپس پلٹ جائیں۔

البتہ یہ بات ذہن نشین رہے کہ یہاں امامؑ نے خطوط اور دعوت کو کوفہ کی طرف آنے کا سبب قرار دیا ہے' یزید کے خلاف اپنی جدوجہد کی وجہ اور محرک نہیں۔

کیا امامؑ مدینہ تشریف لے جاتے؟

یہاں یہ سوال پیش آتا ہے کہ اگر اہلِ کوفہ (جو اس وقت ''حر'' کے لشکر کی صورت میں وہاں موجود تھے) امامؑ کو جانے دیتے تو کیا آپؑ مدینہ واپس تشریف لے جاتے اور اپنی جدوجہد ترک کر دیتے؟

اس سوال کا جواب امامؑ کے اپنے الفاظ سے حاصل کیا جا سکتا ہے' خاص طور پر انہی خطبوں کے ذریعے جو آپؑ نے ''شراف'' کے مقام پر ارشاد فرمائے۔ ان دو خطبات کے انداز سے بالکل واضح ہے کہ یہ تقاریر اتمامِ حجت کا پہلو لئے ہوئے تھیں اور امامؑ چاہتے تھے کہ اہلِ کوفہ کے لئے کوئی عذر اور بہانہ باقی نہ رہے۔ امامؑ نے وضاحت کے ساتھ اس حقیقت کو یوں بیان فرمایا: اِنَّھَا مَعْذِرَۃٌ اِلَی اللہِ وَاِلَیْکُمْ (میرا یہ خطاب درحقیقت تمہارے لئے اتمامِ حجت اور اللہ کے حضور اپنی ذمے داری کی ادائیگی کے لئے ہے۔)

اس گفتگو کے ذریعے امامؑ حاضرین کو سمجھانا چاہتے تھے کہ ان کا کوفہ کی طرف آنا' اس شہر یا اس کے شہریوں کے خلاف کسی حملے کی غرض سے نہیں ہے۔ اور اگر اموی اہل کاروں نے فضا کو زہریلا بنانے کے لئے ایسا پروپیگنڈا کیا ہے تو یہ سفید جھوٹ ہے۔ بلکہ حقیقت یہ کہ یہ سفر اہلیانِ کوفہ کی دعوت پر انجام پایا ہے۔

البتہ امامؑ کی مراد یہ نہیں تھی کہ اگر اہل کوفہ اپنی دعوت سے پلٹ گئے ہیں تو وہ بھی اپنی جد و جہد سے دستبردار ہو کر گھر جا بیٹھیں گے' بلکہ آپؑ کا مقصد یہ تھا کہ اہلِ کوفہ کے اپنے وعدوں سے مکر جانے اور اپنی دعوت سے پلٹ جانے کی صورت میں' ہم بھی اس شہر میں نہیں آئیں گے لیکن یزید کے ہاتھ پر بیعت اور اس کے خلاف جدو جہد کا مسئلہ اپنی جگہ اسی قوت سے باقی رہے گا' اگرچہ اس راہ میں ہم مارے ہی کیوں نہ جائیں۔ مختصر یہ کہ اگر یہ جنگ کوفہ میں نہ ہوئی تو کسی اور جگہ ہو سکتی ہے۔

اگر امامؑ کی مراد اسکے سوا کچھ اور ہوتی اور حکومت کو صرف اتنا ہی اشارہ مل جاتا کہ امام حسینؑ نے مقابلے کا ارادہ ترک کر دیا ہے' یا اب امامؑ اس سلسلے میں شک و تردد کا شکار ہیں تو وہ یقیناً امام حسینؑ کے خلاف جنگ سے گریز کرتی۔ کیونکہ حکمراں ٹولہ بخوبی جانتا تھا کہ بنی امیہ کو اس جنگ کی کتنی بھاری قیمت ادا کرنی پڑے گی۔

خلاصۂ کلام یہ کہ لشکرِ یزید کے ساتھ امامؑ کی جنگ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آپؑ نے جدوجہد ترک کرنے کا کوئی معمولی سا اشارہ بھی نہیں دیا تھا۔

مزید یہ کہ مدینہ سے لے کر شہادت تک امامؑ کے تمام کلمات آپؑ کے عزمِ راسخ اور پکے ارادے پر ایک اور قطعی دلیل ہیں۔

وہ جو خود یہ کہتے ہوں کہ: فَقَتْلُ امْرِئٍ بِالسَّيْفِ فِي اللهِ اَفْضَلُ (اللہ کی راہ میں مارے جانا انسان کے لئے باعث افتخار ہے۔)

جو کہتے ہوں کہ: سَأَمْضِي وَمَا بِالْمَوْتِ عَارٌ عَلَى الْفَتىٰ (میں موت کی طرف

بڑھ رہا ہوں اور موت جواں مرد کے لئے ذلت نہیں۔)

جن کا کہنا یہ ہو کہ: هَيْهَاتَ مِنَّا الذِّلَّةُ (ذلت ہم سے کوسوں دور ہے۔)

جو یہ کہے کہ: لَا اُعْطِيهِمْ بِيَدِي اِعْطَاءَ الذَّلِيلِ وَ لَا اَفِرُّ مِنْهُمْ فِرَارَ الْعَبِيدِ (نہ ذلت قبول کرتے ہوئے اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دوں گا اور نہ غلاموں کی طرح راہِ فرار اختیار کروں گا۔)

جو یہ کہیں کہ: وَيَزِيدُ شَارِبُ الْخُمُورِ... وَمِثْلِي لَا يُبَايِعُ مِثْلَهُ (مجھ جیسا شخص ہرگز یزید جیسے شراب خور کی بیعت نہیں کرے گا۔)

اور جن کا یہ کہنا ہو کہ: وَاللهِ لَا اُعْطِي الدَّنِيَّةَ مِنْ نَفْسِي (خدا کی قسم ہرگز اس ذلت اور حقارت کو قبول نہیں کروں گا۔)

جی ہاں، جس کی فکر اور سوچ یہ ہو وہ کسی قیمت پر تیار نہیں ہوگا کہ اس نے جس جدو جہد کا عزم وارادہ کیا ہے اور جس مقصد کے حصول کی راہ پر گامزن ہے اس سے دستبردار ہو جائے۔

مختصر یہ کہ اہل کوفہ کا امامؑ کو چھوڑ دینا امامؑ کی جدو جہد کے ارادے میں کسی مثبت یا منفی اثر کا باعث نہیں بنا، اسی طرح جیسے اہل کوفہ کی دعوت امامؑ کی تحریک کا سبب اور محرک نہیں تھی۔

۳۴

حر کے جواب میں

«اَفَبِالْمَوْتِ تُخَوِّفُنِي وَ هَلْ يَعْدُو ا بِكُمُ الْخَطْبُ اَنْ تَقْتُلُونی وَسَأقُولُ مَا قَالَ اَخُوالأَوْسِ لإبنِ عَمِّهِ وَ هُوَيُرِيدُ نصْرَةَ رَسُولِ اللهِ (ص)»

سَأمْضِي وَمَا بِالْمَوْتِ عَارٌ عَلَى الْفَتىٰ ٭ اِذَا مَا نَوىٰ حَقّاً وَجَاهَدَ مُسْلِماً

وَاسىٰ الرِّجَالَ الصَّالِحينَ بِنَفْسِهِ ٭ وَفَارقَ مَثْبُوراً وَخَالَفَ مُجْرِماً

اُقَدِّمُ نَفْسی لا اُرِيدُ بَقَاءَهَا ٭ لِتَلْقىٰ خَمِيساً فِي الْهِيَاجِ عَرَمْرَماً

فَاِنْ عِشْتُ لَمْ اَنْدَمْ وَاِنْ مِتُّ لَمْ اُلَمْ ٭ كَفىٰ لَکَ ذُلاً اَنْ تَعِيشَ وَ تُرْغَمَا (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

يَعْدُو ابِكُم الْخَطْبُ اَنْ تَقْتُلُونی : عَدْو: تیزی، خَطْب: اہم اور خطرناک کام (اس جملے میں ایک اشارہ پنہاں ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ: کیا مجھے قتل کرنے کے علاوہ تم کچھ کر سکتے ہو)۔ اَوْس : مدینہ کے عرب قبیلوں میں سے ایک قبیلہ۔ فَارَقَ فِرَاقاً: دور ہو جانا۔ مَثْبُور : ملعون اور دھتکارا ہوا' کافر کے لئے کنایہ ہے، خَمِیس: لشکر، کیونکہ لشکر

۱- انساب الاشراف- ج ۳- ص ۱۷۱۔

پانچ حصوں سے مل کر بنتا ہے لہٰذا اسے خمیس کہا جاتا ہے۔ هِیاج: جنگ۔ عَرَمْرَمُ: خمیس کی صفت یعنی عظیم الشان لشکر۔ عِشْتُ: (عَاشَ عَیْشاً سے): زندگی گزارنا۔ لَم اُلَمْ (لام یلوم کا متکلم وحدہ مجہول ہے): ناگوار، درد، عذاب۔ تَرْغَم (رغم سے): ذلت وخواری۔

ترجمہ اور تشریح

جیسا کہ اس سے پہلے ہونے والی گفتگو میں ہم نے اشارہ کیا تھا کہ ((شراف)) کے مقام پر امامؑ کی دوسری تقریر کے بعد جب ((حر)) اور اسکے سپاہیوں کو اہل کوفہ کے خطوط دکھائے گئے اور ((حر)) نے ان خطوط سے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا، تو اس موقع پر امامؑ اور ((حر)) کے درمیان بحث وتکرار ہوئی۔ کیونکہ امامؑ کوفہ کی طرف اپنا سفر جاری رکھنا چاہتے تھے، جبکہ ((حر)) نے ارادہ کرلیا تھا کہ جو ذمے داری ان کے سپرد کی گئی ہے اس کے مطابق امامؑ کو وہیں روکیں گے۔

لیکن جب ((حر)) نے دیکھا کہ امامؑ اپنے فیصلے میں اٹل ہیں اور کسی صورت اسکی بات ماننے اور اپنا ارادہ تبدیل کرنے پر تیار نہیں، تو اس نے کہا: اب اگر آپؑ نے اپنا سفر جاری رکھنے کا فیصلہ کر ہی لیا ہے تو بہتر یہ ہے کہ اپنے لئے ایک ایسے راستے کا انتخاب کیجئے جو نہ کوفہ جاتا ہو نہ مدینہ۔ تاکہ اس دوران ملنے والے وقت سے فائدہ اٹھا کر میں ایک ایسا خط ابن زیاد کو لکھ دوں جس سے معاملہ صلح وصفائی سے حل ہو جائے۔ شاید اس طرح خدا آپؑ کے خلاف جنگ سے مجھے بچالے۔

((حر)) نے آخر میں یہ بھی کہا کہ: اِنّی اُذَکِّرُکَ اللهَ فی نَفسِکَ فَاِنّی اَشْهَدُ لَئِنْ قَاتَلْتَ لَتُقْتَلَنَّ (میں آپ کو خبردار کردینا چاہتا ہوں کہ اگر آپ نے جنگ کا ارادہ کیا تو آپ یقیناً مارے جائیں گے۔)

جب ((حر)) کی گفتگو یہاں تک پہنچی اور امامؑ نے ان کی یہ دھمکی سنی تو جواب میں فرمایا:

((اَفَبِالْمَوْتِ تُخَوِّفُني ..... کیا مجھے موت سے ڈرانا چاہتے ہو، کیا مجھے

قتل کرنے کے علاوہ تم کچھ اور کر سکتے ہو؟ میں تمہارے جواب میں وہی چند شعر پڑھوں گا جو ((اوس)) سے تعلق رکھنے والے مومن بھائی نے اپنے چچا زاد بھائی سے کہے تھے، جب اس نے نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مدد کا ارادہ کیا تھا اور اس کے چچا زاد نے اس کے اس عمل کی مخالفت کی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ: میں موت کا انتخاب کروں گا کیونکہ اگر کوئی جوان دین اسلام اور مقدس مقاصد پر ایمان رکھتا ہو تو پھر موت اس کے لئے کوئی ذلت کی بات نہیں ہے کیونکہ وہ چاہتا ہے کہ اپنی جان قربان کر کے ظالموں اور ستمگروں کی مخالفت کرے اور اللہ کے دشمنوں سے دوری اختیار کرے۔ اور میں خود اپنے آپ کو پیش کرتا ہوں اور ہرگز نہیں چاہتا کہ زندہ رہوں کیونکہ مجھے ایک سخت جنگ میں ایک بڑے دشمن کا سامنا کرنا ہے۔ اب اگر زندہ رہا تو نادم نہیں ہوں گا اور اگر مر گیا تو مجھے کوئی غم نہ ہو گا اور تمہارے لئے یہی بے عزتی کافی ہے کہ ایسی ذلت آمیز زندگی گزارو۔))

((حر)) امامؑ کا یہ اٹل جواب سننے کے بعد غصے اور طیش کے عالم میں وہاں سے ہٹ گئے۔

((ادب الحسین)) میں لکھا ہے کہ یہ اشعار امامؑ کو بہت پسند تھے۔ لہٰذا عراق کے راستے میں آپؑ نے کئی مرتبہ یہ اشعار پڑھے اور مختلف موقعوں پر انہیں دُہراتے رہے۔

امامؑ کا یہ اشعار پڑھنا اور انہیں بار بار دُہرانا بخوبی واضح کرتا ہے کہ اس سفر سے امامؑ کا بنیادی مقصد اپنے دین اور اپنے نانا کے آئین کی نصرت، اسلام کی راہ میں جہاد، قرآنی دستور و قوانین کا دفاع اور اس کے احکام کو زوال اور اضمحلال سے محفوظ رکھنا تھا۔ یہ جہاد اہم ترین الٰہی فریضہ اور رسول کریمؐ کی سنت حسنہ کی پیروی ہے۔ اور آپؑ اس راہ میں اپنا مقام و حیثیت فدا کرنے، حتیٰ اپنی اور اپنے عزیزوں کی جان نثار کرنے پر بھی آمادہ تھے۔

جی ہاں، کسی کا بھی ان مقاصد کے لئے جہاد کرنا اور مارا جانا ذلت اور ملامت کا باعث

نہیں۔ اسکے برعکس اگر کوئی اپنے گھر میں بیٹھا رہے اور ان مقاصد کے حصول کے لئے میدان مبارزہ و جہاد میں قدم نہ رکھے، تو جب تک وہ زندہ ہے، ملامت اور مذمت کا مستحق ہوگا۔(۱)

۱-ادب الحسین-ص ۲۳

۳۵

بیضہ کے مقام پر

"اَیُّھَا النّاسُ اِنَّ رَسُولَ اللّٰہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم
قَالَ مَنْ رَأی سُلْطَاناً جَائِراً مُسْتَحِلاً لِحَرامِ اللّٰہ نَاکِثاً
عَھْدَہُ مُخَالِفاً لِسُنَّۃِ رَسُولِ اللّٰہ تَعْمَلُ فی عِبَادِاللّٰہ بالا ثْمِ
وَالْعُدْوَانِ فَلَمْ یُغَیِّرْ عَلَیْہِ بِفِعْلٍ وَلاٰ قَوْلٍ کَانَ حَقّاً عَلی
اللّٰہ اَنْ یُدْخِلَہُ مَدْ خَلَہُ اَلاٰ وَانَّ ھؤُلاٰءِ قَدْ لَزِمُوا طاعَۃَ
الشَّیْطَانِ وَتَرکُوا طَاعَۃَ الرَّحْمٰنِ وَاَظْھَرُوا الفَسَادَ
وَعَطَّلُوا الْحُدُودَ وَ اسْتأثَرُوا بِالْفَیْءِ وَاَحَلُّوا حَرَامَ اللّٰہ
وَحَرَّمُوا حَلاٰلَہُ وَاَنَا اَحَقُّ مِمَّنْ غَیَّرَ وَقَدْ اَتَتْنِی کُتُبُکُم
وَقَدِمَتْ عَلَیَّ رُسُلکُمْ بِبَیْعَتِکُمْ اِنَّکُمْ لاٰ تُسَلِّمُونی وَلاٰ
تَخذِلُونی فَاِنْ اَتْمَمْتُمْ عَلَیَّ بَیْعَتَکُمْ تُصِیبُوا رُشْدَکُمْ
فَانَاالحسَینُ بْنُ عَلِیٍّ وَابْنُ فَاطِمَۃَ بِنْتَ رَسُولِ اللّٰہ نَفْسِی
مَعَ اَنْفُسِکُمْ وَاَھْلِی مَعَ اَھْلِکُمْ وَلَکُمْ فِي اُسْوَۃٌ وَاِنْ لَمْ
تَفْعَلُوا وَنَقَضْتُمْ عَھْدَکُمْ وَخَلَّفْتُمْ بَیْعَتی مِنْ اعْنَاقِکُمْ مَا
ھِیَ لَکُمْ بِنُکْرٍ لَقَدْ فَعَلْتُمُوھَا بِاَبِی وَاَخِی وَابْنِ عَمِّی

مُسْلِم فَالْمَغْرُورُ مَنِ اغْتَرَّ بِكُمْ فَحَظَّكُمْ اَخْطأْتُمْ وَنَصِيبَكُمْ ضَيَّعْتُمْ وَمَنْ نَكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلىٰ نَفْسِهِ وَسَيُغْنِي اللهُ عَنْكُمْ وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ»(۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

نَکث عهد :وعدہ خلافی۔ مَدخَل (میم پر زبر):داخل ہونے کی جگہ۔ یہاں اس سے مراد وہ عذاب ہے جس میں ظالم و جابر حاکم کو مبتلا کیا جائے گا۔ اِستِیثار :اپنے لئے مخصوص کرنا۔ فَیء :وہ مال و دولت اور حقوق جو صرف خاندان پیغمبرؐ کے لئے مختص ہیں۔ اَحَقّ :زیادہ مستحق ہونا۔ تُسَلِّمُونی (سَلَّمَه سے) :ترک کر دینا۔ رشد: کامیابی' خوش قسمتی۔ اُسوَة': نمونۂ عمل' پیشرو۔ نُکر :نیا کام جو اب تک نہ کیا گیا ہو۔ مَغرور :جس نے دھوکہ کھایا ہو۔

ترجمہ اور تشریح

«شراف» کے مقام سے چلنے کے بعد' امام حسین علیہ السلام اور حر ابن یزید ریاحی کے قافلے ایک دوسرے کے متوازی نزدیک نزدیک چلتے رہے اور جہاں کہیں پانی ہوتا اور آرام کر لینا ممکن نظر آتا' وہاں دونوں قافلے ایک ساتھ پڑاؤ کر لیتے۔

ایسے ہی مقامات میں سے ایک «بیضہ» کا مقام تھا' جہاں ایک مرتبہ پھر امامؑ کو «لشکرِ حر» سے خطاب' اسکے سامنے حقائق کے بیان اور اپنی جدو جہد کے علل و اسباب کی تشریح

۱- تاریخ طبری- ج ۷-ص ۳۰۰' تاریخ کامل ابن اثیر- ج ۳-ص ۲۸۰' خوارزمی- ج ۱-ص ۲۳۴' انساب الاشراف- ج ۴-ص ۱۷۱۔

کا موقع ملا۔ امامؑ نے اپنے اس خطاب (۱) میں فرمایا:

«اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّ رَسُولَ اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم قَالَ ..... اے لوگو! رسول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ: اگر کوئی شخص کسی ظالم حاکم کو دیکھے جو اللہ کے حرام کئے ہوئے کو حلال بنا رہا ہو' خدا سے کئے ہوئے عہد و پیمان توڑ رہا ہو، رسول کی سنت کی مخالفت کرتا ہو اور اللہ کے بندوں کے ساتھ ظلم و ستم سے پیش آتا ہو' اور (یہ شخص) ایسے حاکم کو دیکھنے کے باوجود اپنے عمل یا اپنے قول سے اس کی مخالفت نہ کرے تو اللہ کو حق ہے کہ اس (خاموش اور بے عمل) شخص کو اسی ظالم کے ہمراہ عذاب میں مبتلا کرے۔

اے لوگو! جان لو کہ ان لوگوں (بنی امیہ) نے شیطان کی اطاعت اختیار کر لی ہے اور رحمٰن کی اطاعت کو ترک کر دیا ہے، فتنہ و فساد کو رواج دیا ہے اور اللہ کی حدود (احکام الٰہی) کو معطل کر دیا ہے۔ (خاندانِ نبوت سے مختص) مال کو اپنے لئے مخصوص کر لیا ہے' اللہ کی طرف سے کئے گئے حرام کو حلال میں اور اللہ کی طرف سے قرار دیئے گئے حلال کو حرام میں تبدیل کر دیا ہے اور میں (ان مفسدوں کے مقابلے میں اسلامی معاشرے کی رہبری کا) زیادہ حقدار ہوں۔

ان حالات میں مجھ تک پہنچنے والے تمہارے خطوط کا مضمون اور تمہارے قاصدوں کا پیغام یہ تھا کہ تم لوگوں نے اس بات پر میری بیعت کی ہے کہ نہ تم

۱- خطیب خوارزمی کے مطابق امامؑ نے یہ باتیں کسی تقریر میں نہیں فرمائیں بلکہ انہیں کربلا تشریف آوری کے بعد کوفہ کے سرداروں اور سرکردہ شخصیات کے نام ارسال کئے گئے ایک خط میں تحریر فرمایا تھا۔

ہمارے خیال میں ان باتوں کی اہمیت کے پیش نظر ممکن ہے امامؑ نے انہیں دونوں طریقوں سے ارشاد فرمایا ہو' یعنی تقریر میں بھی کہا ہو اور خط میں بھی تحریر کیا ہو۔

مجھے تنہا چھوڑو گے اور نہ مجھ سے بے وفائی کرو گے۔ اب اگر تم اپنی بیعت پر قائم رہے' تو کامیابی اور ہدایت حاصل کرو گے۔ کیونکہ تم جانتے ہو کہ میں حسین ابن علی فرزندِ فاطمہ بنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) ہوں۔ میری جان تمہاری جان کے ساتھ اور میرے اہل و عیال تمہارے اہل و عیال کے ہمراہ ہیں (ہمارے اور مسلمانوں کے درمیان کوئی دوئی نہیں)' میں تمہارے لئے نمونہ عمل ہوں۔ اب اگر تم نے مجھ سے کئے جانے والے اپنے عہد و پیمان کو توڑ دیا اور میری بیعت سے انکار کیا تو یہ تم کوئی نئی بات نہیں کرو گے۔ تم میرے والد' میرے بھائی اور میرے چچا کے بیٹے مسلم بن عقیل کے ساتھ ایسا ہی کر چکے ہو۔ جس نے تم پر بھروسہ کیا' اس نے دھوکہ کھایا۔ یاد رکھو کہ تم نے اپنا ہی نقصان کیا ہے اور اپنے ہی حصے کو ضائع کیا ہے۔ جو کوئی وعدہ خلافی کرتا ہے وہ خود اپنے آپ ہی کو نقصان پہنچاتا ہے۔ اللہ جلد ہی مجھے تم لوگوں سے بے نیاز کر دے گا۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔»

ایک بار پھر جدوجہد کے اسباب کا بیان

امام حسینؑ نے اپنی اس تقریر میں اسلام کے طاقتور اور ظالم دشمن بنی امیہ کے جرائم اور خرابیوں کو نہایت جرأت کے ساتھ طشت از بام کیا' ان کے اعمال اور کردار کا اپنی دینی حیثیت اور قائدانہ ذمے داریوں سے موازنہ کیا اور رسول اکرمؐ کے قول کا سہارا لیتے ہوئے ایک بار پھر اپنی جدوجہد کے علل واسباب بیان فرمائے اور اموی حکومت کے خلاف جدوجہد کا اعلان کیا جو ایک فریضے اور ذمے داری کے بطور آپؑ پر واجب تھی۔ آپؑ نے بتایا کہ اموی حکومت نے اسلام کو اپنی خواہشات کے حصول کا ذریعہ بنا لیا ہے۔ وہ قرآن کریم اور سنت نبویؐ میں تحریف اور تبدیلی کی مرتکب ہو رہی ہے۔

یہ وہی اسباب ہیں جن کا تذکرہ آپؑ نے مدینہ سے روانگی کے وقت اپنے وصیت نامے میں کیا ہے اور وہی مقصد ہے جسے آپؑ نے اپنے بھائی محمد ابن حنفیہ کے سامنے بیان فرمایا تھا کہ میری جدوجہد کا بنیادی سبب یہ ہے کہ معاشرے میں ظلم وفساد پھیل رہا ہے اور اسلام کے قوانین تبدیل کئے جا رہے ہیں۔ میرے اس اقدام کا مقصد بس یہی ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیا جائے اور اسلامی قوانین پر عمل کیا جائے، جنہیں یا بھلا دیا گیا ہے یا تبدیل کر دیا گیا ہے: اُرِیدُاَنْ آمُرَ بِالْمَعْرُوفِ وَ اَنھیٰ عَنِ الْمُنْکَرِ واَسِیرُ بِسِیرَۃِ جدّی..... اور اب یہاں پھر فرما رہے ہیں کہ: مَنْ رَأیٰ سُلْطَاناً جائراً..... فَلَمْ یُغَیِّرْ عَلَیْہِ بِفعْلٍ ..... کان حَقّاً عَلَی اللہ اَنْ یُدْخِلَہُ مُدْخَلَہُ......

یہی امام حسینؑ کی جدوجہد کا بنیادی مقصد ہے، جسے خود آپؑ نے اپنی زبان سے بیان فرمایا ہے۔

قرآن کریم بھی امر بالمعروف ونہی عن المنکر پر عمل نہ کرنے کو گزشتہ اقوام کے زوال و انحطاط اور انبیا کے لائے ہوئے قوانین کی نابودی کا بنیادی سبب قرار دیتا ہے، اور کہتا ہے کہ: فَلَوْلَا کَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِکُمْ اُولُوا بَقِیَّۃٍ یَّنْھَوْنَ عَنِ الْفَسَادِفِی الْاَرْضِ. (تو تم سے پہلے کے زمانوں اور نسلوں میں ایسے صاحبانِ عقل کیوں نہ پیدا ہوئے جو لوگوں کو زمین میں فساد پھیلانے سے روکتے۔ سورۂ ہود ۱۱- آیت ۱۱۶)

گواہی یا اعترافِ حقیقت

زیارتِ امام حسینؑ میں ہم پڑھتے ہیں: اَشْھَدُ اَنَّکَ قَدْ اَقَمْتَ الصَّلٰوۃَ وَ آتَیْتَ الزَّکٰوۃَ وَ اَمَرتَ بِالْمَعْرُوفِ وَ نَھَیْتَ عَنِ الْمُنْکَر. (میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے نماز قائم کی، زکات ادا کی، نیکیوں کا حکم دیا اور برائیوں سے روکا)۔ یہاں یقیناً شہادت سے مراد اسکا جانا پہچانا مفہوم یعنی گواہی دینا اور کسی مادی اور حقوقی موضوع کو ثابت کرنا

نہیں بلکہ ایک مقدس ہدف اور معنوی محرک کی بنیاد پر ایک معنوی حقیقت کا بیان اور ایک واقعیت کا اعتراف ہے۔

اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ میں یہ بات سمجھتا ہوں اور اس حقیقت کو جانتا اور محسوس کرتا ہوں کہ حسین ابن علیؑ آپ کی تحریک اور قیام امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے تھی، نہ کہ اہل کوفہ کے بلاوے یا دوسرے اسباب کی بنا پر۔ اور اگر اس سلسلے میں کوئی اور سبب تھا بھی اور کوئی کوشش ہوئی بھی تھی تو یہ سب ایک عظیم مقصد اور اس ہدف تک پہنچنے کے لئے مقدمات کی حیثیت رکھتے تھے کہ: وَجَاهَدْتَ فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِه. (اور اللہ کی راہ میں ایسا جہاد کیا جیسا جہاد کا حق تھا۔ ماخوذ از زیارتِ امام حسینؑ در حرم امیر المومنینؑ)

کیا امام حسینؑ نے امر بالمعروف کی شرائط کو مدنظر نہیں رکھا؟

جیسا کہ ہم نے اس کتاب کی ابتدا میں اشارہ کیا تھا کہ سید الشہدا علیہ السلام کی تحریک کے حوالے سے ایک سوال یہ بھی پیش آتا ہے کہ فقہا اور علمائے اسلام امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیلیئے ایک شرط یہ بھی رکھتے ہیں کہ اس پر عمل کی صورت میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے شخص کو کسی خطرے کا سامنا نہ کرنا پڑے، لیکن امام حسینؑ نے اپنے قیام میں (جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیلیئے انجام پایا تھا) اس شرط کو مدنظر نہیں رکھا اور آپؑ نے اس راہ میں بڑے بڑے خطرات (جیسے اپنی اور اپنے اصحاب کی دردناک شہادت اور خواتین اور بچوں کی غم انگیز اسیری) کو قبول کیا۔ جبکہ ہم جانتے ہیں کہ فقہی احکام درحقیقت نبی اکرمؐ اور ائمۂ اطہارؑ کے قول وفعل ہی سے ماخوذ ہوتے ہیں۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ شرط ایک کلی اور عمومی شرط ہے اور خاص اور استثنائی حالات میں اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔ اس نکتے کی وضاحت کے لئے درج ذیل دو موضوعات پر توجہ اور ان کا جائزہ لینا ضروری ہے:

۱۔ گناہگار کی حیثیت اور اسکا مقام۔

۲۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے کی حیثیت اور اس کا مقام۔

اول:۔ اگر گناہ اور اللہ کے احکام کی مخالفت کا مرتکب ایسا شخص ہو جو سیاسی اور معاشرتی لحاظ سے ایسے مقام کا حامل ہے کہ اسکا فعل لوگوں کے لئے نمونۂ عمل اور نشان راہ کی حیثیت رکھتا ہے اور یوں اسکا طرزِ عمل معاشرے میں ایک بدعت کی صورت رائج ہو جائے گا۔ تو ایسی صورت میں کسی بھی باشعور اور دیندار مسلمان کا خاموش رہنا ناقابل معافی گناہ ہے۔ اور ایسے مسلمان کی ذمے داری ہے کہ چاہے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے کی وجہ سے اسے جانی اور مالی نقصان ہی کیوں نہ برداشت کرنا پڑے، پھر بھی اسکے خلاف اٹھ کھڑا ہو اور اس گناہ کی روک تھام کی حتیٰ الامکان کوشش کرے جو معاشرے میں بدعت کی شکل اختیار کر رہا ہے اور اس گناہ کے مرتکب شخص کی سرکوبی کرے۔

لیکن اگر حالات اسے اس حد تک اجازت نہ دیں تو کم از کم اپنے قول سے اس عمل کی مخالفت کا اظہار کرے اور اس موقع پر یہ خیال دل میں نہ لائے کہ کہیں اس کی بات غیر موثر تو نہیں رہے گی یا اسے نقصان کا سامنا تو نہیں کرنا پڑے گا؟

ظالموں اور بدعت گزاروں کے مقابل امیر المومنین حضرت علیؑ کے کچھ خاص اصحاب کا رَویہّ اس بات پر واضح دلیل فراہم کرتا ہے۔ میثم تمارؓ، حجر بن عدیؓ، ابوذر غفاریؓ اور ان جیسے دیگر دسیوں دیندار اور مکتبِ تشیع کے پروردہ افراد نے نہ صرف اصلِ اسلام اور نظام امامت و ولایت کا دفاع کیا، اسلام کے سچے اور سیدھے راستے کے بالمقابل پیش کئے جانے والے جھوٹے اور انحرافی افکار کا مقابلہ کیا بلکہ بعض اوقات کسی چھوٹے سے انحراف اور بظاہر کم اہمیت اور معمولی سے اسلامی حکم کے تحفظ کی خاطر اپنی اور اپنی آل اولاد کی جان و مال کو قربان کر دیا۔

دوم:۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے فرد کی شخصیت کو مدنظر رکھنا بھی ضروری

ہے۔ وہ لوگ جو مذہب کے بانی اور رسالت اور احکام الٰہی کی تبلیغ کے ذمے دار ہیں، یعنی انبیا علیہم السلام اور اسی طرح وہ ہستیاں جو ان احکام کی محافظ ((علتِ مبقیہ)) اور پاسدار قوت ہیں، یعنی ائمہ ہدیٰ علیہم السلام، مذہبی پیشوا اور ان کے جانشین جن پر احکام وقوانین الٰہی کے بارے میں خاص ذمے داریاں عائد ہوتی ہیں، ان پر سوال میں مذکور فقہی مسئلہ اور اسکی شرائط لاگو نہیں ہوتیں۔

بالفاظ دیگر زیر بحث فقہی حکم کا تعلق عام افراد سے ہے لیکن انبیا، اولیا اور اسلام کے سچے محافظوں کی ذمے داریاں ان عمومی ذمے داریوں سے بلند تر اور ان سے کہیں زیادہ سخت اور حساس ہیں۔

اگر تمام انبیا علیہم السلام اپنے فرائض اور ذمے داریوں کی ادائیگی کے دوران انہی شرائط کو سامنے رکھتے جو عام لوگوں کے لئے مقرر کی گئی ہیں، تو نہ تو ان کے اور ان کے دشمنوں کے درمیان کوئی جنگ ہوتی اور نہ روئے زمین پر احکام وتعلیماتِ الٰہی کا نام ونشان دکھائی دیتا۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بت پرستوں کے خلاف اپنی جدوجہد کا آغاز کیا اور انسانوں کے ایک سیلاب اور اس زمانے کی مقتدر حکومتوں کے سامنے کھڑے ہوئے اور بتوں کو پاش پاش کیا، تو اس موقع پر وہ کسی خوف وخطر کو خاطر میں نہ لائے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام اگر چہ خود صاحبِ شریعت وکتاب نہ تھے بلکہ خدا کی طرف سے انہیں گزشتہ شریعتوں کی حفاظت کی ذمے داری سونپی گئی تھی، آپؑ نے اپنے زمانے کے طاغوت کی ایک خلافِ شریعت شادی کے مسئلے پر اسکی مخالفت کی اور اس حد تک یہ پیکار جاری رکھی کہ ان کا سرِ اقدس ایک تھال میں سجا کر اس ظالم کی خدمت میں پیش کیا گیا۔

یہی وجہ ہے کہ کربلا کے راستے میں امام حسین علیہ السلام بار بار اس واقعے کا تذکرہ کرتے تھے اور فرماتے تھے: اِنَّ رَاْسَ یَحْیَیٰ بْنِ زَکَرِیَّا اُھْدِیَ اِلَی بَغِیٍّ مِنْ بَغَایَا بَنِی اِسْرَائِیلَ..... (یحییٰ ابن زکریا کا سر بنی اسرائیل کے ایک ظالم کو تحفے میں دیا گیا تھا۔)

چنانچہ پیغامِ وحی کے محافظوں اور قافلہ سالارانِ شریعت کی ذمے داریاں عام لوگوں سے مختلف ہوتی ہیں۔

کفر آمیز خاموشی

یہ وہی حقیقت ہے جسے امیر المومنینؑ نے جنگ صفین میں اس وقت بیان کیا جب شامیوں میں سے ایک معمر شخص دونوں صفوں کے درمیان نمودار ہوا اور آواز دی کہ اے ابوالحسن' اے علی! مجھے آپ سے کام ہے اور میں براہِ راست آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت علیؑ اپنے لشکر کی صفوں سے باہر تشریف لائے اور جب اس کے نزدیک پہنچے تو شامی نے کہا: اے علی! آپ کا اور اسلام کا دیرینہ ساتھ ہے اور آپ نے اسکے لئے شاندار خدمات انجام دی ہیں۔ کیا آپ میری ایک تجویز قبول کریں گے تاکہ مسلمانوں کا خون بہنے سے بچ جائے؟

امیر المومنینؑ نے فرمایا: کہو' تمہاری تجویز کیا ہے؟

اس نے کہا: آپ عراق واپس چلے جایئے اور وہاں رہئے اور ہم شام واپس چلے جاتے ہیں اور وہاں رہتے ہیں۔ نہ آپ ہمارے مزاحم ہوں نہ ہم آپ کے مزاحم۔

امیر المومنینؑ نے اس کے جواب میں فرمایا: تم نے ہمدردی اور حسن نیت کے ساتھ جو تجویز پیش کی ہے وہ میں نے سمجھ لی ہے۔ اس جنگ کے بارے میں' میں نے بھی بہت غور و فکر کیا ہے' راتوں کو جاگ جاگ کر ہر طرح سے اسکا جائزہ لیا ہے۔ آخر کار مجھے دو ہی راستے نظر آئے ہیں یا تو جنگ یا کفر۔ اور میں نے جنگ کو کفر پر ترجیح دی ہے۔ کیونکہ اگر زمین پر اللہ کی معصیت ہو اور اللہ کے اوصیا خاموش رہیں' انہی حالات پر مطمئن رہیں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کریں تو اللہ کبھی ان سے راضی اور خوشنود نہیں ہوگا لہٰذا میں نے دیکھا کہ ان (بنی امیہ) سے جنگ کرنا جہنم کی زنجیریں برداشت کرنے کے مقابلے میں زیادہ آسان ہے۔ (۱)

۱۔ وقعہ صفین۔ ص ۴۷۴۔

جیسا کہ آپ نے ملاحظہ کیا، امیر المومنینؑ گناہ دیکھ کر خاموش رہنے کو اپنے لئے ایک عظیم گناہ، یہاں تک کہ کفر کے برابر قرار دے رہے ہیں اور اللہ کی معصیت کے مقابلے میں اولیائے الٰہی کی خاموشی کو اللہ کی ناراضگی اور عذاب کا سبب بتا رہے ہیں۔

۳۶

ابوھرم کے جواب میں

«یَـا اَبَـا هِـرَمٍ !اِنَّ بَنِی اُمَیَّةَ شَتَمُوا عِرْضِی فَصَبَرْتُ وَاَخَذُوا مَالِی فَصَبَرْتُ وَطَلَبُوا دَمِی فَهَرَبْتُ وَاَیْمُ اللّٰهِ لِیَقْتُلُونِی فَیَلْبَسُهُمُ اللّٰهُ ذُلّاً شَامِلاً وَسَیْفاً قَاطِعاً وَیُسَلِّطُ عَلَیْهِمْ مَنْ یُذِلُّهُمْ حَتّٰی یَکُونُوا اَذَلَّ مِنْ قَوْمِ سَبَأٍ اِذْ مَلَکَتْهُمْ امْرَاَةٌ فَحَکَمَتْ فِی اَمْوَالِهِمْ وَدِمَائِهِمْ» (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

شَتْم : برا بھلا کہنا، گالیاں دینا۔ عِرْض: عزت وآبرو۔ هَرب: فرار کرنا۔ ذُلّ (ذ پر پیش) ذلت وخواری۔ شامل: چھا جانا، کہا جاتا ہے شَمِلَهُ: یعنی اس پر چھا گیا۔

ترجمہ اور تشریح

«رھیمہ» کے مقام پر کوفہ سے تعلق رکھنے والا ایک شخص «ابوھرم» (۲) امامؑ کی خدمت

۱۔ مقتل خوارزمی ج ۱۔ ص ۲۲۶، لہوف۔ ص ۶۲، مثیر الاحزان از ابن نما۔ ص ۴۶۔

۲۔ بعض کتب میں، جیسا کہ مقتلِ خوارزمی کے ایک نسخے میں اس شخص کا نام «ابوھرہ» آیا ہے جو بظاہر غلط معلوم ہوتا ہے۔

میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یَا ابْنَ رَسُولِ اللّٰہِ مَا الَّذِی اَخْرَ جَکَ عَنْ حَرَمِ جَدِّکَ (اے فرزند رسولؐ! کس چیز نے آپ کو اپنے جد کا حرم چھوڑنے پر مجبور کیا؟)

امامؑ نے فرمایا:

«یَا اَبَا هِرَمٍ !اِنَّ بَنِی اُمَیَّةَ ..... اے ابوہرم! بنی امیہ نے مجھے برا بھلا کہا' میں نے صبر کیا' میرے اموال کو غصب کیا' میں نے صبر کیا' لیکن جب انہوں نے میرا خون بہانا چاہا تو میں نے مدینہ چھوڑ دیا' خدا کی قسم یہ (بنی امیہ) مجھے قتل کر دیں گے۔ پھر خدا انہیں ذلت وخواری اور قتل و غارت گری میں مبتلا کر دے گا اور ان پر ایسے لوگوں کو مسلط کر دے گا جو انہیں پستی اور ذلت سے دوچار کر دیں گے' یہاں تک کہ یہ لوگ قوم سبا سے بھی زیادہ ذلت وخواری کا شکار ہو جائیں گے' جن کے جان و مال پر ایک عورت حکومت کیا کرتی تھی۔»

نتیجہ: امامؑ نے مختلف افراد سے جو گفتگوئیں کیں' وہ آپؑ کے عام خطبات کے برخلاف بہت مختصر اور انتہائی جامع ہوا کرتی تھیں' «ابوہرم» کو جو جواب آپؑ نے دیا' وہ ایسا ہی ہے۔ امامؑ نے اختصار کے باوجود بنی امیہ کے اعمال و کردار کی تشریح کرتے ہوئے' دو امور کی جانب توجہ دلائی یا دو مسائل کی پیش گوئی فرمائی۔ ایک اپنی شہادت کی اور دوسرے بنی امیہ کے زوال اور ان کے ذلیل و رسوا ہونے کی۔

امامؑ کا یہ جواب اس امر پر ایک اور دلیل ہے کہ آپؑ نے شہادت کا راستہ مکمل علم و آگہی کے ساتھ اختیار کیا تھا اور جو کچھ مستقبل میں پیش آیا امامؑ اس کے بارے میں قطعی اور یقینی طور پر پہلے ہی سے آگاہ فرما رہے تھے۔

۳۷

طرماح بن عدی اور اسکے ساتھیوں کے جواب میں

«اَمَاوَ اللہ اِنّی لاَرْجُو اَنْ یَکُونَ خَیراً ما اَرادَاللہُ بِنا قُتِلْنا اَمْ ظَفَرنا .

.... فَمِنْهُمْ مَنْ قَضیٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَنْ یَنْتَظِرُ وَما بَدَّ لُوا تَبْدِیلاً. اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ لَنا وَلَهُمُ الْجَنَّةَ وَاجْمَع بَیْنَنا وَبَیْنَهُمْ فی مُسْتَقَرٍّ مِن رَحْمَتِکَ وَرَغائِبِ مَذْخُورِ ثَوابِکَ.

..... اِنَّ بَیْنَنا وَبَیْنَ الْقَوْمِ عَهْداً وَمیثاقاً ولَسْنا نَقْدِرُ عَلَی الْاِنْصِرافِ حَتّی تَتَصَرَّفَ بِناوَبِهِمُ الاُمُورُ فی عاقِبَةٍ.»

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

قتِلْنا (فعلِ مجہول ہے): ہم مارے جائیں گے۔ ظَفَر: کامیابی۔ قضی نحبهُ قَضاء: کسی کام کو انجام دینا اور اختتام تک پہنچانا۔ نَحب: وعدہ، معاہدہ، اللہ کی راہ میں مارے جانے کو بھی نحب کہتے ہیں کیونکہ شہید خود کو پابند کرتا ہے کہ اپنی جان کی قربانی تک جدوجہد کرے گا اور یوں گویا اپنی شہادت کے ذریعے اللہ کے ساتھ کئے گئے اپنے وعدے کو پورا کرتا

ہے۔ مُسْتَقَرّ :ٹھہرنے کی جگہ۔رَغائب(رَغْبَۃ کی جمع):کوئی ایسی چیز جسے پسند کیا جائے اور جس کی طرف مائل ہوا جائے اور کوئی ایسی چیز جسکے نتیجے میں ثواب اور اجرِ عظیم کی توقع ہو۔ مَذْخُور :جسے ذخیرہ کیا گیا ہو۔عَھْد و میثاق :معاہدہ۔

ترجمہ اور تشریح

«طبری» کہتا ہے کہ(۱) «طرماح بن عدی» کے ساتھ چار افراد' جن کے نام عمرو بن خالد' سعد' مجمع اور نافع بن ہلال تھے' کوفہ سے روانہ ہوئے اور «عذیب الھجانات» کے مقام پر امام حسینؑ کے قافلے سے ملے ۔ یہاں امامؑ سے گفتگو کرتے ہوئے «طرماح» کے ساتھیوں نے عرض کیا: اے فرزند رسولؐ! «طرماح» سارے راستے ان چند اشعار کی تکرار کرتا رہا ہے اور اونٹ کو ہکانے کے لئے آواز نکالنے کی بجائے بھی انہی اشعار کو دُہراتا رہا ہے۔

یا ناقَتِی لا تذْعَری مِنْ زجْرِی وَشمِّری قَبْلَ طُلُوعِ الْفَجْرِ

بِخَیْرِ رکبانٍ وَخَیْرِ سَفرٍ حَتّی تُحُلّی بِکَرِیمِ الخَبَرِ

الماجِدِ الْحُرّ رَحیبِ الصَّدْر اَتیٰ بِہِ اللہ لِخَیْرِ اَمْرِ

ثُمَّۃ اَبْقاہ بَقاءَ الدَّھْرِ (۲)

«اے میرے اونٹ' میرے سختی کرنے سے پریشان نہ ہو اور صبح ہونے سے پہلے تیزی سے مجھے لے چل ۔ تیرا سوار بہت اچھا ہے اور یہ سفر بھی بہترین سفر ہے۔بس اب تو مجھے اس شخص تک پہنچا دے جس کی سرشت میں بھلائی اور بزرگواری ہے۔وہ عظیم' آزاد' بیباک اور وسیع القلب ہے اور خدا نے بہترین

۱- تاریخ طبری-ج ۷-ص ۳۰۴۔

۲ -انساب الاشراف-ج ۳-ص ۱۷۲۔ان اشعار کے بارے میں مختلف نظریات پائے جاتے ہیں۔مزید اطلاع کے لئے مقتل خوارزمی' مثیر الاحزان' کامل الزیارات اور نفس المھموم سے رجوع کیجئے۔

کام کے لئے اسے یہاں بھیجا ہے۔ بارِالٰہا تا ابد اس کی حفاظت فرما۔››

جب امامؑ کے حضور، امامؑ کے لئے محبت وعقیدت کے اظہار پر مشتمل ‹‹طرماح›› کے یہ اشعار پڑھے گئے تو امامؑ نے ان کے جواب میں فرمایا:

‹‹اَمَا وَاللّٰہِ اِنِّی لَاَرْجُو اَنْ یَکُونَ خَیْراً ..... خدا کی قسم، ہمیں امید ہے کہ ہمارے بارے میں خدا کا ارادہ خیر پر مبنی ہوگا، خواہ ہم مارے جائیں یا کامیاب ہوں۔››

اس کے بعد امامؑ نے ان لوگوں سے اہلِ کوفہ کے خیالات کی بابت سوال کیا۔ ان لوگوں نے عرض کیا: اے فرزند رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کوفہ کے بڑے بڑے لوگوں اور سرداروں کو ابن زیاد کی طرف سے بھاری رشوتیں ملی ہیں اور باقی لوگوں کے دل آپ کے ہمراہ لیکن تلواریں آپ کے خلاف ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے امامؑ کے قاصد قیس بن مسہر صیداوی کے مارے جانے کی خبر امامؑ کو دی۔ امامؑ نے یہ افسوسناک خبر سننے کے بعد اس آیہ کریمہ کی تلاوت فرمائی: فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَ مَا بَدَّ لُوْ ا تَبْدِيْلاً (کچھ نے اپنے وعدوں کو پورا کر دیا اور کچھ اسکے منتظر ہیں اور انہوں نے اپنے وعدے میں کوئی تبدیلی نہیں کی ہے۔ سورۂ احزاب ۳۳- آیت ۲۳)۔ پھر امامؑ نے دعا کرتے ہوئے فرمایا:

‹‹اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ لَنَا وَلَهُمُ الْجَنَّةَ ..... اے اللہ! ہمیں اور انہیں جنت عنایت فرما اور ہمیں اور ان کو اپنے جوارِ رحمت میں اکٹھا کرتے ہوئے اپنا ذخیرہ شدہ بہترین ثواب عطا فرما۔››

اس کے بعد ‹‹طرماح›› نے گفتگو کا آغاز کیا اور کہا: اے فرزند رسولؐ! میں نے کوفہ سے نکلتے وقت بیرون شہر لوگوں کا ایک جمع غفیر دیکھا۔ جب میں نے ان کے اکٹھا ہونے کا سبب دریافت کیا تو لوگوں نے کہا کہ یہ لوگ حسین ابن علیؑ سے مقابلے اور ان سے جنگ کی تیاری کر

رہے ہیں۔اے فرزندِ رسولؐ! آپ کو خدا کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ آپؑ اس سفر سے پلٹ جایئے کیونکہ مجھے امید نہیں ہے کہ کوفہ کا ایک آدمی بھی آپؑ کی مدد کے لئے آئے گا اور حتیٰ اگر صرف وہی لوگ آپؑ سے جنگ کے لئے آ جائیں جنہیں میں دیکھ کے آیا ہوں تو وہی آپؑ کو شکست دینے کے لئے کافی ہونگے۔جبکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی طاقت میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔

پھر ((طرماح)) نے مشورہ دیتے ہوئے کہا: اے فرزند رسولؐ! میرا خیال ہے کہ آپؑ اور آپؑ کے ہمراہ میں بھی ((احبا)) کے علاقے کی طرف چلتے ہیں، جو ہمارے قبیلے ((بنی طی)) کا مسکن ہے اور بلند و بالہ پہاڑیوں کے دامن میں واقع ہے۔ یہ علاقہ اس قدر محفوظ اور دشمن کے تعرض سے دور ہے کہ ہمارے قبیلے نے یہاں رہتے ہوئے ((سلاطینِ عسان)) اور دوسرے تمام حملہ آوروں کا مقابلہ کیا ہے۔ اور خاص جغرافیائی حالت کی وجہ سے کوئی دشمن کبھی ہمارے علاقے تک نہیں پہنچ پایا ہے۔جغرافیائی اہمیت کے علاوہ، اگر آپؑ دس دن اس علاقے میں قیام فرمائیں تو قبیلہ ((طی)) کے تمام افراد، سوار اور پیادوں کی صورت میں آپؑ کی مدد کو آ جائیں گے اور خود میں وعدہ کرتا ہوں کہ اپنے قبیلے کے بیس ہزار شمشیر بکف بہادر آپؑ کی مدد کو تیار کروں گا، جو آپؑ کے مقاصد اور پروگرام کی تکمیل کے لئے آپؑ سے پیش پیش آپؑ کے دشمنوں سے لڑیں گے۔

امامؑ نے ((طرماح)) کی اس پیشکش کے جواب میں فرمایا: خدا تمہیں اور تمہارے قبیلے کے افراد کو جزائے خیر دے۔

پھر یوں گویا ہوئے:

((اِنَّ بَیْنَنَا وَبَیْنَ الْقَوْمِ عَهْداً وَمیثاقاً ..... ہمارے اور اس قوم کے درمیان عہد و پیمان ہو چکا ہے اور اس کی موجودگی میں ہمارے لئے واپس پلٹنا

ممکن نہیں ہے۔ اب دیکھتے ہیں انجام کیا ہوتا ہے۔))

((طرماح)) نے جب امامؑ کے اٹل ارادوں کو دیکھا تو آپؑ سے رخصت کی اجازت چاہی تاکہ یہاں سے جا کے پہلے کچھ ضروریاتِ زندگی کا سامان، جو اس نے فراہم کیا ہوا تھا کوفہ میں اپنے گھر والوں کو پہنچا دے اور پھر جتنی جلدی ممکن ہو واپس آ کر امامؑ کی مدد کے لئے آپؑ سے ملحق ہو جائے۔

امامؑ نے انہیں اجازت دے دی۔ ((طرماح)) اپنے اہل خانہ سے ملنے کے بعد انتہائی تیزی سے واپس پلٹے لیکن کربلا پہنچنے سے پہلے ہی انہیں امامؑ اور ان کے اصحاب کی شہادت کی خبر مل گئی۔

انسانی اقدار کی ترویج

حسین ابن علیؑ کے دوسرے خطبوں اور تقریروں کی طرح اس گفتگو میں بھی چند انتہائی حساس اور قابل توجہ نکات موجود ہیں۔ ہم یہاں ان میں سے صرف ایک نکتے کی جانب اشارہ کر رہے ہیں۔

میدان جنگ میں قدم رکھنے والا اور دشمن کے سامنے کھڑا ہونے والا ہر شخص اپنی کامیابی اور دشمن کی کمزوری کے لئے کوشاں ہوتا ہے۔ امام حسینؑ بھی اس قانون سے مستثنیٰ نہیں۔ لیکن امامؑ کی نظر میں شکست اور کامیابی کا معیار کچھ اور ہے اور وہ اتنا مختلف ہے کہ عام آدمی کے لئے اس کا تصور بھی ممکن نہیں۔ امام حسین علیہ السلام کی جد و جہد کے سلسلے میں کی جانے والی مختلف بلکہ کبھی کبھی متضاد تفسیریں اسی بنا پر اور آپؑ کے جہاد کے مختلف پہلوؤں کو نہ سمجھنے کی وجہ سے کی گئی ہیں۔

امام حسین علیہ السلام کی نظر میں اپنے الٰہی فریضے کی ادائیگی، شرعی ذمے داری کی انجام دہی اور انسانی اقدار پر ثابت قدمی کامیابی ہے، چاہے اس راہ میں وہ ظاہری فتح بھی حاصل ہو

جائے جوتمام جنگوں اور مقابلوں میں مدِ نظر ہوتی ہے یا حاصل نہ ہو سکے۔

لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ جب ((طرماح بن عدی)) جن کا شمار اہلِ بیتِ پیغمبرؐ کے خاص شیعوں اور عقید تمندوں میں ہوتا تھا اور جو امیر المومنینؑ اور حسین ابن علیؑ کے خاص محبوں میں سے تھے' امامؑ کو اس صورتحال سے آگاہ فرماتے ہیں اور آپؑ کی ظاہری شکست کو قطعی اور یقینی سمجھتے ہوئے کوئی راہِ حل نکالنے کی کوشش کرتے ہیں تو امام علیہ السلام خداوند عالم سے یہ دعا' التماس اور درخواست کرتے ہوئے کہ وہ انہیں دیگر شہدا کے ساتھ بہشت بریں اور مقام رحمت میں جگہ مرحمت فرمائے اور جزائے خیر اور خاص درجات نصیب فرمائے' ((طرماح)) کی توجہ ایک انتہائی اہم نکتے یعنی الٰہی فریضے کی ادائیگی اور انسانی اقدار کی پاسداری وحفاظت کی جانب مبذول کراتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ہم نے اپنے خطوط اور ملاقاتوں کے ذریعے اہل کوفہ کے ساتھ ایک معاہدہ کیا ہے۔ ہم نے ان سے کوفہ آنے اور اس شہر کے لوگوں کی امامت ورہبری اور ہدایت ورہنمائی کا وعدہ کیا ہے' اور انہوں نے بھی ہماری ہر طرح کی مدد اور پشت پناہی کا عہد کیا ہے۔ اب ہمارے لئے ضروری ہے کہ تمام تر خطرات اور مشکلات کے باوجود اپنے وعدوں پر باقی رہیں۔ جہاں تک اہل کوفہ کا مسئلہ ہے' تو وہ خود جانیں کہ اپنے عہد پر باقی رہیں یا اسے توڑ دیں۔

درحقیقت یہی ایک دینی اور روحانی رہنما اور ایک دنیاوی سیاسی قائد اور لیڈر کے درمیان پایا جانے والا بنیادی فرق ہے۔

۳۸

عبیداللہ ابن حر جعفی (۱) کے ساتھ گفتگو

«یَابْنَ الحُرِّ اِنَّ اَهل مِصرِکُم کَتَبُوا اِلَیَّ انّهُمْ مُجْتَمِعُونَ عَلیٰ نُصرتی وَسَألُونی القُدُومَ عَلَیهِمْ وَلَیْسَ الأَمْرُ عَلیٰ مٰازَعَمُوا وَانَّ عَلَیْکَ ذنوباً کَثِیرَةً فَهَلْ لَکَ مِنْ تَوبَةٍ تَمْحُوبِهٰا ذنوبَکَ؟ ... تَنصُرُوا ابْنَ بِنْتِ نَبِیِّکَ وَتُقاتِلُ مَعَهُ... اَمّا اِذٰا رَغِبتَ بِنَفْسِکَ عَنّا فَلاٰ حٰاجَةَ لَنٰا فِی فَرَسِکَ وَلاٰ فِیکَ وَمٰا کُنتُ مُتَّخِذَالْمُضِلِّینَ عَضُداً وَانِّی اَنْصَحُکَ کَمٰا نَصَحْتَنِی اِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ لاٰ تَسْمَعَ صُرٰاخَنٰا وَلاٰ تَشْهَدَ وَقْعَتَنٰا فَافعَلْ فَوَاللهِ لاٰ یَسْمَعُ وٰاعِیَتَنٰا اَحَدٌ وَلاٰ یَنْصُرُنٰا اِلاّٰ اَکَبَّهُ اللهُ فی نارِ جَهَنَّمَ» (۲)

۱-عبیداللہ ابن حر جعفی، حضرت عثمان کے حامیوں میں سے تھا۔ان کے مارے جانے کے بعد معاویہ سے جاملا اور جنگ صفین میں حضرت علیؑ کے خلاف لڑا۔تاریخ میں اس کی لوٹ مار اور راہزنیوں کے بارے میں بہت کچھ نقل کیا گیا ہے۔(رجوع کیجئے۔تاریخ طبری-ج ۷-ص ۱۶۸ اور جمھرہ ابن حزم-ص ۳۸۵)

۲-انساب الاشراف-ج ۳-ص ۱۷۴، تاریخ طبری-ج ۷-ص ۳۰۶، تاریخ کامل ابن اثیر-ج ۳-ص ۲۸۲، مقتل خوارزمی-ج ۱-ص ۲۲۶، اخبار الطوال-ص ۲۴۶، امالی صدوق-مجلس ۳۰۔

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

رغب عَنہُ : منہ موڑ لینا' اجتناب کرنا۔ مُضِلین (ضِل سے): گمراہ' منحرف افراد۔ عَضُد :قوت' مدد۔ صُراخ: پکار' مدد کے لئے دی جانے والی آواز۔ وَقعہ :جنگ۔ وا عِیَہ : نالہ' آہ وزاری۔

ترجمہ اور تشریح

حسین ابن علیؑ ‹‹بنی مقاتل›› نامی مقام پر ٹھہرے ہوئے تھے' آپؑ کو مطلع کیا گیا کہ ‹‹عبیداللہ ابن حر جعفی›› بھی اسی مقام پر قیام پذیر ہے۔ امامؑ نے پہلے تو ‹‹حجاج بن مسروق›› کو اس کے پاس بھیجا۔ ‹‹حجاج›› نے ‹‹عبیداللہ›› سے کہا: اے پسرِ حر! اگر تم قبول کرو تو ایک بیش قیمت تحفہ اور گرانقدر سوغات تمہارے لئے لایا ہوں' اور وہ یہ ہے کہ حسین ابن علیؑ یہاں آئے ہوئے ہیں اور تمہیں مدد کے لئے بلا رہے ہیں' ان کے ساتھ ہو جاؤ تا کہ عظیم الشان سعادت اور ثواب حاصل کر سکو۔ کیونکہ اگر ان کی رکاب میں جنگ کی تو بے حساب اجر و ثواب کے مستحق قرار پاؤ گے اور اگر مارے گئے تو شہادت کا مرتبہ تمہیں ملے گا۔

‹‹عبیداللہ ابن حر جعفی›› نے جواب دیا: خدا کی قسم! میں نے شہر کوفہ سے نکلتے وقت دیکھا تھا کہ اکثر افراد حسینؑ سے جنگ اور ان کے اصحاب کی سرکوبی کے لئے خود کو تیار کر رہے تھے۔ اور مجھے یقین ہے کہ وہ (حسینؑ) اس جنگ میں مارے جائیں گے۔ مجھ میں اتنی ہمت نہیں کہ ان کی مدد کروں۔ بلکہ مجھے تو ان سے ملنے کا بھی کوئی اشتیاق نہیں ہے۔

‹‹حجاج بن مسروق›› واپس آ گئے اور ‹‹حر جعفی›› کا جواب امامؑ کے گوش گزار کیا۔ اس کے بعد امامؑ خود اپنے چند اصحاب کے ہمراہ ‹‹عبیداللہ ابن حر جعفی›› سے ملاقات کے لئے تشریف لے گئے۔ ‹‹عبیداللہ›› نے اٹھ کر امامؑ کا استقبال کیا اور آپؑ کو خوش آمدید کہا۔

اس ملاقات کی تفصیل خود ‹‹عبیداللہ ابن حر جعفی›› کے الفاظ میں پڑھیے: جب میری نظر

حسین ابن علیؑ کے چہرے پر پڑی تو میں نے محسوس کیا کہ میں نے اپنی پوری زندگی میں ان جیسا پروقار اور جاذب نظر چہرہ نہیں دیکھا۔ لیکن اسکے ساتھ ساتھ ان کی مانند کسی اور کے حال پر میرا دل ایسے کبھی نہ دکھا ہوگا۔ میں کبھی وہ منظر نہیں بھول پاؤں گا کہ جس وقت وہ تشریف لا رہے تھے تو چند بچے بھی ان کے گرد گھیرا ڈالے چل رہے تھے۔

«حر جعفی» کہتا ہے: جب میں نے امامؑ کے چہرے پر نگاہ ڈالی تو دیکھا کہ ان کی داڑھی انتہائی سیاہ ہے۔ میں نے پوچھا: کیا آپؑ کی داڑھی کا یہ رنگ قدرتی ہے یا آپؑ نے اس پر خضاب لگایا ہوا ہے؟ امامؑ نے جواب دیا: اے ابن حر! مجھ پر قبل از وقت بڑھاپا آ گیا ہے۔ ان کے یوں کہنے سے میں سمجھ گیا کہ آپ نے داڑھی کو خضاب کیا ہوا ہے۔

بہر حال ایک دوسرے کی احوال پرسی اور باہمی رسمی گفتگو کے بعد امامؑ نے «عبیداللہ» کو مخاطب کر کے فرمایا:

«یَـابْنَ الحُرِّ اِنَّ اَهل مِصرِکُم ..... اے ابن حر! تمہارے شہر (کوفہ) کے لوگوں نے مجھے خطوط لکھے کہ ان سب نے مل کر میری مدد اور نصرت کا عہد کیا ہے اور مجھ سے درخواست کی کہ میں ان کے شہر میں آ جاؤں۔ میں آ گیا ہوں، لیکن اب میں انہیں ویسا نہیں پاتا، جس کا انہوں نے دعویٰ کیا تھا۔ تم اپنی عمر میں بہت زیادہ گناہوں کے مرتکب رہے ہو، اور تم سے بکثرت خطائیں سرزد ہوئی ہیں۔ کیا تم چاہتے ہو کہ توبہ کرو اور ان گناہوں اور خطاؤں سے پاک ہو جاؤ؟»

عبیداللہ نے پوچھا: میں کس طرح توبہ کروں؟

امامؑ نے فرمایا:

«تَـنصُرُوا ابنَ بِنتِ نَبِیِّکَ وَتُقَاتِلُ مَعَهُ ..... اپنے نبی کے نواسے کی

مدد کرے اور اس کے ہمراہ دشمنوں سے جنگ کرے۔))

عبید اللہ نے کہا: خدا کی قسم مجھے یقین ہے کہ جو کوئی آپ کے حکم کی تعمیل کرے گا وہ ابدی سعادت اور فلاح پائے گا لیکن میرا خیال ہے کہ میری مدد سے آپ کو کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ کیونکہ کوفہ میں مجھے کوئی ایک بھی ایسا شخص نظر نہیں آیا ہے جو آپ کی مدد اور نصرت کا پختہ ارادہ رکھتا ہو۔ آپ کو قسم دے کر کہتا ہوں کہ مجھے اس کام سے معاف رکھئے کیونکہ مجھے موت سے سخت خوف آتا ہے۔ البتہ یہ میرا معروف گھوڑا ((ملحقہ)) آپ کے لئے حاضر ہے۔ یہ ایسا گھوڑا ہے کہ آج تک جب بھی میں نے اس پر سوار ہو کر کسی کا تعاقب کیا ہے تو لازماً اسے جا پکڑا ہے۔ اور اگر میں اس گھوڑے پر سوار ہوں اور کسی دشمن نے میرا تعاقب کیا ہے تو وہ میرے قریب بھی نہیں پہنچ پایا ہے۔

امامؑ نے اس کے جواب میں فرمایا:

((اَمَّا اِذَا رَغِبْتَ بِنَفْسِکَ عَنَّا ..... جب تم ہماری راہ میں جان نثار کرنے سے گریزاں ہو، تو ہمیں بھی نہ تمہاری کوئی ضرورت ہے اور نہ تمہارے گھوڑے کی کیونکہ ہم کسی گمراہ شخص کو اپنے مددگاروں میں شامل نہیں کرتے۔))

یہ کہنے کے بعد امامؑ نے مزید ارشاد فرمایا:

((وَاِنِّی اَنْصَحُکَ کَمَا نَصَحْتَنِی ..... جس طرح تم نے مجھے نصیحت کی ہے، میں بھی تمہیں ایک نصیحت کرتا ہوں (اور وہ یہ ہے) کہ اس جگہ سے جتنا دور جا سکتے ہو دور چلے جاؤ تا کہ نہ ہماری صدائے استغاثہ تم تک پہنچے اور نہ ہماری جنگ دیکھ پاؤ۔ کیونکہ خدا کی قسم اگر کوئی ہماری صدائے استغاثہ کو سنے اور ہماری مدد کو نہ پہنچے تو خدا اسے آتش جہنم میں جگہ دے گا۔))

((عبید اللہ ابن حر جعفی)) نے امامؑ کی اس نصیحت آمیز گفتگو سے کوئی اثر نہ لیا اور امامؑ کے

لشکر میں شامل نہیں ہوا' لیکن عمر بھر اس پر اپنی شرمندگی اور ندامت کا اظہار کرتا رہا اور اس عظیم سعادت سے محروم رہ جانے پر کفِ افسوس ملتا رہا۔ وہ خود کو سرزنش اور ملامت کرتے ہوئے جو اشعار پڑھتا تھا' ان سے اسکی دلی کیفیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ کہتا تھا:

فَیالَکِ حَسرَۃً ما دُمتُ حیّاً تُرَدَّد بَینَ صَدرِی وَالتّراقی

حُسَینٌ حینَ یَطلُبُ نصر مثلی عَلَی اَهلِ العَداوَۃِ وَالشِّقاقِ

حُسینٌ حَیثُ یَطلُبُ بَذلَ نَصرِی عَلی اَهلِ الضَّلالَۃِ وَالنِّفاقِ

لَوْ اَنّی اُواسیهِ بِنَفسِی لَنِلتُ کَرامَۃً یَوْمَ التَّلاقی

((آہ! جب تک زندہ ہوں یہ حسرت اور افسوس میرے دل اور سینے میں موجود رہے گا اور اس نے مجھے بے قرار کیا ہوا ہے۔ جب وہ وقت یاد کرتا ہوں کہ حسینؑ نے دشمنوں اور ظالموں کے مقابلے کے لئے مجھ جیسے شخص سے مدد چاہی۔ جب حسینؑ چاہتے تھے کہ گمراہوں اور منافقوں کے خلاف میں ان کی مدد کروں۔ کاش اگر اس دن میں اپنی جان کے ذریعے ان کی مدد اور نصرت کرتا تو قیامت میں عظیم درجات پالیتا۔))

انکی کوشش تھی کہ ڈوبتے کو بچالیں

امام حسین علیہ السلام اور ((عبید اللہ ابن حر جعفی)) کے درمیان ہونے والی ملاقات کے احوال اور مدد کے لئے امامؑ کی اس سے درخواست کا مطالعہ فوراً یہ سوال ذہن میں ابھارتا ہے کہ امامؑ کے ان باہم متضاد رویوں کی توجیہ کس طرح کی جا سکتی ہے کہ ایک طرف تو آپؑ نے ((حر جعفی)) جیسے عرب کے مشہور راہزن اور مجرم کو مدد کے لئے طلب کیا جبکہ وہ آپؑ کا ارادتمند بھی نہ تھا' اور امیر المومنین علیہ السلام کے مخالفین اور دشمنوں کی صف میں شامل رہا تھا اور دوسری طرف آپؑ نے ان افراد کو واپس جانے کی اجازت دی جو مکہ اور مدینہ سے آپؑ کے ساتھ

آئے تھے اور جنہوں نے امامؑ کے سلسلے میں ہر قسم کی قربانی اور ایثار کا مظاہرہ کیا اور خود امامؑ کے الفاظ میں ان سے زیادہ باوفا اصحاب کسی کو نہیں ملے تھے۔

آخر کیا وجہ تھی کہ آپؑ نے ان باوفا افراد کو واپس جانے کی اجازت دی؟ اور کس بنا پر اس قسم کے شخص سے مدد طلب کی؟

اگر ہم ائمۂ اطہارؑ کے کردار کے بارے میں تھوڑا سا بھی غور و فکر کریں اور جنگ اور امن اور حرکت و سکوت کے سلسلے میں ان کے اندازِ عمل کا جائزہ لیں تو اس سوال کا جواب واضح ہو جائے گا۔ ائمۂ اطہار علیہم السلام انبیائے کرام کے مشن کے محافظ اور اسے آگے بڑھانے والے ہیں، جن کا مقصد انسانوں کی نجات اور انہیں ڈوبنے سے بچانے کے سوا کچھ اور نہ تھا۔ ان حضرات نے کبھی یہ کوشش عمومی طور پر تمام انسانوں کے لئے انجام دی اور کبھی خصوصی طور پر کسی خاص شخص کے لئے۔

امام حسین علیہ السلام بالکل اسی طرح ((عبید اللہ حر جعفی)) جیسے گناہگار اور مجرم کے خیمے میں تشریف لے گئے تھے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک فاحشہ کے گھر گئے تھے۔ دونوں کا مقصد ایک ہی تھا۔ لہٰذا جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ آپؑ اپنے حواریوں کے ساتھ اس فاحشہ کے گھر کیوں گئے تھے؟ تو آپؑ نے کہا: بعض اوقات طبیب کا مریض کے گھر جانا ضروری ہو جاتا ہے۔ (۱)

امام حسین علیہ السلام نے بھی ((عبید اللہ حر جعفی)) کے ساتھ ہونے والی ملاقات میں اسی طبابت، علاج، گناہوں سے نجات اور اس کے گزشتہ گناہوں اور مظالم کو مدنظر رکھا اور اسے ان سے نجات کا راستہ سجھایا اور فرمایا:

۱۔ جیسا کہ امیر المومنینؑ نے نبی اکرمؐ کے بارے میں فرمایا: طبیب دوار بطبه۔ (وہ ایسے طبیب تھے جو اپنی طب کو لئے ہوئے (مریض کی تلاش میں) چکر لگا رہا ہو۔ نہج البلاغہ۔ خطبہ ۱۰۶)

«وَاِنَّ عَلَیْکَ ذُنُوباً کَثِیرَۃً فَھَلْ لَکَ مِنْ تَوْبَۃٍ تَمْحُوبِھَا ذنــــوبَکَ؟ .... کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے بے حساب گناہوں کو توبہ کے ذریعے دھوڈالو؟»

لیکن جب امامؑ نے دیکھا کہ «عبید اللہ حر جعفی» آپؑ کا مدعا نہیں سمجھ سکا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ آپؑ اسکی طرف سے ایک گھوڑا قبول فرمالیں، جو میدانِ جنگ میں تیز دوڑ کر دشمن کے تیر اور نیزوں سے آپؑ کو بچا سکے۔ وہ تمام مسائل کو صرف مادّی عینک سے اور محض فتح و شکست کے نکتۂ نظر سے دیکھ رہا ہے اور انہیں صرف دو الفاظ «حملے» اور «فرار» میں منحصر کر رہا ہے تو آپؑ نے اسے جواب دیا کہ مجھے نہ تمہاری ضرورت ہے اور نہ تمہارے گھوڑے کی کیونکہ: مُتَّخِذَ الْمُضِلِّینَ عَضُداً (میں کسی گمراہ کو اپنا مددگار نہیں بناؤں گا۔)

۳۹

عمرو بن قیس اور اسکے چچازاد بھائی کے جواب میں

«اِنْطَلِقا فَلا تَسْمَعا لی واعِیَةً وَلا تَرَیا لِی سَواداً فَاِنَّهُ مَنْ سَمِعَ واعِیَتَنا اَوْ رأى سَوادَنا فَلَمْ یُجِبْنا اَوْ یُغِثْنا کانَ حَقّاً عَلَی اللهِ عَزَّوَجَلَّ اَنْ یُکِبَّهُ عَلیٰ مِنْخَرَیْهِ فِی النّارِ.» (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

یُغِیثُنا (اغاث 'اغاثة سے): مدد کے لئے پہنچنا۔ اَکَبَّهُ: اسے منھ کے بل زمین پر پٹخ دیا (یا دے مارا)۔ مِنْخَرَیْن: ناک' نتھنا۔

ترجمہ اور تشریح

«بنی مقاتل» ہی کے مقام پر «عمرو بن قیس مشرقی» اپنے چچازاد بھائی کے ہمراہ حسین ابن علیؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ امامؑ نے اس سے پوچھا: کیا ہماری مدد اور نصرت کے لئے آئے ہو؟ ان دونوں نے جواب دیا: نہیں' کیونکہ ایک تو ہم کثیر العیال ہیں اور دوسرے یہ کہ ہمارے پاس لوگوں کے مالِ تجارت ہیں' ہمیں آپؑ کے انجام کا علم نہیں اور ہم مناسب نہیں

۱۔ عقاب الاعمال' شیخ صدوق۔ص ۳۰۹' رجال کشی۔ص ۴۷۔

سمجھتے کہ لوگوں کا مال و دولت ہمارے ہاتھوں تلف و برباد ہو جائے۔

اس موقع پر امامؑ نے ان دونوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

«اِنْطَلِقا فَلا تَسْمَعالی ..... اس علاقے سے دور چلے جاؤ تاکہ ہماری صدائے استغاثہ تم تک نہ پہنچ سکے اور نہ تم ہمیں دیکھ پاؤ۔ کیونکہ جو کوئی ہماری صدائے استغاثہ کو سنے یا ہمیں دیکھے لیکن ہماری پکار کا مثبت جواب نہ دے، یا ہماری مدد کے لئے نہ آئے تو خدا اسے منہ کے بل (انتہائی ذلت و خواری کے ساتھ) آتش جہنم میں پھینکے گا۔»

سخت سزا

امام علیہ السلام کے مذکورہ جملات اور ان سے ملتے جلتے ان جملات سے، جو آپؑ نے «عبید اللہ ابن حر جعفی» کو مخاطب کر کے نصیحت اور خیر خواہی کے انداز میں ارشاد فرمائے، یہ اہم نکتہ حاصل ہوتا ہے کہ جو لوگ ضرورت کے وقت، اپنے امام اور مذہبی پیشواؤں کی صدائے استغاثہ اور طلبِ نصرت پر لبیک نہ کہیں، انہیں انتہائی ذلت و خواری کے ساتھ سخت عذاب کی سزا بھگتنا پڑے گی۔ کیونکہ امامؑ نے ان دونوں موقعوں پر ان افراد کے بارے میں صرف یہ نہیں فرمایا کہ انہیں جہنم میں ڈال دیا جائے گا بلکہ ان کی سزا اور عذاب کے بارے میں امامؑ کے الفاظ یہ ہیں کہ: اَکَبَّهُ اللهُ عَلیٰ مِنخَرَیْهِ فی نارِ جَهَنَّمَ ۔ اور یہ جملہ انتہائی ذلت کے ساتھ شدید عذاب میں مبتلا کئے جانے کی نشاندہی کرتا ہے۔

ایسا شدید اور ذلت بھرا عذاب کیوں نہ ان لوگوں کا مقدر بنے؟

کیا امام اور پیشوائے برحق کا استغاثہ اور طلبِ نصرت، قرآن، اسلام اور دین حق کی صدائے استغاثہ نہیں؟

کیا امامؑ کا یہ استغاثہ درحقیقت نبی اکرم (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کا مدد کے لئے پکارنا

نہیں اور کیا بنی کریم کا مدد طلب کرنا شدید ترین امرِ الٰہی نہیں؟

البتہ امام علیہ السلام کے جملات میں جس عذاب کا تذکرہ ہوا ہے' وہ صرف ان کے استغاثے کا مثبت جواب نہ دینے والوں تک محدود نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق ہر برحق رہبر اور رہنما کی صدائے استغاثہ سے ہے۔ ایک دن یہ رہبر و رہنما نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذات تھی' ان کے بعد ان کے جانشین ائمۂ ہدیٰ علیہم السلام اور پھر اس سے کمتر درجات میں ائمۂ اطہارؑ کے جانشین یعنی مقامِ ولایتِ فقیہ کی حامل ہستیاں ہیں۔

حرماں نصیبی کی ایک اور مثال

اگر چہ ((عبید اللہ ابن حر جعفی)) نے اس عظیم سعادت اور خوش بختی کو اپنے ہاتھوں سے کھو دیا جو خود اپنے قدموں سے چل کر اسکے دروازے تک آئی تھی۔ اس نے امامؑ کی نصرت اور شہادت کے راستے کو نہیں اپنایا جو اسکی نجات اور کامیابی کا ضامن تھا اور پھر ساری زندگی اس غلطی پر ندامت اور پشیمانی کا اظہار کرتا' آہیں بھرتا اور حسرت سے شعر کہتا رہا' لیکن تاریخ کربلا اس محرومیت اور حرماں نصیبی کے سلسلے میں ((عمرو بن قیس)) کو ((عبید اللہ ابن حر جعفی)) سے کہیں زیادہ بڑے اور مکمل نمونے کے طور پر پیش کرتی ہے۔ کیونکہ جیسا کہ ذکر ہوا ((عبید اللہ ابن حر جعفی)) چند روزہ دنیا پر ایسا مرمٹا تھا اور اسکا ایسا شیفتہ تھا کہ امامؑ کی نصیحت سنتے ہی فوراً اسے مسترد کر کے ایک طرف ہو گیا اور یہ کہہ کر کہ ((واللہ مجھے معاف رکھئے میں موت سے بہت ڈرتا ہوں)) کسی بھی قسم کی ذمے داری قبول کرنے سے یکبارگی انکار کر دیا لیکن ((عمرو بن قیس)) نے پہلے تو معذرت چاہی لیکن بعد میں امام حسینؑ کی نصیحت قبول کر کے اور امامؑ کا کلام: اِنْطَلِقا فَلاَ تَسْمَعَالی وَاعِیَةً (یہاں سے دور چلے جاؤ تا کہ ہماری آواز نہ سن پاؤ) سننے کے بعد اپنے چچا زاد بھائی ((مالک بن نضر ارحبی)) سے جدا ہو کر امامؑ کے اصحاب میں شامل ہو گیا۔ البتہ اس نے امام علیہ السلام کے ساتھ یہ شرط رکھی کہ میں اس وقت تک آپؑ کے ساتھ رہ کر آپؑ کا

دفاع کروں گا' جب تک میرا ساتھ رہنا آپؑ کے لئے کار آمد اور آپؑ کی کامیابی میں موثر ہو گا۔ بصورتِ دیگر آپؑ سے علیحدہ ہونے اور آپؑ کا ساتھ چھوڑنے کے سلسلے میں' میں آزاد اور خود مختار ہوں گا۔

امامؑ نے اسکی یہ مشروط بیعت قبول کر لی اور ((عمرو بن قیس)) ان آخری لمحات میں جبکہ امامؑ کے تمام باوفا اصحاب ایک ایک کر کے جام شہادت نوش کر چکے تھے اور آپؑ کی صدائے استغاثہ بلند تھی' ایک انتہائی تیز رفتار گھوڑے پر سوار ہوا اور امامؑ کو چھوڑ کر فرار ہو گیا۔ اس طرح عین اس وقت جب وہ آگے بڑھ کر شہدا کی صف میں شامل ہو سکتا تھا' اس نے اپنے آپ کو اس عظیم سعادت اور ابدی کامیابی سے محروم کر لیا۔

((طبری)) (۱) نے امامؑ سے اس کی ملاقات اور اسکے علیحدہ ہونے کی تفصیل خود اس کی زبانی نقل کی ہے' جس کا خلاصہ ہم یہاں پیش کرر ہے ہیں: عاشور کے دن جب میں نے دیکھا کہ لشکر کوفہ نے امامؑ کے ساتھیوں کے گھوڑوں کے پیر کاٹنا شروع کر دیئے ہیں تا کہ وہ نا کارہ ہو جائیں' تو میں نے اپنا گھوڑا ایک خالی خیمے میں باندھا اور پیادہ ہو کر دشمن پر حملہ کیا۔ دو افراد کو قتل کیا اور تیسرے کا ہاتھ کاٹ دیا۔ حسین ابن علیؑ مسلسل فرما رہے تھے: **الاتشل لا یقطع اللہ یدک جزاک اللہ.....** (خدا تمہارے ہاتھ سلامت رکھے اور جزائے خیر دے۔)

((عمرو بن قیس)) مزید کہتا ہے: جب میں نے دیکھا کہ ((سوید بن عمرو)) اور ((بشر حضرمی)) کے علاوہ تمام اصحابِ حسینؑ شہید ہو چکے ہیں' تو میں امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوا' اور عرض کیا: اے فرزند رسول! آپؑ جانتے ہیں کہ میرے اور آپؑ کے درمیان ایک شرط طے پائی تھی۔ امامؑ نے فرمایا: ہاں' تم ٹھیک کہتے ہو' لیکن اب یہاں سے بچ کر کیسے جاؤ گے؟ بہر حال' اگر جا سکتے ہو

۱- ((شیخ صدوق)) نے ((عقاب الاعمال)) میں اور ((رجال کشی)) اور ((رجال خوئی)) جنہوں نے اس روایت کا متن نقل کیا ہے اور رجال کی بعض دوسری کتب میں اس شخص کا نام ((عمرو بن قیس شرقی)) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

تو میری طرف سے آزاد ہو۔

عمرو بن قیس کہتا ہے: جب امامؑ نے مجھے اجازت دے دی اور اپنی بیعت مجھ سے اٹھالی تو میں نے خیمے میں سے اپنا گھوڑا نکالا' اس پر سوار ہوا' اسے زوردار چابک رسید کئے اور دشمن کی صفوں کا ایک کونہ چیر کر تیزی سے باہر نکل گیا۔ دشمن کے پندرہ افراد نے میرا تعاقب کیا اور فرات کے کنارے واقع ((شفیہ)) نامی دیہات کے قریب وہ مجھ تک پہنچ گئے۔ جب میں پلٹا تو ان میں سے تین افراد نے مجھے پہچان لیا اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میرا پیچھا چھوڑ دیں۔ یوں میں یقینی موت سے بچ گیا۔

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ) درج ہے' لیکن تاریخ طبری کی جلد ۶' صفحہ ۲۳۸ تا ۲۵۵ میں کئی مرتبہ اس کا نام ((ضحاک بن عبداللہ شرقی)) لکھا ہے۔ ماہرین رجال اور طبری کی عبارات کو دیکھتے ہوئے ظاہراً ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ((عمرو)) اور ((ضحاک)) دو الگ الگ افراد تھے اور علیحدہ علیحدہ سفر کرتے ہوئے دو مختلف جگھوں پر امام سے آ کے ملے تھے لیکن امامؑ سے ہونے والی گفتگو اور ان کا معذرت کرنا ایک ہی جیسا تھا اور وہ شخص جو عاشورا کے دن تک امامؑ کے ہمراہ تھا' اور روزِ عاشور میدان جنگ چھوڑ کر گیا وہ ((ضحاک شرقی)) تھا۔

لیکن ہمارے خیال میں اور متعدد دلائل کی روشنی میں ((عمرو بن قیس شرقی)) ہی ((ضحاک شرقی)) ہے اور راویوں اور ماہرین رجال کے درمیان نام ولقب یا کنیت کے بارے میں بکثرت اختلاف پیش آتا ہے اور اسکا ایک نمونہ آپ آئندہ صفحات میں بھی ملاحظہ فرمائیں گے۔ خاص کر ((ضحاک)) یا ((قیس شرقی)) کے امام حسینؑ کی مدد سے منھ موڑ لینے اور اصحابِ امامؑ میں ان کا شمار نہ ہونے کی وجہ سے ماہرین رجال نے ان کے حالاتِ زندگی پر زیادہ غور وخوض نہیں کیا۔ بہر حال قیس اور ضحاک کے دو علیحدہ علیحدہ افراد ہونے کی صورت میں طبری کے بقول یہ ((حرماں نصیب)) ضحاک شرقی تھا۔ طبری نے امامؑ سے اس کی ملاقات اور پھر فرار کے علاوہ میدان کربلا اور عاشورا کے کئی واقعات ((ابو مخنف)) کے توسط سے اس سے نقل کئے ہیں۔

۴۰

کربلا کے نزدیک

«اِنّاَلِلّٰهِ وَاِنّآ اِلَيهِ رٰجِعُونَ وَالحَمدُلِلّٰهِ ربِّ العالمين.

..... اِنّی خَفقتُ بِرأسی فَعَنَّ لی فٰارِسٌ وَهُو يقُولُ :

اَلْقَوْمُ يَسْرُونَ وَالْمَنٰايٰا تَسرِي اِلَيْهِم فَعَلِمتُ اَنّهٰا

اَنفُسُنٰا نُعِيَتْ اِلَيْنٰا

..... جَزٰاکَ اللهُ مِنْ وَلَدٍ خَيْرَ مٰا جَزیٰ وَلَداً عَنْ

والِدِهِ .»(۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

خَفَقَ بِرَأسِهِ: غنودگی، آنکھ لگ جانا۔ عَنَّ: ظاہر ہوا۔ یَسْرُونَ (سَری سے): رات کو سفر کرنا۔ مَنٰایٰا (منیه کی جمع): موت۔ نُعِيَت (نعیٰ ینعیٰ کا مجہول): موت کی خبر دینا۔

۱-انساب الاشراف-ج ۳-ص ۱۸۵-تاریخ طبری-ج ۷-ص ۳۰۶، تاریخ کامل ابن اثیر-ج ۳-ص ۲۸۲، خوارزمی-ج ۱-ص ۲۲۶ اور طبقات ابن سعد-لیکن سید ابن طاؤس نے لہوف میں فرمایا ہے کہ یہ واقعہ ثعلبیہ کے مقام پر پیش آیا۔

ترجمہ اور تشریح

امامؑ ((قصر بنی مقاتل)) کے مقام پر منزل کئے ہوئے تھے۔ رات کے آخری پہر آپؑ نے جوانوں کو حکم دیا کہ مشکیزوں کو پانی سے بھر کر اگلی منزل کی طرف سفر شروع کریں۔ قافلے کا سفر جاری تھا کہ ناگہاں امامؑ کی آواز سنائی دی۔ آپؑ مسلسل کلمۂ استرجاع: اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ وَالحَمدُللّٰہِ ربِّ العالمین. دُہرا رہے تھے۔

آپؑ کے دلیر اور شجاع فرزند علی اکبرؑ نے کلمۂ استرجاع پڑھنے کا سبب دریافت کیا تو امامؑ نے جواب دیا:

((اِنّی خَفِقتُ بِرَأسی .... میں گھوڑے کی زین پر سر رکھے تھا، اسی اثنا میں مجھ پر ہلکی سی نیند طاری ہوگئی۔ اس حال میں، میں نے ایک گھڑسوار کو دیکھا جو کہہ رہا تھا کہ: یہ لوگ اپنے سفر پر گامزن ہیں اور موت ان کا پیچھا کر رہی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ یہ ہمارے بارے میں کہہ رہا ہے اور یہ ہماری موت کی خبر ہے۔))

حضرت علی اکبرؑ نے عرض کیا: لاٰاَراکَ اللّٰہُ بِسُوءٍ اَلَسنا عَلَی الْحَقِّ ؟ (خدا برا وقت نہ لائے، لیکن کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟)

امامؑ نے جواب دیا: یقیناً ہم حق پر ہیں۔

علی اکبرؑ نے دوبارہ عرض کیا: اِذاً لاٰنُبالی اَنْ نَموتَ مُحِقّینَ (جب ہم حق پر ہیں تو ہمیں موت کی کوئی پروا نہیں۔)

اس موقع پر امامؑ نے انہیں دعا دی اور یوں فرمایا:

((جَزاکَ اللّٰہُ مِنْ وَلَدٍ..... خدا تمہیں بہترین جزا دے جو بیٹے کو اس کے باپ کی طرف سے ملتی ہے۔))

یقیناً اگر جنگ، موت، جد و جہد اور انقلاب سب حق کی خاطر ہو تو ایسی موت سے کوئی باک نہیں اور یہ وہ درس ہے جو امامؑ نے نہ صرف اپنے بیٹے بلکہ اپنے تمام پیروکاروں کو دیا ہے۔

کربلا میں

۴۱
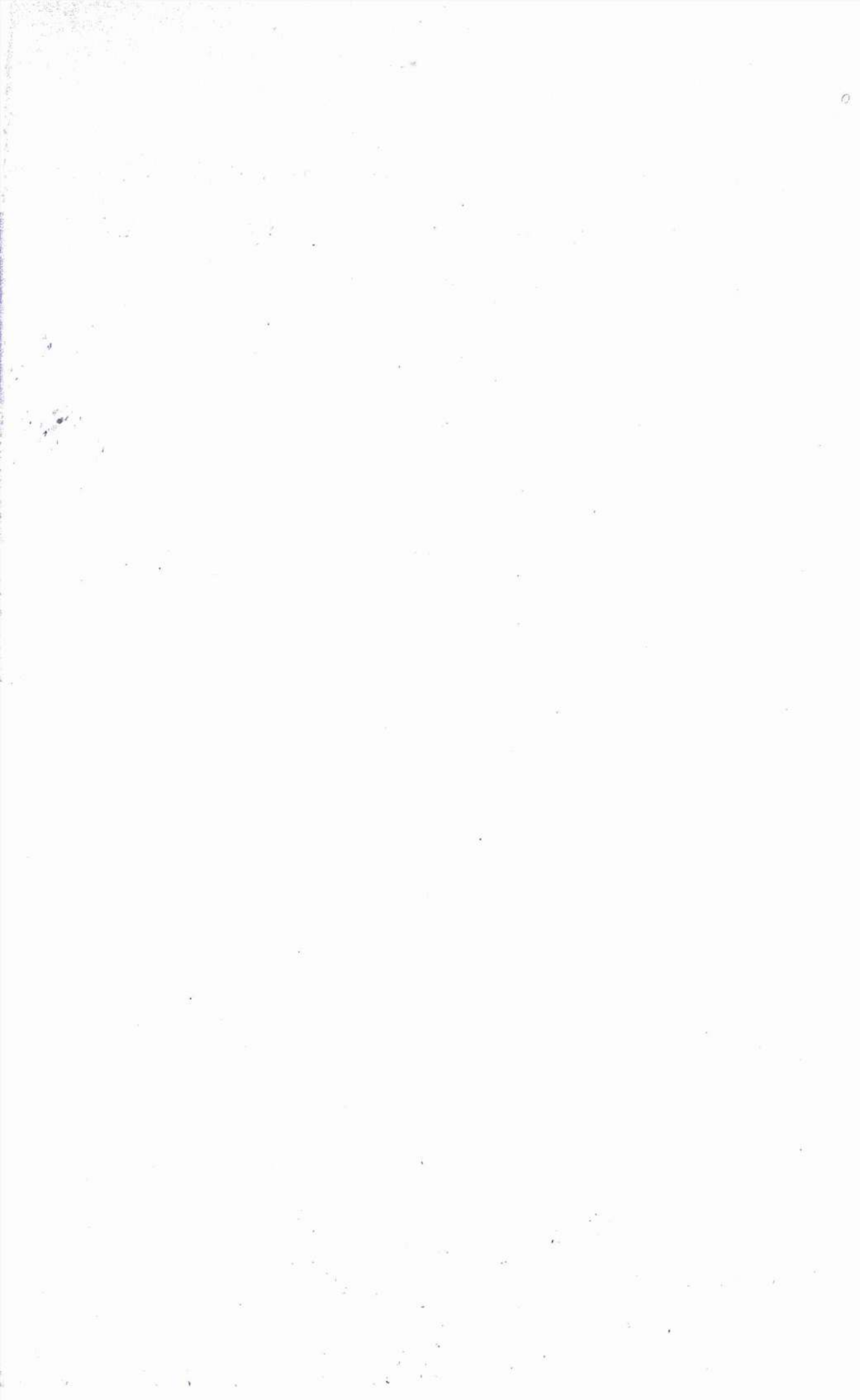
کربلا پہنچنے کے وقت

"مَا کُنتُ لأ بْدَأهُمْ بِالْقِتَالِ (۱)

"...... اَللّٰھُمَّ اَعُوذُبِکَ مِنَ الْکَرْبِ وَ الْبَلاءِ ھَاھُنَا مَحَطُّ رِحَالِنَا وھَا ھُنَا وَاللّٰہِ مَحَلُّ قُبُورِنَا وَھَا ھُنَا وَاللّٰہِ مَحْشَرُنَا وَمَنْشَرُنَا وَبِھٰذَا وَعَدَنِی جَدِّی رَسُول اللّٰہ (ص) وَلاَ خِلاَفَ لِوَعْدِہِ."(۲)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

مَحَط :اترنے کی جگہ۔ رَحل: مسافر کا سامان۔ مَحْشَر : اٹھائے جانے کا دن اور جگہ۔ مَنْشَر : وہ جگہ جہاں قیامت کے دن دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔

ترجمہ اور تشریح

امام حسینؑ کا قافلہ اور لشکرِ حر ایک دوسرے کے متوازی چلتے ہوئے ساتھ ساتھ آگے بڑھتے رہے، یہاں تک کہ "نینوا" کے مقام پر پہنچے۔ یہاں تیز رفتار گھوڑے پر سوار ایک مسلح شخص ان کے نزدیک آیا۔ یہ شخص ابن زیاد کا قاصد تھا اور اس کی طرف سے "حر" کے نام ایک

۱-تاریخ طبری - ج ۷-ص ۳۰۸، تاریخ کامل ابن اثیر- ج ۳ -ص ۲۸۲، مقتل خوارزمی - ج ۱-ص ۲۳۴۔
۲-نور الثقلین - ج ۴-ص ۲۲۱، بحار الانوار- ج ۱۰-ص ۱۸۸۔

خط لے کر آیا تھا۔ خط کا مضمون یہ تھا: یہ خط پاتے ہی حسین کے ساتھ سختی سے پیش آؤ اور انہیں ایک ایسے بیابان میں اترنے پر مجبور کر دو جہاں نہ پانی ہو اور نہ کوئی پناہ گاہ۔

((حر)) نے یہ خط امام علیہ السلام کو پڑھ کر سنایا اور انہیں اپنی اس نئی ذمے داری سے مطلع کیا۔ امامؑ نے فرمایا: ہمیں نینوا' غاضریات یا شفیہ میں اتر کر قیام کرنے دو۔

((حر)) نے کہا: میں آپ کی اس تجویز کو قبول کرنے سے عاجز ہوں کیونکہ اب میں خود سے فیصلہ نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ یہ قاصد ابن زیاد کا جاسوس بھی ہے اور میری تمام حرکات و سکنات پر نظر رکھے ہوئے ہے۔

اس دوران ((زہیر ابن قین)) نے امامؑ کو مشورہ دیا کہ ہمارے لئے اس مختصر لشکر سے جنگ کرنا' ان کے پیچھے آنے والے کثیر افراد سے جنگ کرنے کی نسبت زیادہ آسان ہے کیونکہ خدا کی قسم کچھ ہی دیر بعد بہت سے لشکر ان کی مدد کو آ پہنچیں گے اور پھر ان سب کا مقابلہ کرنا ہمارے لئے ممکن نہیں ہوگا۔

امامؑ نے زہیر کے اس مشورے کے جواب میں فرمایا:

((مَا كُنتُ لأَ بْدَأَهُمْ بِالْقِتَالِ.))

((میں کبھی ان کے ساتھ جنگ میں پہل نہیں کروں گا۔))

اس کے بعد امامؑ نے ((حر)) سے مخاطب ہو کے فرمایا: بہتر ہے کہ کچھ اور آگے بڑھ کر' ٹھہرنے کے لئے کسی زیادہ مناسب جگہ کا انتخاب کریں۔ ((حر)) نے آپؑ کی تجویز سے اتفاق کیا اور دونوں قافلے آگے بڑھنے لگے' یہاں تک کہ ((کربلا)) پہنچ گئے۔ یہاں پہنچ کر ((حر)) کے لشکر نے یہ دیکھتے ہوئے کہ یہ جگہ ((فرات)) سے نزدیک ہے اور پڑاؤ کے لئے مناسب ہے' امامؑ کو مزید آگے بڑھنے سے روک دیا۔

امام حسینؑ نے یہاں اترنے کا فیصلہ کرنے کے بعد اس جگہ کا نام دریافت کیا۔ آپؑ کو بتایا گیا کہ اس جگہ کو ((طف)) کہتے ہیں۔ امامؑ نے پوچھا: کیا اس کا کوئی اور نام بھی ہے؟ عرض کیا

گیا: اسے ((کربلا)) بھی کہتے ہیں۔

امامؑ نے ((کربلا)) کا نام سنتے ہی فرمایا:

((اَللّٰھُمَّ اَعُوذُبِکَ مِنَ الْکَرْبِ وَ الْبَلاءِ.... بارِالٰہا! رنج وغم سے میں تیری پناہ مانگتا ہوں۔ (پھر فرمایا:) یہی ہمارے ٹھہرنے کی جگہ ہے۔ خدا کی قسم یہی ہماری قبروں کا مقام ہے، خدا کی قسم ہم یہیں سے قیامت کے دن زندہ کئے اور اٹھائے جائیں گے۔ میرے جدِ امجد نے اسی کا وعدہ کیا تھا اور ان کا وعدہ کبھی جھوٹا نہیں ہوتا۔))

ان جملات کا مفہوم

امامؑ کے ان جملات میں تین اہم اور قابل توجہ نکات پائے جاتے ہیں۔

۱ – جیسا کہ ہم نے کئی مرتبہ اس جانب اشارہ کیا ہے اور امامؑ کے کلمات میں مختلف مواقع پر بارہا، کبھی صریحاً اور کبھی اشارتاً ذکر ہوا ہے کہ حسین ابن علیؑ کربلا کے خونین واقعے سے مکمل طور پر آگاہ اور باخبر تھے۔ اس موقع پر بھی امام علیہ السلام نے نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی حدیث کو سند بناتے ہوئے اس واقعے کے محلِ وقوع (کربلا) اور دیگر جزئیات کی جانب اشارہ کیا ہے۔

۲ – دوسرا اہم نکتہ جنگ کے مسئلے میں وہ طریقۂ کار اور اصول ہے جس کی امام حسینؑ پیروی کر رہے تھے۔ زہیر ابن قین کے بقول، ان حالات میں جنگ کرنا لشکر امامؑ کے فائدے میں تھا اور تاخیر کی صورت میں نتیجہ بالکل الٹ تھا اور شکست یقینی تھی، لیکن ان حالات کے باوجود امامؑ نے اپنے جنگی اصول کا یہ کہہ کر اعلان فرمایا کہ: میں کبھی جنگ میں پہل نہیں کروں گا۔

یہ وہی اصول ہے جس کا جنگِ جمل میں امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے اپنے

اصحاب کے لئے اعلان فرمایا تھا' جب آپؑ اپنے جانی دشمن کے مقابل ایستادہ تھے۔ دشمن بھی وہ دشمن جس نے دو مرتبہ حملہ کر کے بصرہ میں مقیم مولائے کائناتؑ کے مخلص ترین شیعوں کو تہہ تیغ کیا تھا۔ آپؑ نے فرمایا: لَا تَبْدَأُوا الْقَوْمَ بِالْقِتَالِ ..... ان کے ساتھ جنگ میں ابتدا نہ کرو اپنی تلواروں اور نیزوں سے ان پر حملے نہ کرو اور ان سے پہلے کسی کا خون نہ بہاؤ۔ نرمی' مہربانی' ملائمت اور محبت کے ساتھ ان سے بات چیت کرو (تا کہ وہ جنگ و جدال پر آمادہ نہ ہوں)۔(۱)

۳- ائمۂ ہدیٰ اور مذہبی پیشواؤں کا بنیادی مقصد انسانوں کی اصلاح' گمراہی کی روک تھام اور امام حسینؑ کے بقول ((امر بالمعروف اور نہی عن المنکر)) ہے۔ اس مقصد کا حصول طاقت کے بل بوتے پر جنگ و غارتگری کے ذریعے ممکن نہیں بلکہ جب کوئی اور راستہ باقی نہ رہے' تمام دوسرے راستے مسدود ہو جائیں' تب آخری تدبیر کے طور پر جنگ کا سہارا لیا جاتا ہے۔

مختصر یہ کہ ان خاص حالات میں حسین ابن علیؑ نے ((زہیر ابن قین)) کو جو جواب دیا' وہ اس بات پر ایک اور دلیل ہے کہ اس تحریک کے ذریعے امام حسینؑ کا مقصد ظاہری جنگی کامیابی کا حصول نہ تھا بلکہ امامؑ اس سے کہیں بڑھ کر اعلیٰ اور وسیع تر اہداف و مقاصد حاصل کرنا چاہتے تھے۔

۱- مستدرک حاکم- ج ۲- ص ۳۷۱' کنز العمال- ج ۶- ص ۸۵- حدیث ۱۳۱۱۔

۴۲

کربلا پہنچنے کے بعد امامؑ کا خطاب

«.....اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ نَزَلَ بِنا مِنَ الأ مْرِ ماقَدْتَرَوْنَ وَانَّ الدُّنیا قَدْ تَغیَّرَتْ وَتَنکَّرَتْ وَاَدْبَرَ مَعْرُوفها وَلَمْ یَبْقِ مِنْها اِلاّ صُبابَةٌ کَصُبابَةِ الإِ ناءِ وَخَسیسُ عَیْشٍ کَالْمَرْعی الْوَبیلِ اَلا تَرَوْنَ اِلَی الْحَقّ لا یُعْمَلُ بِهِ وَالَی الْباطِلِ لا یُتَناهیٰ عَنْهُ لِیَرْغَبَ الْمُؤْمِن فِی لِقاءِ اللهِ فَاِنّی لا اَرَی الْموتَ اِلاّ سَعادَةً وَالْحَیاةَ مَعَ الظّالِمینَ اِلا بَرَماً ، النّاسُ عَبیدُ الدُّنیا وَالدّینُ لَعِقٌ عَلیٰ اَلْسِنَتِهِمْ یَحُوطُونَهُ مادَرَّتْ مَعایِشُهُمْ فَاِذا مُحِّصوا بِالْبَلاءِ قَلَّ الدَّیّانونَ»(۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

تَنکُّر : بری شکل وصورت میں ظاہر ہونا۔ اِدْبار : رخ پھیر لینا۔ صُبابَہ : پیالے کی تہہ

۱۔تحف العقول۔ص۱۷۴، تاریخ طبری۔ ج۷۔ص۳۰۰، مثیر الاحزان۔ص۲۲، ابن عساکر۔ص۲۱۴، مقتل خوارزمی۔ج۲۔ص۵، لہوف۔ص۶۹۔

«طبری» اور «ابن نما» کے بقول امام علیہ السلام نے یہ خطبہ «ذی حسم» کے مقام پر ارشاد فرمایا۔ مذکورہ بالا بعض کتب میں خطبے کی ابتدا میں الناس کا لفظ آیا ہے لیکن ہم نے «تحف العقول» کی روایت نقل کی ہے۔

میں باقی بچاہوا پانی۔ خسیس عَیْشٍ: ذلت وخواری کی زندگی۔ مَرْعَی الْوبیل: ایسی سخت اور چٹیل زمین جس میں بہت کم گھاس سبز ہو۔ بَـرَم (فَـرَس کے وزن پر): رنج وتکلیف۔ عَبِید (عَبد کی جمع): غلام۔ لَعُق (مصدر ہے جس کے معنی مفعول کے ہیں): شہد کی مانند ایسی میٹھی چیزیں جنہیں انگلی سے چاٹا جاتا ہے۔ یَحُوطُونهُ (حَاطَ یَحُوطُهُ سے): کسی چیز کی حفاظت کرنا اور اس کا دفاع کرنا۔ دَرّ: خوشی اور انتہائی آسائش۔ مَعَایِش (معیشه کی جمع): جس پر زندگی گزارنے کا انحصار ہو۔ مُحِّصُوا (تَمْحِیص سے): کسی امتحان میں ڈالنا۔

ترجمہ اور تشریح

امام حسین علیہ السلام ۲ محرم ۶۱ ھ کو کربلا پہنچے اور کچھ دیر توقف کے بعد اپنے اصحاب اور اہل بیت کے سامنے یہ خطبہ ارشاد فرمایا:

«...اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ نَزَلَ بِنَا مِنَ الاَمْرِ ..... امابعد، معاملات نے ہمارے ساتھ جو صورت اختیار کر لی ہے، وہ آپ کے سامنے ہے۔ یقیناً دنیا نے رنگ بدل لیا ہے اور بہت بری شکل اختیار کر گئی ہے۔ اس کی بھلائیوں نے منہ پھیر لیا ہے اور نیکیاں ختم ہوگئی ہیں اور اب اس میں اتنی ہی اچھائیاں باقی بچی ہیں جتنی کسی برتن کی تہہ میں باقی رہ جانے والا پانی۔ اب زندگی ایسی ہی ذلت آمیز اور پست ہوگئی ہے جیسا کوئی سنگلاخ اور چٹیل میدان۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ حق پر عمل نہیں ہورہا، اور کوئی باطل سے روکنے والا نہیں ہے۔ ان حالات میں مردِ مومن کو چاہئے کہ وہ خدا سے ملنے کی آرزو کرے۔ میں جانبازی اور شجاعت کی موت کو ایک سعادت سمجھتا ہوں اور ظالموں کے ساتھ زندگی گزارنا میرے نزدیک ذلت اور حقارت ہے۔»

امامؑ نے مزید فرمایا:

«اَلنَّاسُ عَبِيدُ الدُّنْيَا ..... لوگ دنیا کے غلام ہیں اور دین صرف ان کی زبانوں پر رہتا ہے۔ یہ بس اس وقت تک دین کے حامی ہیں جب تک ان کی زندگی آرام و آسائش سے گزرے' اور جب امتحان میں ڈالے جائیں تو دیندار بہت کم رہ جاتے ہیں۔»

امامؑ کے اس خطبے کا مفہوم

یہ خطبہ کربلا کی سرزمین پر امام علیہ السلام کا پہلا خطبہ تھا اور اس میں امامؑ نے درج ذیل دو انتہائی اہم نکات کی نشاندہی فرمائی ہے:

۱- جدوجہد کا سبب: جیسا کہ گزشتہ صفحات میں امام حسین علیہ السلام کے خطبات کے ضمن میں اشارہ کیا گیا ہے کہ آپؑ نے اپنی جدوجہد کے مختلف علل واسباب بیان فرمائے ہیں۔ جن میں مجموعی طور پر حکومتِ یزید کی مخالفت' احکام اسلامی میں لائی جانے والی تبدیلیاں اور بالآخر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ذکر کیا ہے۔ یہی تمام علل واسباب امامؑ کے اس خطبے میں ایک مرتبہ پھر بیان ہوئے ہیں۔

اب جبکہ حالات بدل چکے ہیں' برائیاں ظاہر ہو چکی ہیں' اعلیٰ اقدار اور فضائل پامال کئے جا چکے ہیں' ذلت اور پستی لوگوں کی زندگیوں پر چھا گئی ہے' نہ حق پر عمل ہوتا ہے اور نہ باطل کی روک تھام کی جا رہی ہے۔ تو ایسے حالات میں مومن اور دیندار شخص کا تبدیلی کی جدوجہد کے دوران شہادت اور خدا سے ملاقات کی آرزو کرنا' بالکل بجا ہے اور امام عالی مقام حسین ابن علیؑ اس بافضیلت مومن کے عالی ترین مصداق ہیں' لہٰذا ان حالات میں آپؑ موت کو سعادت سمجھتے ہیں اور ایسی زندگی آپؑ کے نزدیک اذیت وآزار اور تدریجی موت کے سوا کچھ اور نہیں ہے۔

۲- مسئلۂ امتحان: دوسرا نکتہ آزمائش اور امتحان کا موضوع ہے جو حقائق کی تشخیص' شخصیات کے افکار و خیالات اور انسانوں کی اصلیت جاننے کا بہترین ذریعہ ہے' چاہے یہ وہ

افراد ہوں جو اپنے آپ کو مومن ظاہر کرتے ہیں' یا وہ گروہ ہوں جو پرزور وشور نعرے بازی کرتے ہیں اور خواہ وہ اشخاص ہوں جو بظاہر حق پرست اور دیندار نظر آتے ہیں۔ ان تمام افراد کے اصلی چہرے اور ان کی حقیقت اس وقت تک واضح نہیں ہوتی جب تک مصیبتوں' مشکلات' جنگ و جہاد' اور ایسے حالات کے ذریعے ان کی آزمائش و امتحان نہ کرلیا جائے جن میں نہ صرف ان کے مادّی مفادات بلکہ جان کو بھی خطرہ لاحق ہو۔

اب جبکہ فرزند فاطمہؑ اللہ کی جانب رواں دواں ہیں اور سرزمینِ عشق وشہادت سے گزر رہے ہیں' تو اس موقع پر وہ بہت سے لوگ دور دور تک نظر نہیں آ رہے جو دین کا دم بھرا کرتے تھے' اور مسلمانوں کے درمیان مذہبی شخصیات کے طور پر پہچانے جاتے تھے۔

فرزند رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اسلام اور قرآن کی راہ میں' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے اسلام کے دیرینہ دشمن کے سامنے صف بستہ ہیں۔ وہ اپنی شہادت' اپنے خاندان کی قربانی' اور اہل حرم کی اسیری کے لئے تیار ہیں' لیکن دوسرے (دیندار افراد) آپؑ کے شانہ بشانہ چلنے اور آپؑ کی آواز سے آواز ملانے پر تیار نہیں۔ عبداللہ ابن عباس' عبداللہ ابن زبیر' عبداللہ ابن عمر یہ وہ افراد ہیں جو اپنے آپ کو نمایاں مذہبی شخصیات میں سے سمجھتے ہیں اور دین کی وجہ سے لوگوں کے درمیان محبوبیت اور احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ اب جبکہ احیائے اسلام اور مسلمانوں کی آزادی کی راہ میں شہادت اور قید و بند کا مسئلہ درپیش ہے تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے مسلمانوں کے درمیان ان کا کوئی وجود ہی نہ ہو۔

سختیوں اور مشکلات ہی کے ذریعے بلند مرتبہ اور حقیقی مردوں اور مصنوعی' جھوٹے اور عام حالات میں سب سے بڑے مسلمان اور سب سے زیادہ مذہبی نظر آنے والے لوگوں کی پہچان ہوتی ہے اور ان کے چہروں پر پڑا ہوا نقاب اترتا ہے کہ: فَاذَا مُحِّصوا بِالبَلاءِ قَلَّ الدَّیّانُونَ . (جب امتحان میں ڈالے جائیں تو دیندار بہت کم رہ جاتے ہیں۔)

۴۳

محمد بن حنفیہ کے نام ایک خط

«بسم اللہ الرحمن الرحیم من الحسین بن علی (علیه السلام) الی محمد بن علی (علیه السلام) ومَن قِبَله من بنی هاشم اَمَّا بَعْدُ، فکَاَنَّ الدُّنیا لَمْ تکُنْ وکَاَنَّ الاٰخِرَةَ لَمْ تَزَلْ. والسلام.»(۱)

ترجمہ اور تشریح

«ابن قولویہ» نے «کامل الزیارات» میں امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ امام حسینؑ نے کربلا پہنچنے کے بعد محمد ابن حنفیہ اور بنی ہاشم کے ان افراد کے نام ایک خط تحریر کیا جو امامؑ کے ساتھ سفر میں شامل نہیں ہوئے تھے۔ اس خط کا مضمون یہ ہے:

«بسم اللہ الرحمن الرحیم .... حسین ابن علی کی طرف سے محمد ابن علی اور ان کے ساتھ رہنے والے بنی ہاشم کے افراد کے نام۔ اما بعد، گویا دنیا تھی ہی نہیں اور آخرت ہی سب کچھ ہے۔ والسلام۔»

امام علیہ السلام کا یہ کلام دنیا اور عالمِ آخرت کے بارے میں آپؑ کے اسی نظریئے کی

۱- کامل الزیارات- ص ۷۵۔

نشاندہی کرتا ہے جو تمام ائمۂ اطہارؑ کا نظریہ ہے۔ آپؑ کا نظریہ بھی یہ ہے کہ اگر دنیا سے الٰہی فریضے اور ذمے داری کی ادائیگی کو منہا کر دیا جائے، تو پھر اس دنیا کی کوئی قدر و قیمت، وقعت اور اہمیت نہیں۔ کیونکہ کسی عارضی اور قابلِ زوال چیز کو اس سے زیادہ اہمیت نہیں دی جاسکتی۔ آپؑ کی نظر میں یہ پوری دنیاوی زندگی، اس کی لذتیں، مال و منال اور جاہ و حشم اور اس کی مشکلات، تکالیف اور اذیت و آزار، یکساں اور مساوی حیثیت رکھتی ہیں۔ آپؑ کی نگاہ میں ان دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں۔

لیکن آپؑ کے نزدیک عالمِ آخرت بے حساب اور لامحدود عظمت کا مالک ہے، اور اسے کسی بھی پیمانے اور کسی بھی ترازو سے نہیں تولہ جاسکتا۔ کیونکہ عالم آخرت دائمی اور ہمیشہ ہمیش رہنے والا ہے، زوال و فنا کا اسمیں گزر نہیں۔ اس کی سعادت و کامیابی، اسکی لذت و سرور دائمی، ناقابل زوال اور سب سے بڑھ کر خدا کی رضا و رضوان اسی میں ہے۔ اسی طرح آخرت کی تکالیف اور اذیتیں بھی کبھی نہ ختم ہونے والی ہیں۔

اس طرزِ تفکر کے نتیجے میں دنیا کو اس کی لذتوں، آسائشوں اور جاہ و جلال کے باوجود ترک کر دینا اور اس کے زرق و برق سے بے اعتنائی کرتے ہوئے آخرت سے تعلق قائم کرنا، انتہائی آسان اور فطری ہو جاتا ہے۔ ایسے انسان کے لئے دنیا کی تکالیف اور اذیت و آزار پر صبر کرنا نہ صرف قابل برداشت بلکہ لذت بخش اور شیریں ہوتا ہے۔

امام حسینؑ نے جس طرح اس طرزِ تفکر کو اپنے الفاظ میں بیان کیا ہے، اسی طرح اپنے عمل سے بھی اسکا اظہار کیا ہے اور تصورات اور عقائد کے مرحلے سے نکال کر برسرِ زمین اس پر عمل کر کے بھی دکھایا ہے۔

امامؑ نے اس کلام میں انتہائی سادہ اور مختصر الفاظ میں، ایک طرف تو اپنے بھائی محمد بن حنفیہ اور اپنے قبیلے کے افراد کے لئے دنیا اور آخرت کی حقیقت کو بیان کیا ہے اور زندگی کے آخری لمحات میں انہیں اپنے مواعظِ حسنہ سے مستفید فرمایا ہے، اور دوسری طرف تمام دنیا والوں

اور خاص کر معاشرے کی ہدایت اور رہبری کے ذمے دار مذہبی راہنماؤں کے لئے اس راہ کا تعین کیا ہے، اور اس طرزِ تفکر کی تعلیم فرمائی ہے جس کا انہیں حامل ہونا ضروری ہے۔

۴۴

ابن زیاد کے خط کے جواب میں

«لاٰ اَفْلَحَ قَوْمٌ اِشْتَرَوْا مَرْضاٰتَ الْمَخْلُوْقِ بِسَخَطِ الْخالِقِ.

.....ماٰ لَهُ عِنْدِی جَوابٌ لِاَنَّهُ حَقَّتْ عَلَیْهِ کَلِمَةُ الْعَذابِ.» (۱)

ترجمہ اور تشریح

«حرابن یزید ریاحی» نے ایک خط کے ذریعے ابن زیاد کو امامؑ کے کربلا پہنچنے کی اطلاع دی۔ یہ خبر پا کر ابن زیاد نے امام حسینؑ کے نام ایک خط ارسال کیا، جس کا متن یہ ہے: امابعد، مجھے آپ کے کربلا پہنچنے کی اطلاع ملی ہے۔ امیرالمومنین یزید ابن معاویہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ اس وقت تک چین سے نہ سوؤں اور سیر ہو کر کھانا نہ کھاؤں جب تک یا تو آپ کو قتل نہ کر دوں یا پھر آپ میرا حکم قبول کرتے ہوئے یزید کی حکومت کے مطیع نہ ہو جائیں۔ والسلام۔

امامؑ نے ابن زیاد کا یہ خط پڑھ کر اسے زمین پر پھینک دیا اور فرمایا:

«لاٰ اَفْلَحَ قَوْمٌ اِشْتَرَوْا ..... وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی جو خالق کی

۱۔ مقتل خوارزمی۔ ج۱۔ ص۲۳۹، بحارالانوار۔ ج۱۰۔ ص۱۸۹۔

ناراضگی کی قیمت پر مخلوق کی خوشنودی اور رضا حاصل کرے۔))

پھر جب قاصد نے خط کا جواب مانگا تو آپؑ نے اس کے جواب میں یہ جملہ ارشاد فرمایا:

((ما لَهُ عِندِی جَوابٌ لِاَنَّهُ حَقَّتْ عَلَیهِ کَلِمَةُ العَذابِ .))

((اس (ابن زیاد) کے لئے ہمارے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے لئے اللہ کا عذاب طے ہو چکا ہے۔))

یعنی اس نے اللہ سے دشمنی اور جنگ کا راستہ اختیار کیا ہے۔

جب واپس جا کے قاصد نے ابن زیاد کو اس کے خط پر امامؑ کے ردعمل سے آگاہ کیا تو وہ سیخ پا ہو گیا، اور غصے میں پیچ و تاب کھانے لگا۔

درحقیقت امامؑ کا جواب وہی پیغام تھا جو آپؑ نے عاشورہ کے دن دیا اور فرمایا کہ:

((ان الدّعی ابن الدّعی قدر کزنی بین اثنتین بین السّلّة و الذلّة و هیهات منّا الذلّة یأبی الله لنا ذلک و رَسُولُهُ.....))

۴۵

عمر ابن سعد سے گفتگو

«یَابُنَ سَعْدِ وَیُحکَ اَتُقَاتِلُنِی ؟ اَمَا تَتقی اللہ اَلذَّی اِلَیهِ مَعَادُکَ فَا نابُنُ مَنْ عَلِمْتَ اَلا تکُونُ مَعی وتَدَعُ هٰؤُلاءِ فَاِنَهُ اَقْرَبُ اِلَی اللہ تعالیٰ.

... مَالَکَ ذَبَّحَکَ اللہ عُلٰی فِراشِکَ عَاجِلاً وَلاَ غَفَرَلَکَ یَوْمَ حَشْرِکَ فَوَاللہ اِنّی لاَ رْجُو اَنْ لاَ تَأ کُلَ مِنْ بُرِّ الْعِراقِ اِلاّ یَسیراً.....» (۱)

ترجمہ اور تشریح

«خطیب خوارزمی» نے نقل کیا ہے کہ حسین ابن علیؑ نے اپنے ایک ساتھی «عمرو ابن قرظہ انصاری» کی وساطت سے عمر ابن سعد کو ملاقات کرنے اور باہمی گفت وشنید کا پیغام بھجوایا۔ عمر ابن سعد نے امام کی اس تجویز سے اتفاق کیا۔ اور آپؑ رات کے وقت (۲) اپنے بیس ساتھیوں کے ہمراہ اس خیمے میں تشریف لے گئے جو دونوں لشکروں کے بیچ میں لگایا گیا تھا۔ امامؑ

۱۔ مقتل خوارزمی۔ ج ۱۔ ص ۲۴۵۔

۲۔ قرآئن سے پتا چلتا ہے کہ یہ ملاقات آٹھ یا نو محرم کی رات کو ہوئی۔

نے حکم دیا کہ ان کے بھائی ابوالفضلؑ اور بیٹے علی اکبرؑ کے سوا کوئی خیمے میں داخل نہ ہو۔ عمر ابن سعد نے بھی اپنے ساتھیوں کو جن کی تعداد بیس ہی تھی یہی حکم دیا اور اس کے ہمراہ اس کا بیٹا ((حفص)) اور خاص غلام خیمے میں گئے۔

امامؑ نے اس ملاقات میں عمر ابن سعد سے مخاطب ہو کر فرمایا:

((یَابْنَ سَعْدِ ..... اے ابن سعد! کیا مجھ سے لڑنا چاہتے ہو؟ کیا تمہیں خدا کا کچھ خوف نہیں جس کی طرف تمہیں پلٹنا ہے؟ میں اس کا بیٹا ہوں جسے تم اچھی طرح جانتے ہو۔ انہیں (بنی امیہ کو) چھوڑ کر میرے ساتھ ہو جاؤ کہ یہی خدا کے نزدیک (پسندیدہ) ہے؟))

عمر ابن سعد نے جواب دیا: اگر آپکا ساتھ دوں تو مجھے ڈر ہے کہ یہ لوگ کوفہ میں میرا گھر ڈھا دیں گے۔

امامؑ نے فرمایا: میں اپنے خرچے پر تمہارا گھر بنوا دوں گا۔

عمر ابن سعد نے کہا: یہ میرے باغ اور نخلستان کو ضبط کرلیں گے۔

امامؑ نے فرمایا: میں تمہیں حجاز میں ایسے باغ دلوا دوں گا جو تمہارے کوفہ کے باغ سے بہتر ہوں گے۔

عمر ابن سعد نے کہا: میرے بیوی بچے کوفہ میں ہیں، یہ لوگ انہیں مروا دیں گے۔

امامؑ نے جب یہ دیکھا کہ وہ مسلسل بہانے بنا رہا ہے اور کسی طرح اس کی توبہ کی امید نہیں، تو یہ کہتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھے کہ:

مَالَکَ ذَبَحَکَ اللهُ عَلٰی فِرَاشِکَ ..... تمہیں کیا ہوا ہے؟ خدا جلد ہی تمہیں تمہارے بستر میں ذبح کرائے گا اور روزِ محشر تمہارے گناہوں سے درگزر نہ کرے گا۔ خدا کی قسم مجھے امید ہے کہ عراق کی گندم میں سے بہت ہی کم تم کھا پاؤ گے۔))

عمرابن سعد نے طنزاً کہا کہ: میرے لئے عراق کی ((جو)) ہی کافی ہے۔))

امامؑ کے ان جملات کا مفہوم

امامؑ کا یہ کلام دو قابل توجہ اور حساس نکات پر مشتمل ہے:

۱- جیسا کہ ہم دیکھ رہے ہیں، امامؑ اپنے سخت ترین اور خون کے پیاسے دشمن ((عمرابن سعد)) کی بھی خیر خواہی چاہتے ہوئے اس سے گفتگو کرتے ہیں اور وعظ و نصیحت سے کام لیتے ہیں تا کہ اسے بدبختی اور ہلاکت سے نجات دلائیں۔ اور جب وہ فضول اور مادّی بہانوں کا سہارا لیتا ہے اور گھر اور نخلستان کا ذکر کرتا ہے، تب بھی جواب میں امامؑ اسے اپنے تعاون کا یقین دلاتے ہیں اور ان نقصانات کی تلافی کا وعدہ کرتے ہیں۔

۲- دوسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ امامؑ اس گفتگو میں اس کے برے انجام کی پیش گوئی فرماتے ہیں۔ لہٰذا جب دیکھتے ہیں کہ اس پر وعظ و نصیحت کا کوئی اثر نہیں پڑ رہا، تو فرماتے ہیں کہ نہ ہی تو زیادہ عرصے جی سکے گا اور نہ ہی تیرا یہ جاہ و مقام باقی رہے گا۔

امامؑ کی عمرابن سعد کے ساتھ ہونے والی آئندہ گفتگو میں، ابن سعد کے انجامِ بد کے بارے میں قارئین کی خدمت میں مزید وضاحت کریں گے۔ انشاءاللہ۔

۴۶

نویں محرم کے دن عصر کے وقت امامؑ کی گفتگو

«اِنّی رَاَیتُ رَسُولَ اللّٰهِ فِی الْمَنامِ فَقالَ لِیْ : اِنَّکَ صائِرٌ اِلَیْنا عَنْ قَرِیبٍ ... اِرْکَبْ بِنَفْسِی اَنْتَ یا اَخِی حَتّٰی تَلْقَیهُمْ فَتَقُولَ لَهُمْ ما لَکُمْ وَ ما بَدَءَ لَکُمْ وَ تَسْئَلَهُمْ عَمّا جآءَ بِهِمْ.

... اِرْجِعْ اِلَیْهِمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تُؤَخِّرَهُمْ اِلٰی غُدْوَةٍ وَ تَدْفَعَهُمْ عَنّا الْعَشِیَّةَنُصَلِّی لِرَبِّنا اللَّیْلَةَ وَ نَدْعُوهُ وَ نَسْتَغْفِرَهُ فَهُوَ یَعْلَمُ اَنّی اُحِبُّ الصَّلٰوةَ وَ تِلاوَةَ کِتابِهِ وَ کَثْرَةَ الدُّعاءِ وَ الاِسْتِغْفارِ.» (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

صائِرٌ (صارَ یَصُورُ سے): پلٹ آو۔ عربی میں کہتے ہیں: صارَ وَجْهَهُ اِلَیَّ: اس نے اپنا چہرہ میری طرف پلٹایا۔ غُدْوَةٍ: صبح سویرے۔ عَشِیَّةٍ: رات کے وقت۔

۱۔ انساب الاشراف۔ ج ۳۔ ص ۱۸۵، تاریخ طبری۔ ج ۷۔ ص ۳۱۹ اور ۳۲۰، تاریخ کامل ابن اثیر۔ ج ۳۔ ص ۳۸۵، ارشادِ مفید۔ ص ۲۴۰۔

ترجمہ اور تشریح

((طبری)) نے تحریر کیا ہے کہ نویں محرم، جمعرات کے دن، عصر کے وقت ((عمر ابن سعد)) نے حملے کا حکم دیا اور اس کے لشکر نے آگے بڑھنا شروع کر دیا۔ امام حسین علیہ السلام اس وقت اپنے خیمے کے باہر تلوار پر ٹیک لگائے بیٹھے، ہلکی سی نیند میں تھے۔

جب حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے عمر سعد کے لشکر کا شور سنا اور انہیں آگے بڑھتے دیکھا تو امامؑ کے نزدیک تشریف لائیں اور عرض کیا: اے بھائی! دیکھئے دشمن خیموں کے قریب آ گیا ہے۔

امامؑ نے سر اٹھایا اور پہلے تو یہ جملہ ارشاد فرمایا کہ: ((اِنِّی رَاَیتُ رَسُولَ اللّٰهِ فِی المَنامِ فَقالَ لِی : اِنَّکَ صایِرٌ اِلَینا عَن قَرِیبٍ)) (میں نے رسولؐ اللہ کو خواب میں دیکھا ہے، جو مجھ سے فرما رہے تھے کہ میرے فرزند! تم جلد ہی میرے پاس آ جاؤ گے۔)

اسکے بعد اپنے بھائی ابوالفضل العباسؑ سے فرمایا: میں تم پر قربان جاؤں، سوار ہو کر جاؤ، ان سے ملو اور پوچھو کہ کیا چاہتے ہیں؟

امامؑ کے حکم کے مطابق ابوالفضل العباسؑ بیس آدمیوں کے ساتھ جن میں زہیر ابن قین اور حبیب ابن مظاہر بھی شامل تھے، دشمن کی طرف گئے اور ان کے قریب جا کر ان سے آگے بڑھنے کا سبب دریافت کیا۔ عمر ابن سعد کے سپاہیوں نے جواب دیا: امیر ((ابن زیاد)) کی طرف سے ایک تازہ حکم آیا ہے، جس میں کہا گیا ہے کہ یا تو آپ لوگ بیعت کریں بصورت دیگر ہم اسی وقت جنگ شروع کر دیں گے۔

حضرت ابوالفضل واپس تشریف لائے اور امامؑ کی خدمت میں ان کا مطالبہ پیش کیا۔

امامؑ نے فرمایا:

((... اِرجِع اِلَیهِم فَاِنِ استَطَعتَ ..... ان کے پاس واپس جاؤ اور اگر

ممکن ہوتو اس ایک رات کی مہلت مانگ لو اور جنگ کو کل صبح تک کے لئے ٹال دو، تا کہ آج کی رات ہم نماز، استغفار اور اللہ کے ساتھ راز و نیاز میں بسر کریں۔ خدا جانتا ہے کہ مجھے نماز، تلاوتِ قرآن اور کثرت سے دعا اور استغفار کس قدر پسند ہیں۔))

حضرت ابوالفضل العباسؑ ایک مرتبہ پھر دشمن کی طرف گئے اور اس سے ایک رات کی مہلت طلب کی۔ عمر ابن سعد، یہ تجویز قبول کرنے سے ہچکچا رہا تھا۔ لہٰذا اس نے اپنے لشکر کے سرداروں کے سامنے مسئلہ رکھا اور ان کی رائے جاننا چاہی۔

((عمرو بن حجاج)) نامی ایک سردار نے کہا: سبحان اللہ! اگر یہ لوگ ((ترک)) یا ((دیلمی)) ہوتے اور اس قسم کی مہلت طلب کرتے، تب بھی تمہیں انہیں مثبت جواب دینا چاہئے تھا، جبکہ یہ تو پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی آل اولاد ہیں۔

((قیس ابن اشعث)) نامی ایک اور سردار نے کہا: میرا بھی یہی خیال ہے کہ حسین ابن علی کی اس درخواست کا مثبت جواب دینا چاہئے۔ کیونکہ نہ تو انہوں نے پسپائی کی خاطر یہ درخواست کی ہے اور نہ ہی اپنی رائے پر نظر ثانی کے لئے۔ بلکہ خدا کی قسم کل ان کے لوگ تم سے پہلے جنگ شروع کر دیں گے۔

((عمر ابن سعد)) نے کہا: اگر ایسا ہے تو پھر ہم کیوں انہیں ایک رات کی مہلت دیں؟

بہر حال کافی بحث و گفتگو کے بعد ((عمر ابن سعد)) نے حضرت ابوالفضل العباسؑ کو یہ جواب دیا: ہم آپ لوگوں کو آج رات کی مہلت دے رہے ہیں۔ اگر آپ تسلیم ہو گئے اور آپ نے امیر کے فرمان کے سامنے سر جھکا دیا، تو ہم آپ کو اس کے دربار میں لے چلیں گے، اور اگر نہ مانے تو ہم آپ کو یوں ہی نہیں چھوڑ دیں گے بلکہ جنگ آپ کے مقدر کا فیصلہ کرے گی۔

یوں امام حسین علیہ السلام کی درخواست کو قبول کیا گیا اور آپؑ کو شبِ عاشور کی مہلت دے دی گئی۔

نماز کی اہمیت

امامؑ کی اس درخواست سے نماز، دعا، اللہ کی بارگاہ میں مناجات اور تلاوتِ قرآن مجید کی اہمیت کو سمجھا جا سکتا ہے۔ امامؑ کو یہ اعمال اس قدر محبوب تھے کہ آپؑ نے ان کے لئے اپنے پست دشمن سے مہلت کی درخواست کی تا کہ اپنی زندگی کی ایک اور رات ان اعمال کی انجام دہی میں بسر کریں۔ ایسا کیوں نہ ہو کیونکہ حسین ابن علیؑ نے اسی نماز، قرآن اور اسلامی شعائر کو زندہ کرنے کے لئے زمین کربلا کا رخ کیا تھا اور دعا اور مناجاتِ الٰہی میں گزرنے والے لمحات آپؑ کی زندگی کے پرلطف اور عزیز ترین اوقات ہوا کرتے تھے۔ لہٰذا جب بھی کوئی گروہ اللہ کی خاطر قیام کرے تو اسے چاہئے کہ انہی اعمال کو اپنی نشانی اور معیارِ عمل قرار دے۔ اسی بنا پر امام علیہ السلام کی زیارت میں درج ہے:

وَ اَشْهَدُ اَنَّکَ قَدْ اَقَمْتَ الصَّلٰوةَ وَ آتَيْتَ الزَّكٰوةَ وَاَمَرْتَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَيْتَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ اَطَعْتَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهُ حَتّٰى اَتٰاکَ الْيَقِيْنُ . (اقتباس از زیارتِ وارثہ)

((میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے نماز کو قائم کر دیا ہے، زکات کو ادا کر دیا ہے، نیکیوں کا حکم دیا ہے، برائیوں سے روکا ہے، اور خدا اور اسکے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اطاعت کی ہے، یہاں تک کہ موت سے ہمکنار ہو گئے۔))

۴۷

شبِ عاشورا امام حسینؑ کا خطاب

"اُثْنِی عَلَی اللّٰہِ اَحْسَنَ الثَّنَاءِ وَ اَحْمَدُہٗ عَلَی السَّرَّآءِ وَ الضَّرَّآءِ. اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَحْمَدُکَ عَلٰی اَنْ اَکْرَمْتَنَا بِالنُّبُوَّۃِ وَ عَلَّمْتَنَا الْقُرْآنَ وَ فَقَّھْتَنَا فِی الدِّیْنِ وَ جَعَلْتَ لَنَا اَسْمَاعاً وَ اَبْصَاراً وَ اَفْئِدَۃً وَ لَمْ تَجْعَلْنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ.

اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّی لَا اَعْلَمُ اَصْحَاباً اَوْلٰی وَ لَا خَیْراً مِنْ اَصْحَابِی وَ لَا اَھْلَ بَیْتٍ اَبَرَّ وَلَا اَوْصَلَ مِنْ اَھْلِ بَیْتِی فَجَزَاکُمُ اللّٰہُ عَنِّی جَمِیْعاً خَیْراً.

وَ قَدْ اَخْبَرَنِی جَدِّی رَسُوْلُ اللّٰہِ (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ) بِاَنِّی سَاُسَاقُ اِلَی الْعِرَاقِ فَاَنْزِلُ اَرْضاً یُقَالُ لَھَا عَمُوْراً وَ کَرْبَلَا وَ فِیْھَا اُسْتُشْھِدُ وَ قَدْ قَرُبَ الْمَوْعِدُ.

اَلَا وَ اِنِّی اَظُنُّ یَوْمَنَا مِنْ ھٰؤُلَآءِ الْاَعْدَاءِ غَداً وَ اِنِّی قَدْ اَذِنْتُ لَکُمْ فَانْطَلِقُوْا جَمِیْعاً فِی حِلٍّ لَیْسَ عَلَیْکُمْ مِنِّی ذِمَامٌ وَ ھٰذَا اللَّیْلُ قَدْ غَشِیَکُمْ فَاتَّخِذُوْہُ جَمَلاً وَ لِیَأْخُذْ

كُلُّ رَجُلٍ مِنكُم بِيَدِ رَجُلٍ مِنْ اَهْلِ بَيْتِي فَجَزَاكُمُ اللّٰهُ جَمِيعاً خَيراً. وَ تَفَرَّقُوا فِي سَوَادِكُم وَ مَدَائِنِكُم فَاِنَّ الْقَوْمَ اِنَّمَا يَطْلُبُونَنِي وَ لَوْ اَصَابُونِي لَذَهَلُوا عَنْ طَلَبِ غَيْرِي. (۱)

حَسْبُكُمْ مِنَ الْقَتْلِ بِمُسْلِمٍ اِذْهَبُوا قَدْ اَذِنْتُ لَكُمْ. (۲)

اِنِّي غَداً اُقْتَلُ وَ كُلُّكُمْ تُقْتَلُونَ مَعِي وَ لَا يَبْقٰى مِنْكُمْ اَحَدٌ حَتّٰى الْقَاسِمِ وَ عَبْدِ اللّٰهِ الرَّضِيعِ.» (۳)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

سَرّآء: آرام اور آسائش۔ ضَرّآء: مشکلات، سختی اور رنج۔ اَفْئِدَةً (فُؤَاد کی جمع): دل۔ اَبَرّ (بَرّ یَبَرُّ سے صیغہ افعل تفضیل): سب سے زیادہ پرہیز گار، سب سے زیادہ نیک۔ اَوْصَل (وَصَلَ يَصِلُ سے صیغہ افعل تفضیل): ایسا شخص جو رشتے داری کے حق کو احسن طریقے سے نبھائے۔ اُسَاقُ (سَاقَ یَسُوقُ کا صیغہ مجہول): کھینچنا۔ حَل: معاہدے کی ذمے داریاں ختم کرنا۔ ذِمَام: وعدہ اور معاہدہ۔ سَوَاد: آبادی۔ مَدَائِن (مَدِيْنَه کی جمع): شہر۔ اَصَابَهُ: اس تک پہنچ گئے۔ ذَهَلَ ذُهُولاً: اسے چھوڑ دیا، بھلا دیا۔

---

۱ اور ۲۔ یہ خطبہ تاریخ طبری۔ ج ۷۔ ص ۳۲۱ اور ۳۲۲، تاریخ کامل ابن اثیر۔ ج ۳۔ ص ۲۸۵، ارشاد مفید۔ ص ۲۳۱، لہوف۔ ص ۷۹، مقتل خوارزمی۔ ج ۱۔ ص ۲۴۶ اور طبقات ابن سعد میں موجود ہے لیکن اس خطبے کا جملہ: وَ قَدْ اَخْبَرَنِي جَدِّي ... تاریخ طبری میں نہیں ہے۔

۳۔ یہ جملہ «نفس المہموم» میں نقل کیا گیا ہے۔

ترجمہ اور تشریح

امام حسینؑ نے نویں محرم کے دن، دشمن کی طرف سے مہلت ملنے کے بعد، غروبِ آفتاب سے قبل (یا مغرب کی نماز کے بعد)، خاندان بنی ہاشم کے افراد اور اپنے اصحاب کے سامنے یہ خطبہ ارشاد فرمایا:

«اُثْنِی عَلَی اللّٰہِ اَحْسَنَ الثَّنَاءِ ..... میں اللہ تعالیٰ کی بہترین تعریف وثنا کرتا ہوں اور آسائشوں اور سختیوں میں اسی کا شکر ادا کرتا ہوں۔ اے اللہ! میں تیری حمد بجالاتا ہوں کہ تو نے ہمارے گھرانے کو نبوت کے ذریعے شرف و احترام عنایت فرمایا، اور ہمیں قرآن کی تعلیم دی، ہمیں دین کی سمجھ بوجھ عطا کی اور ہمیں (حق کو سننے والے) کان، (حق کو دیکھنے والی) آنکھیں اور (روشن اور نورانی) قلب عطا فرمایا، اور ہمیں مشرکوں میں قرار نہیں دیا۔

«اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّی ..... امابعد، میں نے اپنے اصحاب سے بہتر اصحاب کہیں نہیں دیکھے اور نہ کسی کے اہلِ خانہ اپنے اہل بیت سے بڑھ کر باوفا اور حق شناس پائے۔ خدا آپ سب کو میری طرف سے جزائے خیر عنایت کرے۔»

«وَ قَدْ اَخْبَرَنِی جَدِّی رَسُوْلُ اللّٰہِ ..... میرے نانا رسول اللہؐ نے مجھے بتایا تھا کہ مجھے عراق بلایا جائے گا اور میں «عمورا» اور «کربلا» نامی ایک مقام پر ٹھہروں گا اور وہیں شہید کر دیا جاؤں گا۔ اب اس شہادت کا وقت آ پہنچا ہے۔ میرے خیال میں کل ہمارے اور ان کے درمیان جنگ کا دن ہوگا۔ میں آپ سب کو چلے جانے کی اجازت دیتا ہوں۔ میں نے آپ سب پر سے اپنی بیعت اٹھا لی ہے اور اب آپ لوگوں کی کوئی ذمے داری نہیں ہے۔ رات کی تاریکی نے آپ سب کو چھپایا ہوا ہے، اس سے فائدہ اٹھایئے۔ آپ میں سے

ہر شخص میرے اہل بیت میں سے کسی ایک کا ہاتھ تھام کر اسکے ساتھ یہاں سے چلا جائے۔ خدا آپ سب کو جزائے خیر عنایت فرمائے۔ آپ سب اپنے اپنے علاقوں اور شہروں کی طرف چلے جایئے۔ یہ لوگ میرے در پے ہیں اور اگر مجھے مارلیں تو پھر دوسروں سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہوگا۔»

آخری امتحان

حسین ابن علیؑ، جنہوں نے مدینہ سے لے کر کربلا تک سفر کے دوران مختلف موقعوں پر اپنی شہادت کا اعلان کیا، اپنے اصحاب سے بیعت اٹھائی اور انہیں جانے کی اجازت دی، شبِ عاشور آخری مرتبہ ایک بار پھر انتہائی صاف الفاظ میں اسی بات کا اعلان فرماتے ہیں اور: قَدْ قَرُبَ الْمَوْعِدُ کہہ کر اپنے اصحاب کو بتاتے ہیں کہ: اب شہادت کا وقت انتہائی نزدیک آ پہنچا ہے، میں نے تم پر سے اپنی بیعت اٹھالی ہے، رات کی اس تاریکی سے فائدہ اٹھاؤ اور اپنے اپنے علاقوں کو چلے جاؤ۔

یہ پیشکش درحقیقت امام حسین علیہ السلام کی طرف سے اپنے اصحاب کی آخری آزمائش تھی۔ اس کے جواب میں امامؑ کے ہر صحابی نے اپنے مخصوص الفاظ کے ذریعے امامؑ سے اپنی وفاداری اور خون کے آخری قطرے تک اپنی پامردی اور استقامت کا اعلان کیا اور یوں اس آزمائش میں بھی سرخرو اور کامیاب ہوئے۔

اس موقع پر امامؑ کے باوفا اہلِ بیت اور جاں نثار اصحاب میں سے چند کے بیانات یہاں درج کئے جارہے ہیں:

۱ – امام علیہ السلام کی تقریر ختم ہونے کے بعد، سب سے پہلے ان کے بھائی ابوالفضل العباسؑ نے کلام کیا اور فرمایا: لَا اَرَانَا اللّٰہُ ذٰلِکَ اَبَداً (خدا کبھی ایسا دن نہ دکھلائے) کہ ہم آپ کو چھوڑ کر اپنے گھروں کی طرف واپس چلے جائیں۔

۲ – ان کے بعد بنی ہاشم کے تمام ہی افراد نے حضرت ابوالفضل العباسؑ کی گفتگو دُہرائی۔ امامؑ نے حضرت عقیل کے صاحبزادوں کی طرف دیکھا اور فرمایا: حَسْبُكُمْ مِنَ الْقَتْلِ بِمُسْلِمٍ اِذْهَبُوْا قَدْ اَذِنْتُ لَكُمْ (تم لوگوں کی طرف سے مسلم کی قربانی کافی ہے، تم لوگ چلے جاؤ میں تمہیں اجازت دیتا ہوں۔)

انہوں نے امامؑ کے جواب میں فرمایا: اگر ہم چلے گئے اور ہم سے پوچھا گیا کہ اپنے مولا اور آقا کو چھوڑ کر کیوں چلے آئے، تو ہم کیا جواب دیں گے؟ نہیں، خدا کی قسم ہم ہرگز ایسا نہیں کریں گے، بلکہ اپنی مال و دولت، جان اور اپنی اولادیں آپؑ کی راہ میں قربان کردیں گے اور آخری دم تک آپؑ کی رکاب میں رہتے ہوئے جنگ کریں گے۔

۳ – اس موقع پر ((مسلم ابن عوسجہ)) نے بھی خطاب کیا اور کہا: ہم کیسے آپؑ کی مدد سے ہاتھ اٹھا لیں؟ اس صورت میں خدا کے حضور کیا عذر پیش کریں گے؟ خدا کی قسم میں آپؑ کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ اپنے نیزے سے آپؑ کے دشمنوں کے سینے چھید ڈالوں گا اور جب تک تلوار ہاتھ میں ہے، ان سے جنگ کروں گا، اور اگر کوئی اسلحہ نہ رہا تو پتھروں سے ان پر حملہ کروں گا، یہاں تک کہ اپنی جان، جان آفرین کے سپرد کردوں۔

۴ – امامؑ کے ایک اور صحابی ((سعد ابن عبداللہ)) نے کہا: خدا کی قسم، ہم ہرگز آپؑ کی مدد ترک نہیں کریں گے، تاکہ خدا کے حضور ثابت کرسکیں کہ ہم نے آپؑ کے سلسلے میں نبی اکرمؐ کے حق کا لحاظ رکھا ہے۔ خدا کی قسم اگر مجھے معلوم ہو کہ ستّر مرتبہ مارا جاؤں گا اور ہر مرتبہ میرے جسم کو جلا کر راکھ کرنے کے بعد زندہ کیا جائے گی تب بھی آپؑ کا ساتھ نہیں چھوڑوں گا اور ہر مرتبہ زندہ ہونے کے بعد آپؑ کی مدد کروں گا، حالانکہ میں جانتا ہوں کہ موت صرف ایک ہی مرتبہ آئے گی اور اس کے بعد اللہ کی لازوال نعمتیں ہیں۔

۵- «زہیر ابن قین» نے کہا: اے فرزند رسولؐ! خدا کی قسم میں تو چاہتا ہوں کہ آپؑ کی حمایت میں ہزار بار مارا جاؤں، پھر زندہ ہوں اور پھر مارا جاؤں اور ہر بار میری یہ آرزو ہو کہ میرے مارے جانے سے آپؑ یا ان بنی ہاشم کے کسی جوان کی جان بچ جائے۔

۶- اسی اثنا میں امامؑ کے ایک صحابی «محمد بن بشیر حضرمی» کو خبر ملی کہ ان کا بیٹا قید کر لیا گیا ہے۔ امامؑ نے فرمایا: تم میری طرف سے آزاد ہو، جاؤ اور اپنے بیٹے کو چھڑانے کی کوشش کرو۔ «محمد بن بشیر» نے کہا: خدا کی قسم میں کسی بھی صورت میں آپؑ کا ساتھ نہیں چھوڑوں گا۔ مزید کہا: اگر میں آپؑ کو چھوڑوں تو جنگل کے درندے میرے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اپنی غذا بنا لیں۔

امامؑ نے چند قیمتی لباس انہیں دیئے تا کہ وہ یہ لباس ان لوگوں کے حوالے کر دیں جوان کے بیٹے کو چھڑانے کی کوشش کر سکتے ہیں۔ (۱)

جب امام حسینؑ نے بنی ہاشم کے افراد اور اپنے اصحاب کے اس ردِ عمل کا مشاہدہ کیا اور ان کی زبانی وہ کلمات سنے جو ان کی معرفت، احساس ذمے داری اور امامت سے وفاداری کی دلیل تھے، تو انہیں ان الفاظ میں دعا دی: جَزٰکُمُ اللّٰهُ خَیْراً (خدا تم سب کو بہترین جزا عنایت فرمائے) اور پھر انتہائی دوٹوک اور واضح الفاظ میں فرمایا:

«اِنِّی غَداً اُقْتَلُ وَ کُلُّکُم تُقْتَلُوْنَ مَعِی وَ لَا یَبْقٰی مِنْکُمْ اَحَدٌ حَتّٰی الْقَاسِمِ وَ عَبْدِ اللّٰهِ الرَّضِیْعِ.»

«میں کل مارا جاؤں گا اور آپ سب بھی مارے جائیں گے، کوئی ایک بھی نہ بچے گا، یہاں تک کہ قاسم اور شیر خوار عبداللہ بھی باقی نہ رہیں گے۔»

یہ سن کر امامؑ کے اصحاب نے ایک آواز ہو کر کہا: ہم بھی خداوند متعال کے شکر گزار ہیں

۱- یہ چھے جواب تاریخ طبری- ج ۷- ص ۳۲۲، تاریخ کامل ابن اثیر- ج ۳- ص ۳۸۵، ارشادِ شیخ مفید- ص ۳۲۱، اعلام الوریٰ- ص ۲۳۵، لہوف- ص ۸۱، مقتل خوارزمی- ج ۱- ص ۲۴۷ میں موجود ہیں۔

کہ اس نے ہمیں آپؑ کی مدد کی توفیق دے کر فضیلت بخشی اور آپؑ کے ہمراہ شہادت دے کر عزت وشرافت عنایت فرمائی۔ اے فرزند رسولؐ! کیا ہم اس بات پر خوش نہ ہوں کہ جنت میں آپؑ کے ساتھ رہیں گے؟

((خرائج راوندی)) میں تحریر ہے کہ امامؑ نے ان کی آنکھوں کے سامنے سے پردہ ہٹا دیا اور یک بیک ان سب نے جنت میں اپنے مقام اور ان نعمتوں کو دیکھا جو وہاں انہیں دی جائیں گی۔(۱)

ایک مشہور اور غلط جملہ

جو کچھ بیان ہوا' وہ عاشور کی رات کا ایک منظر تھا اور اس میں امام علیہ السلام کی وہ گفتگو ذکر ہوئی جس میں انہوں نے اپنے اصحاب کی تعریف وتمجید کی اور اسی کے ساتھ اصحابِ ابا عبداللہ کا شجاعانہ جواب بھی ذکر ہوا۔ البتہ بعض تاریخی کتب اور مقاتل میں امام علیہ السلام کے چند اصحاب کے ردِعمل کے بارے میں ایک روایت حضرت سکینہ بنت الحسینؑ کے توسط سے نقل کی گئی ہے اور جو بعض ذاکرین اور خطیبوں کے درمیان مشہور بھی ہے لیکن ہماری رائے میں اور تاریخی اعتبار سے یہ روایت بالکل غلط ہے۔

مذکورہ روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ سکینہ بنت الحسینؑ نے بیان کیا کہ: میں اپنے خیمے میں بیٹھی ہوئی تھی کہ میرے والد نے اپنی شہادت کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے' اپنے اصحاب سے فرمایا: تم میں سے جو کوئی شہادت کا مشتاق نہیں' وہ رات کی تاریکی کا فائدہ اٹھائے اور اپنے شہر و دیار کو واپس چلا جائے۔ ابھی امامؑ کی بات پوری بھی نہ ہوئی تھی کہ ان کے اصحاب دس دس اور بیس بیس کی ٹکڑیوں کی صورت میں جانا شروع ہو گئے اور صرف ستر سے کچھ اوپر افراد باقی رہ گئے۔

۱۔ نقل از مقتل مقرم۔ ص ۲۵۸۔

شبِ عاشور سے متعلق یہ روایت، درج ذیل دلائل کی روشنی میں درست نہیں:

۱- جہاں تک ہماری دسترس ہے مستند، معتبر اور پہلے درجے کے تاریخی ماخذ میں ایسی کوئی روایت نہیں ملی۔ البتہ ایسی ایک روایت تیسرے اور چوتھے درجے کے ماخذ میں پائی گئی ہے۔ مثال کے طور پر ((ناسخ التواریخ)) میں کسی حوالے کے بغیر اور اسی طرح ((معالی السبطین)) میں ((نور العین))(۱) نامی ایک کتاب کے حوالے سے یہ روایت بیان ہوئی ہے۔

۲- یہ روایت اس بیان کے بالکل مخالف ہے جسے ہم نے ((زبالہ)) کے مقام پر امامؑ کی گفتگو کے ضمن میں ((مرحوم شیخ مفید)) اور ((طبری)) کے حوالے سے ذکر کیا ہے، جس میں ان حضرات نے کہا ہے کہ وہ لوگ جو دنیاوی مال و متاع کی لالچ میں امام علیہ السلام کے ساتھ چلے آئے تھے وہ ((زبالہ)) کے مقام پر (امامؑ کی طرف سے) چلے جانے کی اجازت پاتے ہی واپس چلے گئے اور اس کے بعد امامؑ کے ہمراہ صرف وہی لوگ رہ گئے جو مرتے دم تک امامؑ کا ساتھ دینے کا عزم رکھتے تھے۔

لہٰذا سوال یہ ابھرتا ہے کہ پھر یہ لوگ کہاں سے آ گئے جو شبِ عاشور دس دس اور بیس بیس کی ٹکڑیوں کی صورت میں متفرق ہوئے تھے؟

ایک اور موید: اس نظریئے کی تائید ((مرحوم طبرسی)) کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے جسے انہوں نے امامؑ کے اپنے اصحاب کو واپسی کی اجازت دینے والے خطاب اور اس کے جواب میں اصحابِ حسینی میں سے چند کے اقوال نقل کرنے کے بعد (جنہیں ہم نے بھی بیان کیا

۱- ((الذریعہ)) میں ((نور العین)) نام کی دو کتابوں کا ذکر ہوا ہے، دونوں ((مقتل)) ہیں اور دونوں ہی ہندوستان میں طبع ہوئی ہیں۔ ان میں سے ایک کے مصنف معاصر علما میں سے ہیں جبکہ دوسری کے مصنف کا علم نہیں ہو سکا۔ بہرحال یہ کتاب کسی تاریخی سند کے بغیر از خود کوئی تاریخی حوالہ قرار نہیں دی جا سکتی۔

ہے) تحریر کیا ہے کہ امامؑ نے ان سے فرمایا: فجزاکم اللہ خیراً وانصرف الیٰ مضربه (خدا تمہیں بہترین جزا دے اور (اس کے بعد آپؑ) اپنے خیمے میں واپس تشریف لے آئے۔)(۱)

اگر شبِ عاشور اصحاب کے چلے جانے کی روایت صحیح ہوتی تو یقیناً مرحوم ((طبرسی)) اس موقع پر اسے بیان کرتے، یا کم از کم اس بارے میں کچھ اشارہ ہی کرتے لیکن جیسا کہ ہم نے دیکھا، ان کے کلام میں ایسی کسی بات کا کوئی ذکر نہیں۔

کچھ بعید نہیں کہ جو کچھ حضرت سکینہ کے حوالے سے ذکر کیا گیا ہے، وہ اگر صحیح ہو تو ((زبالہ)) کے مقام کے حوالے سے ہو، اور جیسا کہ ہم دیکھ رہے ہیں، ان کی گفتگو میں شبِ عاشور کا کوئی تذکرہ نہیں ہے، بلکہ اسے ((ایک رات)) کا واقعہ کہا گیا ہے(۲) لیکن بعض مصنفین نے اور اکثر خطیبوں نے اس ((ایک رات)) کو ((زبالہ)) کی بجائے عاشور کی رات قرار دے دیا ہے۔

۱۔ اعلام الوریٰ۔ص ۲۳۶۔

۲۔ اسکا متن ((معالی السبطین)) میں دیکھئے۔

۴۸

شجاعت کا ایک بیان

«وَاللّٰهِ لَقَدْ بَلَوْتُهُمْ فَمَا وَجَدْتُ فِيهِمْ اِلَّا الاَشْوَسَ الاَقْعَسَ يَسْتَأنِسُوْنَ بِالْمَنِيَّةِ دُوْنِی اِسْتِيْنَاسَ الطِّفْلِ اِلٰی مَحَالِبِ اُمِّهِ» (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

بَلَوْتُ (بلی یبلو سے): امتحان لینا۔ اَشْوَس : بہادر، جنگجو، انتہائی شجاع۔ اَقْعَس : ثابت قدم۔ اِسْتِینَاس: محبت اور بہت زیادہ پسندیدگی ۔ مِحْلَب : پستان۔

ترجمہ اور تشریح

«مرحوم مقرم» نے نقل کیا ہے کہ شبِ عاشور امام علیہ السلام رات کی تاریکی میں اپنے خیموں سے کچھ دور چلے گئے۔ «نافع بن ہلال» جو امامؑ کے اصحاب میں سے تھے، آپؑ کے پاس تشریف لائے اور خیموں سے دور آنے کا سبب دریافت کیا اور یہ بھی کہا کہ: اے فرزند رسولؐ! آپؑ کو یوں اس سرکش شخص کے لشکر کے قریب دیکھ کر میں پریشان اور وحشت زدہ ہو گیا۔

۱- امامؑ کا یہ جملہ اور اس سے مربوط مطالب مقتل مقرم- ص ۲۶۲ سے نقل کئے گئے ہیں۔

امامؑ نے ان کے جواب میں فرمایا: اِنِّی خَرَجْتُ اَتَوَقَّعُ التَّلاعَ وَ الرَّوَابِی مَخَافَةَ اَنْ تَکُوْنَ مَکْمَناً لِهُجُوْمِ الْخَیْلِ یَوْمَ تَحْمِلُوْنَ وَ یَحْمِلُوْنَ. (میں خیموں کے اطراف کی بلندیوں اور گہرائیوں کا جائزہ لینے کے لئے آیا تھا تاکہ کہیں کوئی ایسی جگہ نہ ہو، جہاں سے دشمن چھپ کر حملہ کرے یا تمہارے حملوں سے بچنے کے لئے اس جگہ سے استفادہ کرے۔)

پھر امام علیہ السلام نے ((نافع)) کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر فرمایا: هِیَ وَاللّٰهِ وَعْدٌ لاٰ خُلْفَ فِیهِ (آج ہی کی رات کا وعدہ ہے، خدا کی قسم اس وعدے کو ضرور پورا ہونا ہے۔)

اس کے بعد امامؑ نے چاند کی روشنی میں نظر آنے والی پہاڑیاں ((نافع)) کو دکھائیں اور فرمایا: اَلاٰ تَسْلُکُ بَیْنَ هٰذَیْنِ الْجَبَلَیْنِ فِی جَوْفِ اللَّیْلِ وَ تَنْجُوْ نَفْسَکَ (کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ رات کی اس تاریکی میں ان پہاڑیوں کے درمیان چھپ کر اپنی جان بچالو؟)

((نافع بن ہلال)) امامؑ کے قدموں میں گر پڑے اور عرض کیا: ثَکِلَتْنِی اُمِّی اِنَّ سَیْفِی بِاَلْفٍ وَ فَرَسِی مِثْلُهُ فَوَ اللّٰهِ الَّذِی مَنَّ بِکَ عَلَیَّ لاٰ فَارَقْتُکَ حَتّٰی یَکِلاٰ عَنْ فَرْیِ وَ جَرْیِ (میری ماں، میری موت کا ماتم کرے۔ میں نے یہ تلوار ہزار درہم میں خریدی ہے اور یہ گھوڑا بھی ہزار درہم میں خریدا ہے۔ اس خدا کی قسم جس نے آپؑ کی محبت عنایت کر کے مجھ پر احسان کیا، جب تک اس تلوار کی دھار باقی ہے اور جب تک یہ گھوڑا تھکن سے چور نہیں ہو جاتا، میں آپؑ کے ساتھ رہوں گا۔)

مقرم ((نافع بن ہلال)) (۱) سے نقل کرتے ہیں: امامؑ اطراف کے علاقے کا جائزہ

۱- نافع بن ہلال، امامؑ کے اصحاب میں سے تھے۔ جنگ کے دوران سخت زخمی ہونے کی وجہ سے بے ہوش ہو کر شہدا کے درمیان گر گئے تھے۔ بعد میں قیدی بنا کر کوفہ لے جائے گئے۔ عاشورا کے کچھ واقعات، جن میں مذکورہ بالا واقعہ بھی شامل ہے نافع کے ذریعے نقل ہوئے ہیں۔

لینے کے بعد خیموں کی طرف واپس آئے اور جنابِ زینبؑ کے خیمے میں داخل ہو گئے ۔ میں اس خیمے کے باہر پہرہ دینے لگا۔ زینبؑ ِ کبریٰ نے عرض کیا ۔ اے بھائی ! کیا آپ نے اپنے اصحاب کا امتحان لے لیا ہے؟ کیا ان کی نیت اور استقامت کو جانچ لیا ہے؟ ایسا نہ ہو کہ سختی پڑنے پر یہ آپؑ سے دستکش ہو جائیں اور آپؑ کو دشمنوں کے درمیان تنہا چھوڑ دیں۔

امامؑ نے جواب دیا:

» وَاللّٰہِ لَقَدْ بَلَوْتُھُمْ ..... خدا کی قسم، میں نے انہیں آزما لیا ہے۔ یہ سب شجاع اور ثابت قدم ہیں۔ یہ لوگ میرے ہمراہ مارے جانے کے ایسے ہی مشتاق ہیں جیسے کوئی بچہ اپنی ماں کے دودھ کا مشتاق ہوتا ہے۔«

«نافع» کہتے ہیں: میں نے جب یہ سوال اور اسکا جواب سنا تو شدتِ گریہ سے میرا دل بھر آیا۔ میں «حبیب ابن مظاہر» کے پاس آیا اور امامؑ اور ان کی بہن کے درمیان ہونے والی جو گفتگو میں نے سنی تھی وہ ان کے گوش گزار کی ۔«حبیب ابن مظاہر» بولے: خدا کی قسم اگر امامؑ کے حکم کا انتظار نہ ہوتا تو آج ہی رات دشمن پر حملہ کر دیتے ۔ میں نے کہا: اے حبیب ! امامؑ ابھی اپنی بہن کے خیمے ہی میں ہیں اور شاید ان کے گھر کی خواتین اور بچے بھی وہیں موجود ہوں۔ بہتر ہے کہ آپ کچھ لوگوں کے ساتھ ان کے خیمے کے نزدیک جایئے اور ایک بار پھر اپنی وفاداری کا اعلان کیجئے، تاکہ خواتین کو مزید تسلی ہو جائے۔

حبیب ابن مظاہر نے آواز دے کر خیموں میں موجود امامؑ کے اصحاب کو بلایا۔ تمام اصحاب اپنے خیموں سے نکل کر باہر جمع ہو گئے ۔ حبیب نے بنی ہاشم کے افراد سے درخواست کی کہ وہ اپنے اپنے خیموں میں واپس چلے جائیں اور اپنی عبادت میں مشغول رہیں اور استراحت کریں۔ پھر بقیہ سب اصحاب کو «نافع» کی بات بتائی۔

سب نے جواب دیا: اس خدا کی قسم جس نے ہمیں یہ عزت بخشی اور ہمیں اس اعزاز سے نوازا، اگر ہم امامؑ کے حکم کے منتظر نہ ہوتے تو ابھی اسی وقت اپنی تلواریں اٹھا کر دشمن پر ٹوٹ

پڑتے۔اے حبیب! آپ ہمارے بارے میں مطمئن رہئے۔

حبیب نے انہیں دعا دی اور تجویز پیش کی کہ ہم سب ایک ساتھ اہل حرم کے خیموں کے پاس جا کے انہیں اطمینان دلاتے ہیں۔

خیموں کے نزدیک پہنچ کر حبیب نے بنی ہاشم کی خواتین کو مخاطب کر کے فرمایا: اے رسول کی بیٹیو اور اے حرم رسول خداؐ! یہ آپ کے جانثار اپنی بے نیام تلواروں کے ساتھ حاضر ہیں۔ہم سب نے عہد کیا ہے کہ یہ تلواریں اب اس وقت تک نیام میں نہیں جائیں گی جب تک آپ کے دشمنوں کی گردنوں پر نہ چل جائیں۔اور آپ کے غلاموں کے ہاتھ میں موجود یہ لمبے اور تیز نیزے ہیں، ہم نے قسم کھائی ہے کہ آپ کے دشمنوں کے سینے توڑے بغیر یہ نیزے نیچے نہیں جھکیں گے۔

اس موقع پر خواتین میں سے کسی نے جواب دیا: اَیُّھَا الطَّیِّبُوْنَ حَامُوْا عَنْ بَنٰاتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَ حَرٰائِرِ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ (اے پاک سرشت لوگو! رسول خدا کی بیٹیوں اور امیرالمومنین کے خاندان کی حفاظت کرو۔)

خاتون کی یہ آواز سن کر سب اصحاب بلند آواز سے رونے لگے اور اپنے اپنے خیموں کی طرف واپس چلے گئے۔

یہ تھی امام حسینؑ کے اصحاب اور جانثاروں کی بہادری، شجاعت اور وفاداری، جس کی تصدیق آپ نے امام حسینؑ کی زبانی سنی اور یہ شبِ عاشور «نافع بن ہلال» اور دوسرے اصحابِ امامؑ کی گفتگو تھی۔

«بِاَبِی اَنْتُمْ وَاُمِّی طِبْتُمْ وَ طَابَتِ الارْضُ الَّتی فیھٰا دُفِنْتُمْ وَ فُزْتُمْ فَوزاً عظیماً.»

۴۹

امامؑ کا شعر پڑھنا اور
شبِ عاشورا اپنی بہن اور دیگر خواتین کو وصیت کرنا

یا دَهرُ اُفٍّ لَکَ مِنْ خَلِیْلٍ　　کَمْ لَکَ بِالاِشْراقِ وَ الاَصِیْلِ
مِنْ صاحِبٍ اَوْطالِب قَتیلٍ　　وَالدَّهر لا یَقْنَعُ بِالبَدیلِ
وَانَّما الأَمْرُ اِلَی الجَلیلِ　　وَکُلُّ حَيّ سالِکٌ سَبیلِ

"یا اُختاهُ تَعَزّی بِعَزاءِ الله وأعلمي اَنَّ اَهلَ الاَرْضِ یَمُوتُونَ وَاَهلَ السَّماءِ لا یَبْقُونَ وَأنَّ کُلَّ شَيْءٍ هالِکٌ اِلاّ وَجْهَ الله الَّذی خَلَقَ الأرْضَ بِقُدرَتِهِ وَیَبْعَثُ الْخَلْقَ فَیَعُودُونَ وَهُوَ فَرْدٌ وَحْدَهُ اَبي خَیْرٌ مِنّی وَاُمّی خَیْرٌ مِنّي وَاَخِی خَیْرٌ مِنّی وَلِی وَلَهُمْ وَلِکُلِّ مُسلِمٍ بِرَسُولِ الله اُسْوَةٌ.

..... یا أُختاه یااُمَّ کُلْثُومَ یا فاطِمَةُ یا رَبابُ انظرنَ اِذا قُتِلْتُ فَلا تَشْقُقنَ عَلَیَّ جَیْباً وَلا تَخْمُشْنَ وَجْهاً وَلا تَقُلْنَ

هَجُراً» (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

اِشراق : طلوع آفتاب، طلوع کا وقت۔ اَصِیل : غروب کا وقت۔ صَاحِب : دوست، ساتھی۔ طَالِب : چاہنے والا، پسند کرنے والا۔ بَدِیل: کسی چیز کا بدل۔ تَعَزّیٰ : صبر و تحمل۔ اُسوَۃ: مثال، نمونۂ عمل۔ تَشُقَقْنَ :(شَق سے) پھاڑنا۔ جَیب : گریبان۔ خَمُشُ وَجْہٍ : چہرے کو نوچنا۔ ھَجر: فضول بات، نامناسب بات۔

ترجمہ اور تشریح

امام زین العابدین علیہ السلام سے منقول ہے کہ شبِ عاشور میرے والد خیمے میں اپنے چند اصحاب کے ہمراہ تشریف فرما تھے اور «ابوذر» کے غلام «جون» آپؑ کی تلوار تیز کر رہے تھے۔ اس موقع پر امامؑ نے یہ شعر پڑھے:

يَا دَهرُ اُفٍّ لَكَ مِنْ خَلِيلٍ   كَمْ لَكَ بِالْاَشْرَاقِ وَ الْاَصِيلِ

«اے دنیائے ناپائیدار تجھ پر وائے ہو۔ کیا بری دوست ہے تو کہ صبح و شام کتنے ہی دوستوں اور دشمنوں کو مار ڈالتی ہے اور ایک کے عوض دوسرے کو قبول نہیں کرتی۔ سچ کہ تمام امور خدا ہی کے ہاتھ میں ہیں۔ جو زندہ ہے بہر حال اسے یہ راستہ طے کرنا ہے۔»

امام سجاد علیہ السلام فرماتے ہیں کہ یہ اشعار سن کر میں سمجھ گیا کہ ان کے ذریعے میرے

۱۔ انساب الاشراف۔ ج ۳۔ ص ۱۸۵، تاریخ طبری۔ ج ۷۔ ص ۳۲۴، تاریخ کامل ابن اثیر۔ ج ۳۔ ص ۲۸۵، ارشادِ مفید۔ ص ۲۳۲، مقتل خوارزمی۔ ج ۱۔ ص ۳۲۷، تاریخ یعقوبی۔ ج ۲۔ ص ۲۴۴، اخبارِ زینبیات از عبیدلی (وفات ۲۷۷ھ)

والد اپنی شہادت کی خبر دے رہے ہیں۔ میری آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں لیکن میں نے رونے سے گریز کیا۔ البتہ میری پھوپھی زینبؑ نے، جو میرے بستر کے ساتھ ہی تشریف فرما تھیں یہ اشعار سن لئے اور جب امامؑ کے سب اصحاب چلے گئے تو وہ امامؑ کے خیمے میں تشریف لے گئیں اور کہا: کاش میں مرگئی ہوتی اور آج یہ مصیبت کا دن نہ دیکھتی۔ اے گزشتگان کی یادگار اور اے پسماندگان کی پناہ گاہ! یوں لگتا ہے کہ میرے تمام عزیز آج ہی مجھ سے جدا ہوئے ہیں۔ آج یہ مصیبت دیکھ کر والدِ گرامی علی ابن ابی طالب، والدہ محترمہ فاطمہ زہرا اور بھائی حسن مجتبیٰ کے بچھڑنے کا غم تازہ ہوگیا۔

امامؑ نے حضرت زینب علیہا السلام کو تسلی دی، صبر و تحمل کی تاکید کی اور فرمایا:

«یَا اُخْتَاهُ تَعَزّیٰ بِعَزاءِ اللّٰهِ... اے بہن! صبر و تحمل سے کام لو اور یاد رکھو کہ ایک دن تمام دنیا والوں نے مرنا ہے اور جو آسمان پر ہیں وہ بھی باقی نہیں رہیں گے۔ وہ خدا جس نے اپنی قدرت سے دنیا کو خلق کیا ہے، اسکے سوا سب نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے اور وہی تمام مخلوقات کو ایک بار پھر اٹھائے گا اور وہ یکتا اور بے مثل ہے۔ میرے والد، میری والدہ اور میرے بھائی مجھ سے بہتر تھے اور میرے، ان کے اور تمام مسلمانوں کے لئے نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذات نمونۂ عمل ہے (ان سب نے بھی موت کا ذائقہ چکھا ہے)۔»

پھر فرمایا:

«..... یَا اُخْتَاهُ یَا اُمَّ کُلْثُومَ یَا فَاطِمَةُ یَا رَبَابُ ..... اے میری بہن، اے ام کلثوم، اے فاطمہ، اے رباب! دیکھو میرے مرنے پر ہرگز گریبان چاک نہ کرنا، اپنا منہ نہ [illegible] اور ہرگز کوئی نامناسب بات لبوں پر نہ لانا۔»

۵۰

شبِ عاشورا امامؑ کا تلاوت کرنا

"وَ لاَیَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِیْ لَھُمْ خَیْرٌ لِّاَنْفُسِھِمْ ط اِنَّمَا نُمْلِیْ لَھُمْ لِیَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ج وَلَھُمْ عَذَابٌ مُّھِیْنٌ O مَا کَانَ اللّٰہُ لِیَذَرَ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلٰی مَآ اَنْتُمْ عَلَیْہِ حَتّٰی یُمِیْزَ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِ۔"

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

یَحْسَبَنَّ (حَسِبَ یَحْسِبُ سے): گمان کرنا۔ نُمْلِی (اِمْلاء سے): مہلت دینا، کسی کام میں تاخیر کرنا۔ مُھِیْن (م پر پیش کے ساتھ): رسوا کر دینے والا۔ یَذِرُ (وَزَرَہٗ سے): اسے تنہا چھوڑ دیا۔ یَمِیْزُ (مَیْز سے): علیحدہ کرنا۔

ترجمہ اور تشریح

شبِ عاشور حسین ابن علیؑ کے خیموں میں عجیب جوش و جذبہ اور غیر معمولی ولولہ نظر آتا تھا۔ کوئی اپنے اسلحے تیار کر رہا تھا، کوئی اللہ کی عبادت اور اس کے ساتھ مناجات میں منہمک تھا، اور کوئی قرآن مجید کی تلاوت میں مشغول۔ لَھُمْ دَوِیٌّ کَدَوِیِّ النَّحْلِ بَیْنَ قَائِمٍ وَ قَاعِدٍ وَ رَاکِعٍ وَ سَاجِدٍ۔

((ضحاک ابن عبداللہ مشرقی)) نے نقل کیا ہے کہ اس رات عمر ابن سعد کے سپاہی صورتحال پر نظر رکھنے کی غرض سے تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد امام حسینؑ کے خیموں کی پشت پر آتے اور خیموں میں موجود لوگوں کے حالات کا جائزہ لیتے۔ ان میں سے ایک شخص نے امام حسینؑ کو اس آیۂ کریمہ کی تلاوت کرتے سنا: وَ لَایَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِیْ لَهُمْ خَیْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ؕ اِنَّمَا نُمْلِیْ لَهُمْ لِیَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ○ مَا کَانَ اللّٰهُ لِیَذَرَ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلٰی مَآ اَنْتُمْ عَلَیْهِ حَتّٰی یَمِیْزَ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِ (جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ہے وہ یہ گمان نہ کریں کہ جو مہلت ہم نے انہیں دی ہے وہ ان کے لئے بہتر ہے۔ ہم نے تو انہیں اس لئے مہلت دی ہے کہ وہ اپنے گناہوں میں اور اضافہ کریں اور ان کے لئے سخت رسوا کن عذاب معین ہے۔ خدا مومنوں کو اس حالت میں نہیں چھوڑے گا جب تک کہ بدکار و نیکوکار اور پاک و ناپاک افراد کو ایک دوسرے سے جدا نہ کردے۔ سورۂ آلِ عمران ۳- آیت ۱۷۸، ۱۷۹)۔

اس شخص نے یہ آیۂ کریمہ سنی تو کہا: خدا کی قسم وہ نیکوکار افراد ہم ہیں اور خدا نے ہمیں تم لوگوں سے علیحدہ اور ممتاز کردیا ہے۔

((بریر)) سامنے آئے اور کہا: اے فاسق! اللہ تعالیٰ نے تجھے ناپاک افراد کی صف میں قرار دیا ہے، ہماری طرف آجا اور اپنے عظیم گناہ سے توبہ کرلے۔ خدا کی قسم پاک و پاکیزہ ہم لوگ ہیں۔

اس شخص نے تمسخرانہ انداز میں کہا: وَ اَنَا عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشّٰهِدِیْنَ (ہاں ہاں میں بھی اس بات کی گواہی دینے والوں میں سے ہوں)۔ یہ کہہ کر وہ شخص ابن سعد کے لشکر کی طرف واپس چلا گیا۔(۱)

۱- تاریخ طبری- ج ۷- ص ۳۲۴، ارشادِ مفید- ص ۲۳۳۔

آزمائش کا وقت

شبِ عاشور، ان مخصوص حالات میں قرآن کریم کی آیات میں سے ان آیات کی تلاوت کے ذریعے امامؑ چاہتے تھے کہ ایک دوسرے کے مدمقابل آنے والے دونوں گروہوں کی صورتحال واضح کر دیں۔ پہلی آیت میں ظالم اور مجرم گروہ کی ظاہری برتری کی وجہ بیان کی گئی ہے، تاکہ ان کی یہ برتری اور فوقیت مومن گروہ کے لئے غم واندوہ کا باعث نہ بنے۔ بلکہ وہ جان لیں کہ یہ برتری وقتی اور عارضی ہے اور درحقیقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں ایک طرح کی ڈھیل دی گئی ہے تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ ارتکابِ گناہ اور فسق وفجور کے گڑھے میں پھنس کر اس میں غرق ہو جائیں۔ اور اگر تعبیر میں بحث نہ کی جائے، تو ہم کہیں گے کہ یہ حکمت عملی کے تحت فراہم کردہ ایک موقع ہے۔

جب بھی کسی حکومت یا شخص کو اپنے ظلم وستم کے باوجود یہ عارضی اور حکمتِ عملی کے تحت فراہم کردہ مہلت حاصل ہو، تو اسے چاہئے کہ اپنے آپ کو اس دن کے لئے تیار رکھے جب اللہ کا شدید ترین عذاب اسے ہر طرف سے جکڑ لے گا۔

دوسری آیۂ کریمہ مومنین کے بارے میں ہے کہ اگر وہ کبھی مشکلات اور مصائب کا شکار ہوں اور انہیں ظاہری شکست وہزیمت کا سامنا کرنا پڑے، تو اس صورتحال کی وجہ ان کا امتحان اور آزمائش ہے، تاکہ اس طرح پاک اور ناپاک، نیکوکار اور بدکار افراد علیحدہ علیحدہ ہو جائیں۔

مذکورہ موضوع صرف واقعۂ کربلا ہی تک محدود نہیں جو اپنے تمام پہلوؤں میں امتحان اور آزمائش کا ایک عظیم الشان میدان بھی ہے، بلکہ تاریخ کا ہر دور اور یہ پوری دنیا، تمام انسانوں کے لئے آزمائش اور امتحان کا ایک میدان ہے: كُلُّ يَوْمٍ عَاشُورَا وَ كُلُّ اَرْضٍ كَرْبَلَا۔

۵۱

شبِ عاشورا امامؑ کا خواب

"......اِنّی رَاَیتُ فِی مَنامِی کَاَنَّ کِلا باً قَدْ شَدَّتْ عَلَیَّ تَنْهِشُنِی وَفِیها کَلْبٌ اَبْقَعُ رَأیْتُهُ اَشَدَّها وَاظُنُّ اَنَّ الذی یَتَوَلّیٰ قَتْلی رَجُلٌ اَبْرَصُ مِنْ هؤُلاءِ الْقَوْمِ. وَانّی رَأیْتُ رَسُولَ اللہ بَعْدَ ذٰلِکَ وَ مَعَہُ جماعَۃٌ مِنْ اَصْحابِہِ وَھُوَ یَقُولُ اَنْتَ شَھیدُ ھٰذِہِ الاُمَّۃِ وَقَدِ اسْتَبْشَرَبکَ أھْلُ السَّماواتِ وَاَھْلُ الصَّفیحِ الأعلیٰ وَلْیَکُنْ اِفْطارُکَ عِنْدِی اللَّیْلَۃَ عَجِّلْ وَلا تُؤَخِّرْ فَھٰذا مَلَکٌ قَدْ نَزَلَ مِنَ السَّماءِ لِیَأْخُذَ دَمَکَ فی قارُورَۃٍ خَضْراءَ. فَھٰذا مارَاَیْتُ وَقَدْ اَنِفَ الأمْرُ وَاقْتَرَبَ الرَّحِیلُ مِنْ ھٰذِہِ الدُّنْیا لا شَکَّ فیہ." (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

شَدَّتْ عَلَیَّ : مجھ پر حملہ کیا۔ نَھش : اگلے دانتوں سے کاٹنا' چیر پھاڑ کرنا۔ اَبقَع :

۱۔مقتل خوارزمی۔ ج۱۔ص۲۵۲'نفس المہموم۔ص۱۲۵۔

سیاہ اور سفید۔ اَبْـرَص : جو برص کے مرض میں مبتلا ہو۔ اِسْتِبْشَـار : بشارت دینا‘ خوش ہونا۔ صَفِیْحُ اَعْلٰی : ملکوت اعلیٰ۔ قَارُوْرَۃ : شیشہ۔ اٰنِف (حَسِبَ کے وزن پر): کسی متوقع چیز کا وقت ہو جانا۔ رَحِیْل : کوچ کا وقت۔

ترجمہ اور تشریح

''نفس المہموم'' کے مصنف نے ''مرحوم شیخ صدوق'' سے نقل کیا ہے کہ شبِ عاشور کی آخری ساعتوں میں امامؑ پر ہلکی سی نیند طاری ہوگئی۔ بیداری کے بعد آپؑ نے اپنے اصحاب اور ساتھیوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''اِنِّی رَاَیْتُ فِی مَنَامِی ..... میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ کئی کتے مجھ پر شدید حملہ کر رہے ہیں اور ان میں سب سے زیادہ شدید ایک سیاہ اور سفید رنگ کا کتا ہے۔ یہ خواب نشاندہی کر رہا ہے کہ میرا قاتل ان میں سے کوئی ایسا شخص ہوگا جو برص کے مرض میں مبتلا ہے۔''

اس کے بعد امامؑ نے مزید فرمایا:

''وَاِنِّـی رَاَیْتُ رَسُولَ اللّٰہ ..... اس خواب کے بعد میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اپنے چند اصحاب کے ہمراہ دیکھا۔ آنحضرتؐ نے مجھ سے کہا: تم اس امت کے شہید ہو۔ عرشِ بریں اور آسمانوں میں رہنے والے ایک دوسرے کو تمہاری آمد کی خوش خبری دے رہے ہیں۔ تم آج رات افطار میں‘ میرے پاس ہو گے۔ اب جلدی کرو اور ہرگز دیر نہ لگاؤ۔ ایک فرشتہ آسمان سے نازل ہو رہا ہے جو تمہارے خون کو سبز رنگ کی ایک شیشی میں جمع کرے گا۔''

پھر امام علیہ السلام نے فرمایا:

«فَهٰذا ماٰرَاُیتُ وَقَدْ ... میں نے یہ خواب میں دیکھا ہے۔اب وقت آ پہنچا ہے اور یہی اس دنیا سے کوچ کا وقت ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے۔»

خواب کی صورت میں حقیقت کا اظہار

جن باتوں کا پیش آنا طے ہو چکا تھا' وہ نیند کی حالت میں ایک خواب کی صورت میں امام علیہ السلام کو بتادی گئیں' اورانہوں نے من وعن اپنے باوفا اور جانثار اصحاب کو ان سے مطلع کردیا' تاکہ کوئی بات ان سے چھپی نہ رہے۔

اگلے روز امامؑ کا شہید ہونا' قاتل کی خصوصیات اوراس کا مبروص ہونا جس کی تصویر کشی سیاہ اور سفید کتے کی صورت میں کی گئی تھی' آپؐ کا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا مہمان بننا' فرشتوں کا آپؑ کا استقبال کرنا' اور امامؑ کے خون کا ذخیرہ کرلینا' جو ان کے پیروکاروں کی رگوں میں ہمیشہ جاری وساری رہے گا۔خواب کی صورت میں بتائی گئی یہ تمام باتیں' عاشور کے دن حقیقت کے روپ میں سامنے آئیں۔

۵۲

صبر اور نماز کے ذریعے مدد مانگو

«...... اِنَّ اللّٰہَ تَعالٰی اَذِنَ فِی قَتلِکُمْ وَ قَتلِی فِی ھٰذا الْیَومِ فَعَلَیْکُمْ بِالصَّبْرِ وَالْقِتالِ.» (۱)

«...... صَبْراً یابَنِی الکِرامِ فَمَا الْمَوتُ اِلاَّ قَنْطَرَۃٌ تَعْبُرُ بِکُمْ عَنِ الْبُؤسِ وَالضَّرّاءِ اِلَی الْجِنانِ الواسِعَۃِ وَالنِّعَمِ الدّائمۃِ فَاَیُّکُمْ یَکْرَہُ اَنْ یَنْتَقِلَ مِن سِجْنٍ اِلٰی قَصْرٍ وَما ھُوَ لاَ عدائکم اِلاّ کَمَنْ یَنْتَقِلُ مِنْ قَصْرٍ اِلیٰ سِجْنٍ وَ عَذابٍ اِنَّ اَبِی حَدَّثَنی عَنْ رَسُولِ اللہِ اِنَّ الدُّنْیا سِجْنُ الْمُؤمِنِ وَجَنَّۃُ الْکافِرِ والْمَوْتُ جِسْرُ ھٰؤُلاءِ اِلیٰ جِنانِہِمْ وَجِسرُ ھٰؤلاءِ اِلیٰ جَحیمِہِمْ ماکُذِبْتُ وَلا کَذِبْتُ.»(۲)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

قَنْطَرَۃ : پل ـ بُؤس : بدقسمتی، مصیبت ـ ضَرّاء : جانی و مالی نقصان، تنگی و پریشانی ـ

۱ـ کامل الزیارات ـ ص ۳۷ ـ

۲ـ بلاغۃ الحسین ـ ص ۱۹۰ ـ

جِنان (جَنَّت کی جمع): بہشت۔ جَحِیم: دوزخ۔

ترجمہ اور تشریح

«ابن قولویہ» اور «مسعودی» (۱) کے مطابق، امام حسین علیہ السلام نے نمازِ صبح کی ادائیگی کے بعد نمازگزاروں کی طرف رخ کیا اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا:

«اَنَّ اللّٰہَ تعالیٰ اَذِنَ فی... اللہ تعالیٰ نے آج میرے اور آپ سب کے مارے جانے کی اجازت دے دی ہے۔ اب آپ سب کو چاہئے کہ صبر وتحمل سے کام لیتے ہوئے دشمن سے جنگ کریں۔»

«مرحوم شیخ صدوق» (۲) نے امام سجادؑ سے اس مضمون کی گفتگو نقل کی ہے کہ: عاشور کے دن جب جنگ نے شدت اختیار کر لی اور حسین ابن علیؑ کو کٹھن حالات کا سامنا ہوا تو امامؑ کے بعض اصحاب نے دیکھا کہ جنگ کی شدت کے اثر سے اور اپنے ساتھیوں کے پارہ پارہ اجساد اور اپنی شہادت کو انتہائی نزدیک دیکھ کر امامؑ کے کچھ اصحاب کے چہروں کا رنگ اڑنے لگا ہے، اور ان کے جسموں پر لرزہ طاری ہے۔ جبکہ ان لوگوں کے برخلاف حسین ابن علیؑ اور ان کے خاص اصحاب کی کیفیت یہ تھی کہ جیسے جیسے جنگ میں شدت آ رہی تھی اور وہ شہادت سے نزدیک ہو رہے تھے، ان کے چہروں کے رنگ نکھرتے چلے جا رہے تھے اور ان کے سکون و اطمینانِ قلب میں اضافہ ہو رہا تھا۔ اصحاب یہ منظر اور غیر معمولی جرات دیکھ کر متعجب تھے اور امام عالی مقام کے ملکوتی اور نور سے جگمگاتے چہرے کی سمت اشارہ کر کے کہتے تھے: اُنْظُرُوا لاٰ یُبالی بِالْمَوْتِ (انہیں دیکھو، انہیں موت کی ذرّہ برابر پروا نہیں۔)

امامؑ نے جب اپنے اصحاب کا یہ جملہ سنا تو انہیں مخاطب کر کے فرمایا:

۱۔ اثبات الوصیہ۔ ص ۱۳۹۔

۲۔ معانی الاخبار۔ مطبوعہ مکتبۃ الصدوق۔ ص ۲۸۹۔

''...... صَبْراً یَا بَنِی کِرَامٍ ..... اے معزز لوگوں کی اولادو! صبر وتحمل سے کام لو۔ موت تو صرف ایک پُل ہے جس کے ذریعے تم سختی اور مشکلات سے گزر کر وسیع وعریض جنت اور اس کی ہمیشہ رہنے والی نعمتوں تک پہنچ جاؤ گے۔ تم میں سے کون ہے جسے یہ بات پسند نہ ہوگی کہ وہ ایک قید خانے سے نکل کر محل میں منتقل ہو جائے؟۔ یہ موت تمہارے دشمنوں کے لئے ایسی ہی ہے جیسے انہیں کسی محل سے نکال کر قید خانے اور عقوبت گاہ میں ڈال دیا جائے۔ میرے والدِ گرامی نے مجھ سے بیان کیا کہ انہوں نے رسول اکرمؐ سے سنا ہے کہ: دنیا مومن کے لئے قید خانہ اور کافر کے لئے جنت ہے اور موت ایک پُل ہے جو مومن کو جنت میں اور کافر کو جہنم میں پہنچا دیتی ہے۔ میں جھوٹ نہیں بولتا اور نہ ہی مجھے کبھی جھوٹ بتایا گیا ہے۔''

یہ کہنے کے بعد امام علیہ السلام نے اپنے لشکر کو منظّم کیا جو مشہور قول کے مطابق بہتر افراد پر مشتمل تھا۔ (۱) میمنہ (Right wing) یعنی دائیں طرف کی فوج ''زہیر ابن قین'' کے سپرد کی، میسرہ (Left wing) یعنی بائیں طرف کی فوج ''حبیب ابن مظاہر'' کی سربراہی میں دی اور لشکر کا علم اپنے بھائی ''ابوالفضل العباسؑ'' کے حوالے کیا اور خود خاندان کے باقی افراد کے ساتھ لشکر کے وسط میں مستقر ہوئے۔

پامردی اور استقامت کی دعوت

امام حسین علیہ السلام نے صبح عاشور فجر کی نماز کے بعد اپنے اصحاب کو دو اہم نکات کی یاددہانی کروائی۔ ایک موت کی، جو امرِ الٰہی ہے۔ دوسری دشمن کے مقابلے میں پامردی اور

۱- امامؑ کے لشکر کی تعداد کے بارے میں مورخین کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض نے پیادے اور سوار ملا کر لشکرِ امامؑ کی تعداد ایک سو پچاس افراد تک لکھی ہے۔

استقامت کے مظاہرے کی۔

ان دونوں ہی نکات کا براہِ راست تعلق نماز سے ہے۔اس لئے کہ قرآن کریم کی متعدد آیات میں نماز کا حکم بیان ہوا ہے اور نماز اسلام اور ایمان کی علامتوں میں سے ایک علامت ہے۔حتیٰ جنگ و جہاد کے دشوار ترین حالات میں بھی اور اس مرحلے میں بھی جب کہ ظاہری شکست اور موت یقینی نظر آ رہی ہو' اللہ کے فرمان کے مطابق نماز کی ادائیگی واجب ہے۔بدقسمتی سے اگر کوئی نماز پڑھے اور جہاد کے حکم کو فراموش کر دے تو اس پر قرآن مجید کی یہ مذمت صادق آئے گی کہ: نُؤمِنُ بِبَعُضٍ وَّنَکُفُرُ بِبَعُضٍ (ہم بعض چیزوں پر ایمان لائیں گے اور بعض کا انکار کریں گے۔سورۂ نساء۴-آیت ۱۵۰)

البتہ دورانِ جہاد پامردی اور استقامت' نماز اور خدا سے تعلق کے ذریعے ہی حاصل ہوتی ہے اور عبادت و معنویت کے ذریعے تقویت حاصل کرتی ہے: وَ اسُتَعِیُنُوُا بِالصَّبُرِ وَ الصَّلٰوۃِ (صبر اور نماز کے ذریعے مدد مانگو۔سورۂ بقرہ۲-آیت ۴۵)

۵۳

صبح عاشورا امامؑ کی دعا

"اَللّٰھُمَّ اَنْتَ ثِقَتِی فِی کُلِّ کَرْبٍ وَرَجَائی فی کُلِّ شِدَّةٍ وَاَنْتَ لِی فی کُلِّ اَمْرٍ نَزَلَ بِی ثِقَةٌ وَعُدَّةٌ کَم مِنْ هَمٍّ یَضْعُفُ فِیهِ الفُؤادُ وَتَقِلُّ فیهِ الْحِیلَةُ وَیَخْذُلُ فیهِ الصَّدیقُ وَیَشْمَتُ فِیهِ الْعَدُوُّ اَنْزَلتُهُ بِکَ وَشَکوتُهُ اِلَیْکَ رَغْبَةً مِنّی اِلَیْکَ عَمَّنْ سِواکَ فَکَشَفْتَهُ وَفَرَّجْتَهُ فَأَنْتَ وَلِیُّ کلِّ نِعْمَةٍ وَمُنْتَهیٰ کلِّ رَغْبَةٍ." (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

ثِقَة : جس پر اعتماد کیا جاتا ہو سہارا۔ رِجَاءَ: امید۔ عُدَّةُ (عین پر پیش اور دال پر تشدید): اسلحہ۔ فُؤادُ: دل، قلب۔ حِیلَة : راہِ حل، چارۂ کار۔ خَذل : دست بردار ہونا، چھوڑ دینا۔ یَشْمِتُ (شَمِتَ سے لیا گیا): دوسرے کی مصیبت پر خوشیاں منانا۔

۱- تاریخ طبری - ج ۷- ص ۳۲۷، تاریخ ابن عساکر - ص ۲۱۱، تاریخ کامل ابن اثیر - ج ۳ - ص ۲۸۷، ارشادِ مفید - ص ۲۳۳ اور طبقات ابن سعد۔

ترجمہ اور تشریح

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بیان ہوا' امامؑ نے نمازِ صبح کی ادائیگی کے بعد اپنے لشکر کی صفوں کو ترتیب دیا اور لشکر کے ہر سردار کی ذمے داریاں معین کیں۔

اسی دوران ((عمر ابن سعد)) بھی اپنے لشکر کی تنظیم و ترتیب میں مشغول تھا۔ جب امامؑ کی نظر دشمن کے کثیر لشکر پر پڑی اور آپؑ نے اپنے مقابلے پر دشمن کے پُر ہجوم لشکر کا مشاہدہ کیا تو دعا کے لئے ہاتھ بلند کئے اور فرمایا:

((اَللّٰھُمَّ اَنۡتَ ثِقَتِی فِی کُلِّ کَرۡبٍ ..... بارِالٰہا! ہر رنج و غم میں تو ہی میرا سہارا اور ہر مشکل میں تو ہی میری امید کا مرکز ہے۔ مجھ پر جب کبھی مصیبت نازل ہوئی' میں نے تیری ہی پناہ لی ہے (تیرے ہی ذریعے اپنے بچاؤ کا سامان کیا ہے) کتنے ہی ایسے مصائب و آلام آئے جب دل کمزور پڑ گئے' چارہ و تدبیر کے راستے بند ہو گئے' دوست ساتھ چھوڑ گئے اور دشمنوں نے خوشیاں منائیں۔ لیکن میں نے تیری ہی طرف رجوع کیا' تجھ ہی سے فریاد کی اور تیرے سوا ہر کسی سے بے نیاز ہو کر صرف تجھ ہی سے لو لگائی۔ اور تو نے مجھ سے ہر مصیبت کو دور کیا اور ہر رنج و الم سے مجھے نجات دلائی۔ بے شک تو ہی ہر نعمت کا مالک اور ہر حاجت کا مرکز ہے۔))

۵۴

عاشور کے دن امامؑ کی پہلی تقریر

«اَیُّھَا النّاسُ اِسْمَعُوْا قَوْلِی وَ لاٰ تَعْجِلُوا حَتّیٰ اَعِظَکُمْ بِمٰا هُوَ حَقٌّ لَکُمْ عَلَیَّ وَحَتّی اَعْتَذِرَ اِلَیْکُمْ مِنْ مَقْدمی عَلَیْکُمْ فَاِنْ قَبِلْتُمْ عُذْرِی وَصَدّقْتُمْ قَوْلی وَاَعْطَیْتُمُونی النّصَفَ مِنْ اَنْفُسِکُمْ کُنْتُمْ بِذٰلِکَ اَسْعَدَ وَلَمْ یَکُنْ لَکُم عَلَیَّ سَبیلٌ وَاِنْ لَمْ تَقْبَلُوا مِنّی الْعُذْرَ وَلَمْ تُعْطُوا النَّصَفَ مِنْ اَنْفُسِکُمْ فَاجْمِعُوا اَمْرَکُمْ وَشُرَکٰاءَکُمْ ثُمَّ لاٰ یَکُنْ اَمْرُکُمْ عَلَیْکُمْ لا غُمَّةً ثُمَّ اقْضوا اِلَیَّ وَلاٰ تَنْظِرُونِ اِنَّ وَلییَّ اللّٰهُ الَّذی نَزَّلَ الْکِتٰابَ وَهُوَ یَتَوَلّی الصّالِحِینَ» (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

اِعْتِذٰار: اپنا دفاع کرنا، دلیل اور استدلال پیش کرنا۔ مَقْدَم (میم پر زبر کے ساتھ): داخل ہونا۔ نَصَف (هَدَفَ کے وزن پر): عدل وانصاف۔ اَسْعَدَ: سب سے کامیاب،

۱- یہ تقریر معمولی فرق کے ساتھ، تاریخ طبری - ج ۷- ص ۳۲۸ اور ۳۲۹، تاریخ کامل ابن اثیر- ج ۳- ص ۲۸۷، ارشادِ مفید- ص ۲۳۴، مقتل خوارزمی - ج ۱- ص ۲۵۳ اور طبقات ابن سعد میں موجود ہے۔

سب سے خوش قسمت۔ غُمَّة : مبہم اور مشکوک۔

ترجمہ اور تشریح

امام حسینؑ اپنے لشکر کی تنظیم و ترتیب سے فارغ ہو کر' گھوڑے پر سوار ہوئے' اپنے خیموں سے کچھ دور گئے اور عمر ابن سعد کے لشکر سے خطاب کرتے ہوئے بلند آواز میں فرمایا:

«اَیُّهَا النَّاسُ اِسْمَعُوْا قَوْلِی وَ لاٰ تَعْجِلُوا..... اے لوگو! میری بات سنو اور جلد بازی کا مظاہرہ نہ کرو تا کہ تمہیں وعظ و نصیحت کے سلسلے میں' میں اپنی ذمے داری انجام دے سکوں اور تمہارے پاس آنے کا سبب بتا سکوں۔ اگر تم نے میری بات قبول کی' میری تائید کی اور میرے بارے میں عدل و انصاف کا راستہ اختیار کیا' تو اس طرح تم سعادت اور کامیابی حاصل کرو گے اور پھر میرے خلاف جنگ کی تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں ہو گی۔ لیکن اگر تم میری بات نہ مانو اور انصاف سے کام نہ لو' تو پھر اپنا ارادہ پختہ کر لو اور اپنے حمایتیوں کو بلا لو اور تمہاری کوئی بات تم پر مخفی نہ رہے۔ اسکے بعد جو چاہو کر گزرو اور مجھے کسی طرح کی مہلت نہ دو۔ بے شک میرا مالک و مختار' وہ خدا ہے' جس نے کتاب نازل کی ہے اور وہ نیک بندوں کا والی و وارث ہے۔»

اِتمامِ حجت

باوجود یہ کہ امام حسین علیہ السلام دیکھ رہے تھے کہ دشمن ہر لحاظ سے جنگ کے لئے تیار ہے' یہاں تک کہ اس نے امامؑ کی لشکر گاہ اور ان کے بچوں تک پر پانی بند کیا ہوا ہے اور جنگ شروع کرنے کے لئے ایک معمولی اشارے کے انتظار میں لمحہ لمحہ گن گن کر گزار رہا ہے' لیکن آپؑ جیسا کہ کربلا پہنچنے پر آپؑ نے فرمایا تھا' نہ صرف جنگ کی ابتدا کرنے پر تیار نہیں ہیں بلکہ چاہتے ہیں کہ جہاں تک ممکن ہو دشمن کو وعظ و نصیحت کریں' تا کہ ایک طرف تو حق اور فضیلت کی راہ کو

باطل سے جدا اور ممتاز کر کے دکھا دیا جائے اور دوسری طرف کہیں ایسا نہ ہو کہ دشمن کے لشکر کا کوئی ایک بھی شخص بے خبری اور نادانی میں امامؑ کے قتل میں شریک ہو اور حقیقت سے لاعلم رہ کر ابدی ناکامی اور انحطاط و پستی کے گڑھے میں گر پڑے۔

«سبط ابن جوزی» اپنی کتاب «تذکرۃ الخواص» میں کہتے ہیں: جب امام حسین علیہ السلام نے دیکھا کہ اہلِ کوفہ ان کے قتل پر مصر ہیں تو آپؑ نے قرآن کریم کھول کر اپنے سر پر رکھا اور دشمن کی صفوں کے مد مقابل آ کر انہیں صدا دی کہ: یہ اللہ کی کتاب اور میرے نانا رسولؐ خداؐ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کریں گے۔ اے لوگو! کس جرم میں تم لوگوں نے میرا خون بہانا جائز سمجھ لیا ہے۔ کیا میں تمہارے رسولؐ کا نواسہ نہیں ہوں؟ کیا تم نے میرے اور میرے بھائی کے بارے میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا وہ قول نہیں سنا ہے کہ: ھٰذانِ سَیِّدا شَبابِ اَھْلِ الْجَنَّةِ (یہ دونوں جوانانِ جنت کے سردار ہیں) اور اگر میری بات قبول نہیں ہے تو جابرؓ، زید ابن ارقم اور ابوسعید خدری سے پوچھ لو۔ کیا جعفر طیار میرے چچا نہیں ہیں؟

لوگوں میں سے کسی نے کوئی جواب نہ دیا، صرف «شمر» بولا کہ بس اب جہنم میں ڈال دیئے جاؤ گے (نعوذ باللہ)۔ امامؑ نے جواب دیا: اللہ اکبر، میرے نانا نے مجھے بتایا تھا کہ انہوں نے خواب میں دیکھا ہے کہ کوئی کتا ان کے اہل بیت کا خون چاٹ رہا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ کتا تو ہی ہوگا۔ (۱)

یہ ہے اپنے خون کے پیاسے دشمن کے مقابلے میں ایک امام اور انسانوں سے پیار کرنے والے ایک الٰہی رہبر کی محبت و شفقت اور یہ ہے فاطمہؑ کے بیٹے کی سیرت کہ اس قدر حساس اور خطرناک حالات میں بھی وہ ایک لمحے کے لئے بھی اس ذمے داری سے غافل نہ ہوئے جو خدا نے ان کے لئے مقرر کر دی تھی۔ تا کہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ: وَلَوْ اَنَّآ اَھْلَکْنٰھُمْ

۱- تذکرۃ الخواص۔ ص۲۶۲۔

بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَ نَخْزٰى. (اور اگر ہم نے رسول سے پہلے انہیں عذاب کر کے ہلاک کر دیا ہوتا تو یہ کہتے کہ پروردگار تو نے ہماری طرف رسول کیوں نہ بھیجا کہ ہم ذلیل اور رسوا ہونے سے پہلے ہی تیری نشانیوں کا اتباع کر لیتے۔ سورۂ طٰہٰ ۲۰ - آیت ۱۳۴)

نامساعد حالات کے باوجود، روزِ عاشور امام حسینؑ نے بارہا اس قسم کی تقاریر، ہدایات اور رہنمایاں فرمائیں، جن میں سے اوّلین خطاب محترم قارئین ملاحظہ فرمارہے ہیں۔

کیونکہ یہ ایک مفصل خطاب ہے اور یہ ناصحانہ تقریر مختلف جہات اور پہلوؤں کی حامل ہے لہٰذا ہم اسکے متن اور ترجمے کو چار حصوں میں قارئین کی خدمت میں پیش کررہے ہیں۔

امام حسین علیہ السلام نے اس خطبے کے مقدمے اور پہلے حصے میں اسی نکتے کا ذکر کیا ہے، جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا تھا، اور وہ نکتہ یہ ہے کہ اہلِ کوفہ اور عمر ابن سعد کے سپاہی یہ نہ سمجھیں کہ اس تقریر کے ذریعے امامؑ دشمن کی تجویز سے اتفاق یا اسکے ساتھ ساز باز کا ارادہ رکھتے ہیں، بلکہ آپؑ کا مقصد اِتمام حجت اور دشمن کے سامنے کچھ حقائق و واقعیات کی تشریح ہے اور امامت اور ہدایت و رہبری کے ذمے دار ہونے کے ناطے امامؑ پر لازم ہے کہ یہ حقائق ان کے سامنے پیش کر دیں لہٰذا انہی اسباب کی بنا پر آپؑ نے یہ خطاب فرمایا۔

امامؑ کی تقریر میں توقف

کتبِ تاریخ کے مطابق جب امامؑ کی تقریر اس مقام پر پہنچی تو آپؑ کی گفتگو سننے والی بعض خواتین اور بچیوں کے رونے کی آواز بلند ہوئی۔ یہ دیکھ کر امامؑ نے اپنی تقریر روک دی اور اپنے بھائی ابوالفضل العباسؑ اور فرزند علی اکبرؑ سے فرمایا کہ انہیں خاموشی اور اطمینان سے بیٹھے رہنے کو کہیں۔ یہ جملہ بھی فرمایا کہ: مستقبل میں انہیں بہت زیادہ رونا ہے۔

جب خواتین اور بچے خاموش ہو گئے تو امامؑ نے ایک بار پھر اپنی تقریر کا آغاز کیا اور اللہ

تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد ایک اور خطبہ ارشاد فرمایا، جسے آپ ذیل میں ملاحظہ کریں گے۔

"عِبَادَ اللهِ اِتَّقُوْا اللهَ وَ كُوْنُوْا مِنَ الدُّنْيَا عَلٰى حَذَرٍ فَاِنَّ الدُّنْيَا لَوْ بَقِيَتْ عَلٰى اَحَدٍ اَوْ بَقِيَ عَلَيْهَا اَحَدٌ لَكَانَتِ الأَنبياءُ اَحَقَّ بِالْبَقَاءِ وَاَوْلٰى بِالرِّضَاءِ وَاَرْضٰى بِالقَضَاءِ غَيْرَ اَنَّ اللهَ خَلَقَ الدُّنْيَا لِلْفَنَاءِ فَجَدِيدُهَا بَالٍ وَنَعِيمُهَا مُضْمَحِلٌّ وَسُرُورُهَا مُكْفَهِرٌّ وَالْمَنْزِلُ تَلْعَةٌ وَالدَّارُ قَلْعَةٌ فَتَزَوَّدُوا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى وَاتَّقُوااللهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ.

اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ اللهَ تَعَالٰى خَلَقَ الدُّنْيَا فَجَعَلَهَا دَارَ فَنَاءٍ وَزَوَالٍ بِأَهْلِهَا حَالاً بَعْدَ حَالٍ فَالْمَغْرُورُ مَنْ غَرَّتْهُ وَالشَّقِيُّ مَنْ فَتَنَتْهُ فَلاَ تَغُرَّنَّكُمْ هٰذِهِ الدُّنْيَا فَاِنَّهَا تَقْطَعُ رَجَاءَ مَنْ رَكَنَ اِلَيْهَا وَتَخِيبُ طَمَعَ مَنْ طَمَعَ فِيهَا وَاَرَاكُمْ قَدِ اجْتَمَعْتُمْ عَلٰى اَمْرٍ قَدْ اَسْخَطْتُمُ اللهَ فِيهِ عَلَيْكُمْ وَاَعْرَضَ بِوَجْهِ الْكَرِيمِ عَنْكُمْ وَاَحَلَّ بِكُمْ نِقْمَتَهُ فَنِعْمَ الرَّبُّ رَبُّنَا وَبِئْسَ الْعَبِيدُ اَنْتُمْ اَقْرَرْتُمْ بِالطَّاعَةِ وَآمَنْتُمْ بِالرَّسُولِ مُحَمَّدٍ (ص) ثُمَّ اِنَّكُمْ زَحَفْتُمْ اِلٰى ذُرِّيَّتِهِ وَعِتْرَتِهِ تُرِيدُونَ قَتْلَهُم لَقَدِ اسْتَحْوَذَ عَلَيْكُمُ الشَّيْطَانُ فَأَنْسَاكُمْ ذِكْرَ اللهِ الْعَظِيمِ فَتَبًّا لَكُمْ وَلِمَا

تُـرِیـدُونَ اِنّـا للهِ وَانّا اِلَیْهِ راجِعُونَ هؤلاءِ قَوْمٌ کَفَرُوا بَعْدَ ایمانِهِمْ فَبُعْداً لِلقوم الظّالِمینَ.» (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

حَذَر : ڈر، ہوشیار ہونا۔ اَحَق : زیادہ حقدار ہونا۔ اَرضٰی: زیادہ پسندیدہ۔ قَضاء : حکم۔ بالٍ : (دراصل یاء سے بالی ہوتا ہے): پرانا، فرسودہ۔ مُضمَحِلّ : تباہ ہوجانا، بکھر جانا۔ مُکْفَهِرّ : شدید تاریکی، تیوری چڑھانا۔ تَلْعَه (قَلْعَه کے وزن پر) کنواں، ڈھلان والی خطرناک زمین۔ قَـلْـعَـه: قلعہ، حصار، عارضی رہائش گاہ۔ مَـغـرُوْر: فریب خوردہ۔ شَـقِـیّ: بدقسمت۔ فَـتَـنَـتْهُ (فَتَنَ سے): اسے اپنا محبوب بنالیا۔ رَکَـنَ اِلَیْهِ : اس پر اعتماد کیا۔ خَیَّبَهُ تَخْیِیْباً : اسے ناامید کیا۔ زُحُف : یورش کرنا، حملہ کرنا۔ اِستَحوَذَ عَلَیْهِ : اس پر غلبہ پا لیا۔ تَبّاً لَکُمْ : تم ہلاک اور برباد ہوجاؤ۔

ترجمہ اور تشریح

«عِبادَ اللهِ اِتَّـقُوا اللهَ وَ کُونُوا مِنَ الدُّنْیا ..... اے اللہ کے بندو! خدا سے ڈرو اور دنیا سے ہوشیار رہو۔ اگر یہ دنیا کسی کے لئے ہمیشہ باقی رہنے والی ہوتی اور کوئی دنیا میں ہمیشہ باقی رہ سکتا تو انبیا اس کے سب سے زیادہ حقدار تھے اور ان ہی کی رضا کے حصول کے لئے ایسا کرنا بہتر تھا اور یہی حکم انتہائی پسندیدہ ہوتا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے دنیا کو فنا کے لئے خلق کیا ہے۔ اس کی ہر نئی چیز پرانی ہوجانے والی اور اس کی ہر نعمت زائل و برباد ہوجانے والی ہے۔ اس کی خوشیاں غم واندوہ میں بدل جانے والی ہیں۔ یہ پست ٹھکانہ

۱۔ مقتل خوارزمی۔ ج ۱۔ ص ۲۵۳۔ «ابن عساکر» نے بھی امامؑ کی تقریر کا پہلا حصہ صفحہ ۲۱۵ پر ذکر کیا ہے۔

اور عارضی جائے سکونت ہے۔ لہٰذا یہاں سے زادِ آخرت فراہم کرلو اور بہترین زادِ آخرت تقویٰ ہے۔ اللہ سے ڈرو شاید تم کامیاب ہو جاؤ۔»

«اَیُّھَا النّاسُ اِنَّ اللہَ تعالیٰ خَلَقَ الدُّنیا ..... اے بندگانِ خدا! اللہ نے دنیا کو خلق فرمایا اور اسے فنا و زوال کا گھر بنایا۔ یہ اپنے مکینوں کو ایک حال سے دوسرے حال میں الٹتی پلٹتی رہتی ہے۔ فریب خوردہ ہے وہ جسے دنیا دھوکے میں ڈال دے، اور بدنصیب ہے وہ جسے دنیا اپنے فتنوں میں جکڑ لے۔ پس تم دنیا کے دھوکے میں نہ آ جانا، کیونکہ جو کوئی بھی اس پر بھروسہ کرتا ہے یہ اسکی امیدوں کو منقطع کر دیتی ہے اور جو اسکی طمع کرتا ہے وہ محروم رہتا ہے۔

تم سب نے ایک ایسی بات پر ایکا کرلیا ہے جو خدا کے غیظ و غضب کا باعث ہے، اور اس نے اپنا منہ تمہاری طرف سے پھیر لیا ہے اور تم پر اپنا عذاب مسلط کر دیا ہے۔ کتنا اچھا ہے ہمارا پروردگار اور کیسے بدکردار بندے ہو تم لوگ کہ اللہ کی اطاعت کا اقرار کیا اور اس کے رسول محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) پر ایمان لائے اور پھر اسی رسول کی آل اولاد کو قتل کرنے کے لئے اس پر حملے کی تیاری کررہے ہو۔ شیطان تم پر غالب آ گیا ہے اور تمہیں خدا کی یاد سے غافل کر دیا ہے۔ وائے ہو تم پر اور تمہارے ارادوں پر۔ اِنَّالِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ (ہم اللہ ہی سے ہیں اور اسی کی طرف واپس جائیں گے)۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ایمان کے بعد کفر اختیار کرلیا ہے اور یہ ظالم لوگ اللہ کی رحمت سے دور ہیں۔»

دوسرے حصے کے نتائج

امام حسین علیہ السلام نے اپنی تقریر کے دوسرے حصے میں زندگی کی بے ثباتی کی جانب

اشارہ کیا ہے' تمام دنیا اور اسکی زینتوں کو نا قابل اعتبار اور ناپائیدار قرار دیا ہے' اور فرمایا ہے کہ اگر دنیا کسی کے لئے ہمیشہ رہنے والی اور سکون و قرار کی منزل ہوتی تو دوسروں کی نسبت انبیا اور اولیائے الٰہی اس کے زیادہ حقدار تھے۔

امامؑ نے خطبے کے اس حصے میں اہلِ کوفہ کی گمراہی کے اسباب کو بیان کیا ہے اور ان کی توجہ اس نکتے کی جانب مبذول کرائی ہے کہ انہوں نے اس بے ثبات اور نا قابلِ اعتبار دنیا کی لالچ میں اسلام اور اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان کو ترک کر دیا ہے' اپنے امام اور رہبر کے خلاف جنگ کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں اور اپنے پیغمبر کی اولاد کو قتل کرنے پر کمر بستہ ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ امام حسین علیہ السلام نے دنیا اور اس کے زرق و برق کی بے ثباتی کا ذکر کرنے کے بعد اہل کوفہ کی شقاوت اور بد قسمتی کا سبب بیان کیا' اور واضح کیا کہ دنیا کی انہی رنگینیوں اور موہوم مال و مقام کی آرزو' ان کی گمراہی کا اصل سبب ہے۔ اس طرح آپؑ دشمن کو جنگ و جدال اور قتل و غارتگری سے روکنا چاہتے تھے اور چاہتے تھے کہ ان میں سے جو لوگ اصلاح کے قابل ہیں ان کی اصلاح ہو جائے' اور وہ دنیا پر آخرت کو ترجیح دینے لگیں۔

خطبے کے تیسرے حصے میں امامؑ نے اپنے تعارف کے ذریعے انہیں وعظ و نصیحت جاری رکھی' اور یوں فرمایا:

«اَیّھا النّاسُ اَنسِبُونی مَنْ اَنا ثُمَّ ارْجِعُوا اِلیٰ اَنفُسِکُمْ وَعاتِبُوھا وَانظُرُوا ھَل یَحِلُّ لکم قتلی وَانتِھاکُ حُرمَتی؟ اَلَسْتُ ابْنَ بِنْتِ نَبِیِّکُمْ وَابْنَ وَصِیِّہِ وَابْنَ عَمِّہِ وَاَوَّلِ الْمُؤمِنینَ بِاللهِ وَالْمُصَدِّقِ لِرَسُولِہٖ بِما جاءَ مِنْ عِنْدِ رَبِّہِ؟ اَوَلَیْسَ حَمْزَةُ سَیِّدُ الشُّھَداءِ عَمَّ اَبِي؟ اَوَلَیْسَ جَعْفَرُ الطَّیّارُ عَمّی؟ اَوَلَمْ یَبْلُغْکُمْ قَولُ رَسُولِ اللهِ لی

وَلاَخی هٰذٰانِ سَیِّدٰا شَبٰابِ اَهْلِ الْجَّنة؟ فَاِنْ صَدَّقْتُمُونی بِمٰا اَقُولُ وَهُوَ الْحَقُّ وَاللهِ مٰا تَعَمَّدْتُ الْكَذِبَ مُنْذُ عَلِمْتُ اَنَّ اللهَ يَمْقُتُ عَلَيْهِ اَهْلَه وَيَضْرِبُهُ مَن اخْتَلَقَهُ وَاِنْ كَذَّبْتُمُونی فَاِنَّ فِيكُمْ مَن اِنْ سَأَلتموهُ عَنْ ذٰلِكَ اَخْبَرَكُمْ سَلُوا جٰابِرَبْنَ عَبْدِ اللهِ الأنصٰارِی وَاَبٰا سَعيد الْخِدْري وَسَهْلَ بْنَ سَعْدِ السَّاعِدیِ وَزَيْدَ بْنَ اَرْقَمَ وَاَنَسَ بْنَ مٰالِكٍ يُخْبِرُوكُمْ اَنَّهُمْ سَمِعُوا هٰذِهِ الْمَقٰالَةَ مِنْ رَسُولِ اللهِ لي وَلأخِي اَمٰافی هذا حٰاجِز" لَكُمْ عَنْ سَفْكِ دَمِی.»

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

اَنْسَبَهُ : اپنے نسب کو بیان کیا۔ عٰاتَبَهُ : اس کی سرزنش کی۔ حٰاجِز : مانع، رکاوٹ۔ اِنْتِهٰاکُ حُرمَتِ : احترام کو پامال کرنا۔ یَمْقُتُ (مَقَتَ سے): نفرت، ناپسندیدگی۔ اِخْتِلاٰق : جھوٹ گھڑنا۔ مَقٰالَه : بات، قول۔ سَفْکِ دَم : خونریزی۔

ترجمہ اور تشریح

«اَیُّهَا النّٰاسُ اَنْسِبُونی مَنْ اَنَا ثُمَّ..... اے لوگو! میرے شجرۂ نسب اور خاندان کو دیکھو، پھر پلٹ کر سوچو، اپنے آپ کو ملامت کرو اور غور کرو کہ کیا تمہارا مجھے قتل کرنا اور میری حرمت کو پامال کرنا جائز ہے؟ کیا میں تمہارے نبی کی بیٹی کا بیٹا نہیں؟ کیا میں ان کے وصی اور ان کے چچا زاد بھائی کا فرزند نہیں، جو سب

سے پہلے اللہ پر ایمان لائے اور جو کچھ نبی اکرمؐ خدا کی طرف سے لائے تھے' سب سے پہلے اس کی تصدیق کی؟

کیا حمزہ سید الشہدا میرے چچا نہیں؟ کیا جعفر طیار میرے چچا نہیں؟ کیا تم نے میرے اور میرے بھائی کے بارے میں نبی اکرم کا وہ قول نہیں سنا جس میں آپؐ نے فرمایا ہے کہ: یہ دونوں جنت کے جوانوں کے سردار ہیں۔ اگر تم میری کہی ہوئی باتوں کی تصدیق کرتے ہو' تو یہی حق ہے اور خدا کی قسم میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا' کیونکہ میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ جھوٹ بولنے والے سے نفرت کرتا ہے اور اسکے جھوٹ کا نقصان خود اسی کی طرف پلٹتا ہے۔ اور اگر مجھے جھوٹا سمجھتے ہو تو اب بھی مسلمانوں کے درمیان ایسے لوگ موجود ہیں کہ اگر ان سے ان باتوں کے بارے میں پوچھو تو وہ تمہیں بتائیں گے۔ جابر ابن عبد اللہ انصاری' ابوسعید خدری' سہل ابن سعد ساعدی' زید ابن ارقم اور انس ابن مالک' کسی سے بھی پوچھ لو' وہ تمہیں بتائیں گے کہ انہوں نے میرے اور میرے بھائی کے بارے میں رسول اللہ کا یہ قول سنا ہے۔ کیا یہی ایک جملہ کافی نہیں جو تمہیں میرا خون بہانے سے روک سکے؟))

پروپیگنڈے کا توڑ

کیونکہ اہلِ کوفہ کا ایک گروہ بنی امیہ کے اہل کاروں کے زہریلے پروپیگنڈے سے متاثر ہو گیا تھا اور ان کے اذہان میں یہ بات بھر دی گئی تھی کہ حسین ابن علیؑ کے خلاف ان کی جنگ اپنے شرعی اور قانونی خلیفہ (یزید ابن معاویہ) کی حمایت کے لئے ہے' اور کیونکہ حسین ابن علیؑ نے مسلمانوں کی مصلحت کے برخلاف اور ان کے خلیفہ کی مخالفت میں قیام کیا ہے لہٰذا ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ ان کے خلاف جنگ میں حصہ لے۔ اسی وجہ سے امامؑ نے اپنے

خطاب کے تیسرے حصے میں اس پروپیگنڈے کے توڑ کے طور پر اپنے خاندان اور اجداد کی بعض خصوصیات اور اپنے ذاتی اوصاف اور اس مقام و منزلت کی جانب اشارہ کیا جس کی تائید نبی اکرمؐ نے فرمائی تھی۔

یہ وہ خصوصیات تھیں جو ہر مسلمان کے سامنے واضح اور ثابت تھیں۔ ہر شخص جانتا تھا کہ حسینؑ حضرت محمدؐ، حضرت فاطمہ زہراؑ اور رسول گرامیؐ کے چچازاد بھائی حضرت علیؑ کی اولاد ہیں، جو سب سے پہلے نبی اکرمؐ پر ایمان لائے اور جب سب نبی اکرمؐ کے خلاف برسر پیکار تھے، تو وہ آنحضرتؐ کے حمایتی اور پشت پناہ تھے۔ امام عالی مقام نے اپنے چچا حمزہ سید الشہداؑ اور جعفر طیار کا ذکر کیا جن کی کوششوں اور قربانیوں نے اسلام اور قرآن کو استحکام عطا کیا اور دونوں ہی کفار کے خلاف جنگ کے دوران انتہائی مظلومیت کے ساتھ شہید کیے گئے۔

امام حسینؑ نے خود اپنے بارے میں وہ بات کہی جس کا کوئی بھی مسلمان انکار نہیں کر سکتا تھا۔ انہوں نے اپنی فضیلت میں رسول خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا وہ قول بیان کیا اور اسے لوگوں کو یاد دلایا جو ہر مسلمان نے سنا ہوا تھا کہ: هٰذٰانِ سَيِّدَا شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ (یہ دونوں (حسن اور حسین) جنت کے جوانوں کے سردار ہیں۔)

ان فضیلتوں اور خصوصیات کی نشاندہی کے ذریعے امامؑ ان گمراہ لوگوں کو یہ سمجھانا چاہتے تھے کہ اگر تم ہماری جدوجہد کو اسلام اور مسلمانوں کی مصلحتوں کے خلاف سمجھتے ہو، تو جان لو کہ اسلام ہمارے گھرانے میں پلا بڑھا ہے اور ہماری کوششوں کے نتیجے میں تم تک پہنچا ہے۔ جب میرے والد علی ابن طالبؑ نے اسلام قبول کیا، تو اس وقت تمہارے نام نہاد خلیفہ کے اجداد کفر و الحاد کے عالم میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ اور آج جنہیں تم اسلام کے حامی و ناصر سمجھتے ہو اور ان کی حمایت میں شمشیر بدست کھڑے ہو، وہ اس دور میں نہ صرف مخالفینِ اسلام کی صفوں میں شامل تھے بلکہ لوگوں کو پیغمبر اسلامؐ کے خلاف جنگ کی تحریک دیتے تھے۔ میرے چچاؤں نے اسلام کی خاطر ان جیسے افراد کے خلاف تادم شہادت جنگ کی۔

یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ شخص جسے رسول خداؐ جنت کے جوانوں کا سردار قرار دیں، وہ تو اسلام کا مخالف ہو اور وہ لوگ جو کل تک اسلام کے سب سے بڑے دشمن تھے آج اسلام کی حمایت میں سینہ سپر ہوں۔

امام علیہ السلام کی گفتگو قطع کی گئی

اس موقع پر شمر ابن ذی الجوشن کو خیال آیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ امامؑ کی تقریر اسکے سپاہیوں کو متاثر کر دے اور وہ جنگ سے گریز کرنے لگیں۔ لہٰذا امام علیہ السلام کی گفتگو کا سلسلہ منقطع کرنے کی غرض سے بلند آواز میں بولا: هُوَ يَعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ اِنْ كَانَ يَدْرِى مَا يَقُوْلُ (وہ تو بس زبانی کلامی حد تک اللہ کی بندگی کا اظہار کرتے ہیں، اور کچھ نہیں جانتے کہ کیا کہہ رہے ہیں۔)

امامؑ کے لشکر کی طرف سے حبیب ابن مظاہر نے اسے جواب دیا اور کہا: وَ اَنْتَ تَعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى سَبْعِيْنَ حَرْفاً. (خود تو ہے، جو ستر مرتبہ یہ کہے جانے کا مستحق ہے کہ محض زبانی حد تک اللہ کی بندگی کا اظہار کرتا ہے۔)

اس کے بعد امام علیہ السلام نے اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

"فَاِنْ كُنْتُمْ فِى شَكٍّ مِنْ هٰذَا الْقَوْلِ اَفَتَشُكُّوْنَ اَنِّى ابْنُ بِنْتِ نَبِيِّكُمْ فَوَاللّٰهِ مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ ابْنُ بِنْتِ نَبِيٍّ غَيْرِى فِيكُمْ وَلَا فِى غَيْرِكُمْ وَيْحَكُمْ اَتَطْلُبُوْنِى بِقَتِيْلٍ قَتَلْتُهُ اَوْ مَالٍ اِسْتَهْلَكْتُهُ اَوْ بِقِصَاصِ جِرَاحَةٍ.

يَا شَبَثَ ابْنِ رَبْعِى وَيَا حَجَّارَ بْنَ اَبْجَرَ وَيَا قَيْسَ بْنَ الْأَشْعَثِ وَيَا يَزِيْدَ بْنَ الْحَارِثِ اَلَمْ تَكْتُبُوْا اِلَىَّ اَنْ قَدْ اَيْنَعَتِ

الثِّمارُ وَاخْضَرَّ الْجَنابُ وَانَّما تَقْدِمُ عَلیٰ جُنْدٍ لَکَ مُجَنَّدةٍ؟

لا وَ اللّٰهِ لا اُعْطِیْهِمْ بِیَدِیْ اِعْطاءَ الذَّلِیْلِ وَ لا اَفِرُّ مِنْهُمْ فِرارَ الْعَبِیْدِ یا عِبادَ اللهِ اِنِّی عُذْتُ بِرَبِّی وَرَبِّکُمْ اَنْ تَرْجُمُونِ اَعُوذُ بِرَبِّی وَرَبِّکُمْ مِنْ کُلِّ مُتَکَبِّرٍ لا یُؤْمِنُ بِیَوْمِ الْحِسابِ» (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

وَیْحَکُمْ : وائے ہو تم پر۔ قَتِیْل : مقتول۔ اِسْتِهْلاک : تباہ کر دینا۔ قِصاصُ جَراحت : کسی کے لگائے ہوئے زخم یا چوٹ کا بدلہ دینا۔ اَیْنَعَ الثَّمَر : پکا ہوا پھل، تر و تازہ پھل۔ اِخْضَرَّ الْجَناب : یہاں جناب کا مطلب ایک علاقہ ہے اور اس مقام پر عراق اور کوفہ کے سرسبز باغات کے لئے کنائے کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ جُنْدٌ مُجَنَّد : تیار لشکر۔ عُذْت (عاذَ یَعُوْذُ کا متکلم ہے) : پناہ لینا۔ تَرْجُمُوْن (رَجْم سے) : دور پھینک دینا۔

ترجمہ اور تشریح

«فَاِنْ کُنْتُمْ فِی شَکٍّ مِنْ هٰذا ..... اگر تمہیں (میرے اور میرے بھائی کے بارے میں رسولؐ کے) اس قول کے بارے میں کچھ شک ہے، تو کیا تمہیں اس حقیقت میں بھی شبہ ہے کہ میں تمہارے نبی کی بیٹی کا بیٹا ہوں؟ خدا کی قسم مشرق اور مغرب کے مابین تم میں اور تمہارے ماسوا لوگوں میں میرے علاوہ

۱۔ انساب الاشراف۔ ج ۳۔ ص ۱۸۸۔

نبیؐ کا کوئی اور نواسہ نہیں۔ وائے ہو تم پر، کیا میں نے تمہارا کوئی آدمی قتل کیا ہے جس کے قصاص میں تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو؟ یا میں نے تم میں سے کسی کو مالی نقصان پہنچایا ہے؟ یا کسی کو زخمی کیا ہے، جس کا بدلہ لینا چاہتے ہو؟))

جب حسین ابن علیؑ یہ گفتگو فرما رہے تھے، تو لشکرِ ابن سعد پر مکمل خاموشی چھائی ہوئی تھی، سناٹے کا عالم تھا، ان کی طرف سے کوئی ردِ عمل یا جواب نظر نہیں آ رہا تھا۔ یہ دیکھ کر امامؑ نے کوفہ کے چند سرکردہ افراد کو مخاطب کیا۔ یہ لوگ حضرتؑ کو کوفہ بلانے والوں میں سے تھے اور آج ابن سعد کے لشکر میں شامل ہو کر امامؑ کے خلاف آمادۂ جنگ تھے۔ آپؑ نے صدا دی:

((یَا شَبَثَ ابْنِ رَبْعِی ..... اے شبث ابن ربعی، اے حجار ابن ابجر، اے قیس ابن اشعث، اے یزید ابن حارث! کیا تم ہی لوگوں نے مجھے نہیں لکھا تھا کہ پھل پکنے کے قریب ہیں، درخت سرسبز و شاداب ہیں اور تیار لشکر آپؑ کے لئے حاضر ہے۔))

امامؑ کی گفتگو کے جواب میں سوائے انکار کرنے کے، ان لوگوں کے پاس کہنے کو کچھ نہ تھا۔ لہٰذا ان لوگوں نے کہا کہ ہم نے ایسا کوئی خط آپ کو نہیں لکھا۔

اس موقع پر قیس ابن اشعث نے بلند آواز میں کہا: اے حسین! آپ اپنے چچازاد بھائی کی بیعت کیوں نہیں کر لیتے؟ اگر آپ بیعت کر لیں تو اس صورت میں وہ آپ کی پسند کے مطابق آپ سے سلوک کرے گا اور آپ کو کوئی تکلیف بھی نہ پہنچے گی۔

امامؑ نے جواب دیا:

((لاَ وَ اللّٰہِ لاَ اُعْطِیْھِمْ بِیَدِیْ ..... نہیں، خدا کی قسم ہرگز پست اور کم ہمت لوگوں کی طرح اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں نہیں دوں گا اور نہ ہی غلاموں کی طرح راہِ فرار اختیار کروں گا۔))

اس کے بعد امامؑ نے وہ آیۂ کریمہ پڑھی جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وہ جملہ

بیان ہوا ہے جو انہوں نے فرعونیوں کی ہٹ دھرمی اور گستاخی دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ اِنِّی عُذْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّکُمْ مِنْ کُلِّ مُتَکَبِّرٍ لَّا یُؤمِنُ بِیَوْمِ الْحِسَابِ۔ (میں اپنے اور تمہارے پروردگار کی پناہ مانگتا ہوں ہر اس متکبر کے مقابلے میں جو روزِ جزا پر ایمان نہیں رکھتا۔ سورۂ غافر ۴۰- آیت ۲۷)

آخری حصے کا نتیجہ

اپنے خطبے کے چوتھے اور اختتامی حصے میں امامؑ نے آخری اِتمام حجت کی غرض سے اس نکتے کی جانب اشارہ کیا کہ میں نے اپنی جن فضیلتوں کا ذکر کیا ہے، اگر تم ان سب کو نظر انداز کر بھی دو اور جو کچھ رسول کریمؐ نے میرے بارے میں فرمایا ہے، اسے بھی شک وشبہ کی نظر سے دیکھو تو کیا تم اس بات میں بھی شک کر سکتے ہو کہ میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا نواسہ ہوں؟ کیا روئے زمین پر میرے علاوہ نبی اکرمؐ کا کوئی اور نواسہ موجود ہے؟

یہ تمام باتیں کرنے کے بعد امامؑ نے دشمن کو مکمل ناامید اور مایوس کرنے کے لئے کمالِ شجاعت اور بہادری کے ساتھ فرمایا کہ: لاَ وَ اللّٰہِ لاَ اُعْطِیْھِمْ بِیَدِیْ اِعْطَاءَ الذَّلِیْلِ وَ لاَ اَفِرُّ مِنْھُمْ فِرَارَ الْعَبِیْدِ. (نہیں، خدا کی قسم ہرگز پست اور کم ہمت لوگوں کی طرح اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں نہیں دوں گا اور نہ ہی غلاموں کی طرح راہِ فرار اختیار کروں گا۔)

۵۵

عاشور کے دن امامؑ کی دوسری تقریر

«...... وَيْلَكُمْ مَا عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْصِتُوا اِلَيَّ فَتَسْمَعُوا قَوْلِي وَاِنَّمَا اَدْعُوكُمْ اِلٰى سَبِيلِ الرَّشَادِ فَمَنْ اَطَاعَنِي كَانَ مِنَ الْمُرْشَدِينَ وَمَنْ عَصَانِي كَانَ مِنَ الْمُهْلِكِينَ وَكُلُّكُمْ عَاصٍ لِاَمْرِي غَيْرُ مُسْتَمِعٍ لِقَوْلِي قَدِ انْخَزَلَتْ عَطِيَّاتُكُمْ مِنَ الْحَرَامِ وَمُلِئَتْ بُطُونُكُمْ مِنَ الْحَرَامِ فَطَبَعَ اللهُ عَلٰى قُلُوبِكُمْ وَيْلَكُمْ اَلَا تَنْصِتُونَ اَلَا تَسْمَعُونَ؟

...... تَبًّا لَكُمْ اَيَّتُهَا الْجَمَاعَةُ وَتَرَحًا اَفَحِينَ اِسْتَصْرَخْتُمُونَا وَلِهِينَ مُتَحَيِّرِينَ فَاصْرَخْنَاكُمْ مُؤَدِّينَ مُسْتَعِدِّينَ سَلَلْتُمْ عَلَيْنَا سَيْفًا فِي رِقَابِنَا وَحَشَشْتُمْ عَلَيْنَا نَارَ الْفِتَنِ الَّتِي جَنَاهَا عَدُوُّكُمْ وَعَدُوُّنَا فَاَصْبَحْتُمْ اِلْبًا عَلٰى اَوْلِيَائِكُمْ وَيَدًا عَلَيْهِمْ لِاَعْدَائِكُمْ بِغَيْرِ عَدْلٍ اَفْشَوْهُ فِيكُمْ وَلَا اَمَلَ. اَصْبَحَ لَكُمْ فِيهِمْ اِلَّا الْحَرَامَ مِنَ الدُّنْيَا اَنَالُوكُمْ وَخَسِيسَ عَيْشٍ طَمِعْتُمْ فِيهِ مِنْ حَدَثٍ كَانَ مِنَّا

وَلاٰ رَأیٍ تَفیلٍ لَنٰا مَهْلاً لَکُمُ الْوَیْلاٰتُ اِذْکَرِ هْتُمُونٰا وَتَرَکْتُمُونٰا فَتَجَهَّزْتُمْ وَالسَّیْفُ لَمْ یُشْهَرْ وَالجأشُ طامِنٌ وَالرَّأیُ لَمْ یُسْتَصْحَفُ وَلٰکِنْ اَسْرَعْتُمْ عَلَیْنٰا کَطَیْرَةِ الدّبٰاءِ وَتَدٰاعَیْتُمْ اِلَیْنٰا کَتَدٰاعِي الْفِرٰاشِ فَقَبْحاً لَکُمْ فَاِنَّما اَنْتُمْ مِنْ طَوٰاغِیتِ الاُمَّةِ وَشِذٰاذِ ألاَحْزٰابِ وَنَبَذَةِ الْکِتٰابِ وَنَفَثَةِ الشَّیْطٰانِ وَعُصْبَةِ الاٰثٰامِ وَمُحَرِّفی الْکِتٰابِ وَمُطْفِي السُّنَنِ وَقَتَلَةِ اَوْلاٰدِ الاَنْبِیٰاء وَمُبیري عِتْرَةِ الأوْصِیٰاءِ ومُلْحِقي الْعِهٰارِ بِالنَّسَبِ وَمُوذِي الْمُؤْمِنینَ وَصُراخِ أئِمَّةِ الْمُسْتَهْزِئینَ الَّذِین جَعلوا الْقُرآن عِضینَ.» (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

وَیْلَکُمْ : وائے ہو تم پر۔ تَنْصِتُوا (نَصَتَ سے): خاموش ہو گیا، خاموشی سے سنا۔ اِنْخَزَلَ : آہستہ آہستہ چلا گیا۔ مَلِیءَ: بھر گیا ہے۔ طَبَعَ : مہر لگا دی ہے۔ تَرَحَ (را پر زبر کے ساتھ شَرَف کے وزن پر): غم واندوہ۔ اِسْتَصْرَخَ: مدد مانگی۔ وَلِهِیْن (وَلَهَ سے): بہت زیادہ شوق اور اشتیاق۔ اَصْرَخَهُ : اس کی مدد کو پہنچا۔ مُؤَدِّیْنَ (اَدّی تَادِیَه سے): تیار ہونا۔ مُسْتَعِدِّیْن (اِسْتِعْدٰاد سے): گھوڑا دوڑایا، بہت تیزی اور جلدی کے لئے کنائے کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ سَلَلْتُمْ (سَلَّ سے): تلوار سونتنا۔ حَشَشْتُمْ (حَشَ سے):

۱۔ «تحف العقول» میں اس تقریر کا کچھ حصہ اہل کوفہ کے نام امام علیہ السلام کے خط کے طور پر نقل ہوا ہے۔

آگ جلانا، آگ بھڑکانا۔ جَنٰی : جمع کرنا اور تیار کرنا۔ اِلْب (الف پر زیر کے ساتھ): قوت، پشت پناہ۔ خَسِیْس : پست اور کم قیمت۔ تَفِیْل (کَفِیْل کے وزن پر): غلط اور نامناسب۔ مَهلاً : آہستہ۔ وَیْلات (وَیْلَہ کی جمع): مصیبت اور مشکلات۔ لَمْ یُشهَر (شُهِرَہ کا مجہول): تلوار کھینچ کر بلند کرنا۔ جَأْش: دل، سینہ۔ طَامِن : مطمئن۔ اِسْتِصْحَاف : تبدیل ہو جانا۔ طَیْرَۃِ الدَّبَاءِ (طَارَ یَطِیْرُ سے): اڑا۔ دَبَاء (دال پر زبر کے ساتھ): ایک قسم کا ٹڈا۔ تَدَاعُوا عَلَیْهِ : کسی کی دشمنی میں اس کے خلاف جمع ہو گئے۔ طَوَاغِیْت (طَاغُوْت کی جمع): سرکش۔ شَذَاذ : بے حسب ونسب افراد۔ نَبَذَہ (نَابِذ کی جمع): چھوڑ کر چلے جانے والے۔ نَفَثَہ : گلے اور سینے کا بلغم جسے تھوک دیا گیا ہو۔ اِثْم : گناہ اور خیانت۔ مُطْفِیء (اَطْفَاء کا اسم فاعل) بجھانا۔ مُبِیْر: ہلاک کرنے والا۔ صُرَاخ : فریاد۔

ترجمہ اور تشریح

«خوارزمی» لکھتے ہیں کہ عاشور کے دن سرزمینِ کربلا پر امام حسین علیہ السلام کی دوسری تقریر کی کیفیت یہ تھی: جب دونوں لشکر ہر لحاظ سے تیار ہو گئے، عمر ابن سعد کی فوج کے پرچم لہرا دیئے گئے، ڈھول اور باجوں کی آواز گونجنے لگی اور دشمن کے لشکر نے ہر طرف سے امام حسینؑ کے خیموں کو انگوٹھی کے حلقے کی طرح گھیر کر اپنے محاصرے میں لے لیا، تو اس موقع پر حسین ابن علیؑ اپنے لشکر سے نکل کر دشمن کی صفوں کے سامنے تشریف لائے، اور ان سے کہا کہ خاموشی کے ساتھ ان کی باتوں کو غور سے سنیں۔ لیکن وہ لوگ اسی طرح شور وغل مچاتے اور چیختے چلاتے رہے۔ یہ دیکھ کر امامؑ نے یہ کہہ کے انہیں خاموش کیا کہ:

«وَیْلَکُمْ مَا عَلَیْکُمْ اَنْ تَنْصِتُوْا ... وائے ہو تم پر، کیوں خاموش نہیں ہوتے تا کہ میری بات سن سکو۔ میں تمہیں راہِ راست کی طرف بلا رہا ہوں۔ جو

بھی میری پیروی کرے گا وہ ہدایت پائے گا اور جو میری مخالفت کرے گا وہ ہلاکت اور تباہی کا شکار ہو جائے گا۔ اور تم میری مخالفت کر رہے ہو کیونکہ میری بات نہیں سن رہے۔ تمہیں دیئے جانے والے حرام کے تحفے و تحائف اور مال حرام سے بھرے جانے والے تمہارے پیٹ، تمہیں اس مقام پر لے آئے ہیں کہ اللہ نے تمہارے دلوں پر مہر لگا دی ہے۔ وائے ہو تم پر، کیا تم خاموش نہیں ہو گے اور کیا میری بات نہیں سنو گے؟»

یہ سن کر عمر ابن سعد کے سپاہی ایک دوسرے کو لعنت ملامت کرنے لگے اور کہنے لگے کہ خاموش ہو جاؤ اور ان (حسینؑ) کی بات سنو۔ پھر جب ہر طرف خاموشی چھا گئی تو امامؑ نے فرمایا:

«.... تَبّاً لَكُمْ اَيَّتُهَا الْجَمَاعَةُ وَ تَرْحاً ... اے لوگو! ذلت اور حسرت تمہارا مقدر بنے۔ خود تم ہی نے حیران و پریشان ہو کر ہمیں مدد کے لئے بلایا اور جب ہم بھرپور تیاری کے ساتھ تمہاری مدد کو پہنچے تو تم نے اپنی تلواریں ہمارے ہی خلاف کھینچ لیں اور جس آگ کو ہمارے مشترکہ دشمن نے ہمارے خلاف بھڑکایا تھا، اسے تم نے ہمارے خلاف اور شعلہ ور کر دیا۔ آج تم اپنے دوستوں کے دشمن اور اپنے دشمنوں کے دست و بازو بن گئے ہو۔ جبکہ نہ تو دشمنوں نے تمہارے ساتھ انصاف کیا ہے اور نہ ان سے بھلائی کی کوئی توقع پیدا ہوئی ہے، سوائے دنیا کے اس مالِ حرام کے جو تم نے ان سے حاصل کیا ہے اور ذلت و حقارت کی اس زندگی کے جس کی تم ان سے آس لگائے بیٹھے ہو۔

اتنی جلدی نہ کرو۔ بدبختی اور تباہی تمہارا مقدر بنے، کیونکہ تم نے ہماری نصرت سے ہاتھ اٹھا لیا ہے اور ہمارے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ہو۔ حالانکہ نہ تو ہم سے تمہارے خلاف کوئی بات صادر ہوئی ہے، نہ ہمارے متعلق تمہارا کوئی خیال

غلط ثابت ہوا ہے اور نہ ہی ہم نے تمہارے خلاف تلوار کھینچی تھی۔ ہمارے دل بھی تمہاری طرف سے مطمئن تھے اور تمہارے متعلق ہماری رائے میں بھی کوئی تبدیلی نہ آئی تھی۔ لیکن تم ٹڈی دَل کی طرح چاروں طرف سے ہم پر ٹوٹ پڑے۔ برائی تمہارا نصیب ہو، تم امت کے سرکش لوگوں میں سے ہو، بدقماش گروہوں کے بچے کھچے لوگ ہو، کتابِ خدا کو چھوڑ دینے والے ہو، شیطان کی ناک کا نزلہ، گنہگاروں کی ٹولی، کتابِ خدا میں تحریف کرنے والے اور سنتِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو مٹا دینے والے۔ تم آل رسول کو قتل کرتے ہو اور اولیا و اوصیا کی نسلوں کو برباد کرتے ہو۔ تم ولدِ حرام کو نسبی اولاد قرار دینے والے، مومنین کو اذیت و آزار پہنچانے والے اور کتابِ الٰہی کا مذاق اڑانے والوں کی ٹولی کے سرغنہ کے مددگار رہو۔))

امامؑ نے اپنی گفتگو جاری رکھتے ہوئے کچھ اور باتیں بھی کیں، جنہیں اس خطبے کے دوسرے حصے میں ملاحظہ فرمایئے:

((وَ اَنْتُمُ ابْنِ حَرْبٍ وَ اَشْیاعهُ تعْتَمِدُونَ وَاِیّانا تَخذُلُونَ اَجلُ وَاللهِ اَلْخذْلُ فیکُمْ مَعْرُوف وَشَجَتْ عَلَیْهِ عُرُوقُکُمْ وَتَوارَثَتْهُ اُصُولُکُمْ وَفُرُوعُکُمْ وَنَبَتَتْ عَلَیْهِ قُلُوبُکُمْ وَغَشِیَتْ بِهِ صُدُورُکُمْ فَکُنْتُمْ اَخبَثَ شَجَرَةٍ شَجیً لِلنّاظِرِ وَاُکْلَةً لِلْغاصِبِ اَلاٰ لَعْنَةُ اللهِ عَلَی النّاکِثینَ یَنْقُضُونَ الایمانَ بَعْدَ تَوْکیدِها وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللهَ عَلَیْکُمْ کَفیلاً فَاَنْتُمْ وَاللهِ هُمْ اَلا اِنَّ الدَّعِیَّ بْنَ الدَّعِیِّ قَدْ رَکَزَنِي

بَیْنَ اثْنَتَیْنِ بَیْنَ السِلَّةِ وَالذِّلَّةِ وَھَیھَاتَ مِنَّا الذِّلَّة یَاْبی
اللّٰہُ لَنَا ذٰلِکَ وَرَسُولُہُ وَالْمُؤْمِنُونَ وَحُجُورٌ طَابَتْ
وَطَھُرَتْ وَانُوفٌ حَمِیَّۃٌ وَنُفُوسٌ اَبِیَّۃٌ مِنْ اَن تُؤْثِرَ طَاعَۃَ
اللِّئَامِ عَلٰی مَصَارِعِ الْکِرَامِ اَلَا اِنِّی قَدْ أَعْذَرْتُ وَأَنْذَرْتُ
اَلَا اِنِّی زَاحِفٌ بِھٰذِہِ الْاُسْرَۃِ عَلٰی قِلَّۃِ الْعَدَدِ وَخِذْلَانِ
النَّاصِرِ.

فَإِنْ نَھْزِمْ فَھَزَّامُونَ قِدْماً — وَاِنْ نُھْزَمْ فَغَیْرُ مُھَزَّمِینَا
وَمَا اِنْ طِبُّنَا جُبْنٌ وَلٰکِنْ — مَنَایَانَا وَدَوْلَۃُ آخَرِینَا
فَقُلْ لِلشَّامِتِینَ بِنَا اَفِیقُوا — سَیَلْقَی الشَّامِتُونَ کَمَا لَقِینَا
اِذَا مَاالْمَوْتُ رَفَعَ عَنْ اُنَاسٍ — بِکَلْکَلِہِ اَنَاخَ بِآخَرِینَا

اَمَا وَاللّٰہِ لَا تَلْبَثُونَ بَعْدَھَا اِلَّا کَرِیثَمَا یُرْکَبُ الْفَرَسُ
حَتّٰی تَدُورَبِکُمْ دَوْرَ الرَّحٰی تَقْلَقَ بِکُمْ قَلَقَ الْمِحْوَرِ
عَھِدَہُ اِلَیَّ أَبِي عَنْ جَدِّی رَسُولِ اللّٰہِ فَاجْمِعُوا أَمْرَکُمْ
وَشُرَکَاءَکُمْ ثُمَّ لَا یَکُنْ أَمْرُکُمْ عَلَیْکُمْ غُمَّۃً ثُمَّ اقْضُوا
اِلَیَّ وَلَا تُنْظِرُونِ اِنِّی تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ رَبِّی وَرَبِّکُمْ مَا مِنْ
دَابَّۃٍ اِلَّاھُوَ آخِذٌ بِنَاصِیَتِھَا اِنَّ رَبِّی عَلٰی صِرَاطٍ مُسْتَقِیمٍ.
... أَللّٰھُمَّ احْبِسْ عَنْھُمْ قِطْرَ السَّمَاءِ وَابْعَثْ عَلَیْھِمْ
سِنِینَ کَسِنِي یُوسُفَ وَسَلِّطْ عَلَیْھِمْ غُلَامَ ثَقِیف یَسْقِیھِمْ

كَـاْسـاً مُـصَبَّـرَـةً فَلاَ يَدَعُ فيهم اَحَداً قَتْلَةً بِقَتْلَةٍ وَضَرْبَةً بِضَرْبَةٍ يَنْتَقِمُ لي وَلاَوَ لِيائى وَلأهْلِ بَيْتى وَأشْياعِي مِنْهُمْ فَـاِنَّهُـمْ كَـذَّبُـونـا وَخَـذَلُـونـا وَاَنْتَ رَبُّنا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنا وَاَلَيْكَ الْمَصيرُ.» (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

اِبْنِ حَرْبٍ: یزید ابن معاویہ کے لئے استعمال ہوا ہے کیونکہ اس کے دادا ابوسفیان کے باپ کا نام «حرب» تھا۔ اَشْیاع: پیروکار۔ تَـعْتَمِدُوْن :اعتماد سے، بھروسہ کرنا، حمایت کرنا۔ تَخْذُلُوْن (خَذَلَ سے): مدد چھوڑ دینا۔ شَـجَـتْ عَـلَيْـهِ عُرُوْقُكُمْ : شَجَاهُ شَجْواً، اسے کسی کام پر ابھارا۔ عُـرُوْق (عِـرْق کی جمع): رگ وریشے۔ اَصْـل : جڑ ۔ غَشِـيَ وَ غِشْـو : مشغول کرنا، پس پردہ چھپالینا۔ شَـجـيً : ہڈی اور ایسی ہی کوئی چیز جو گلے میں پھنس جائے۔ نـاطِـر وَ نـاطُوْر : باغبان۔ اُكْلَة (الف اور کاف پر پیش کے ساتھ): لقمہ، شیریں اور خوش ذائقہ پھل۔ نـاكِثِيْن: بیعت توڑنے والے۔ اَيْمـان (يَـمِيْن کی جمع): معاہدہ۔ دَعِـــي : منھ بولا بیٹا، وہ جس پر حسب ونسب کے سلسلے میں الزام ہو، پست وذلیل۔ رَكَـزَ الرُّمح: نیزہ زمین پر مارنا، کسی چیز کو مضبوطی سے کھڑا کر دینا، کسی چیز کو کسی جگہ رکھ دینا۔ سِلَّة : تلوار۔ حُـجُـوْر (حِـجـر کی جمع، اس لفظ میں حا کو تینوں اعراب سے پڑھا گیا ہے): گود، دامن۔ اُنُـــــوْف (اَنْف کی جمع): ناک، دماغ کے لئے کنائے کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ حَمِيَّة (حَمِى کی مونث): جو ظلم قبول نہ کرے۔ نُفُوْس (نَفْس کی جمع، فا پر جزم):

۱- یہ خطبہ متن میں معمولی فرق کے ساتھ تحف العقول -ص ۱۷۱، مقتل خوارزمی - ج ۲-ص ۷ اور ۸، لہوف، مقتلِ عوالم اور تذکرۃ الخواص میں موجود ہے۔ البتہ ہم نے یہ خطبہ مقتل خوارزمی سے یہاں درج کیا ہے۔

روح' ارادہ' ہمت۔ أَبِیّ (الف پر زبر' با پر زیر اور یا پر تشدید): کبھی نہ جھکنے والا۔ تُؤْثِرُ (اِیْثار سے): کسی چیز کو کسی دوسری چیز پر ترجیح دینا۔ مَصَارِع (مَصْرَع کی جمع): قتلگاہ۔ کِرَام (کَرِیْم کی جمع): اعلیٰ ظرف کا مالک شخص' بخشنے والا۔ اِعْذَار: وجہ بتانا' دلیل پیش کرنا۔ زَحْف: کسی خاص منزل کی طرف حرکت کرنا۔ اُسْرَة: خاندان کے افراد۔ هَزْم: دشمن کو شکست دینا۔ نَهْزِمُ: پہلے مصرع میں صیغۂ معلوم اور دوسرے مصرع میں صیغۂ مجہول۔ مُهَزَّم: اسی مصرع میں اسم مفعول ہے۔ طِب: عادت' خصلت۔ مَنَایَا: واقعات۔ اِفَاقَه: ہوش میں آنا' آگاہ ہونا۔ کَلْکَل: اونٹوں کا گلہ۔ اِنَاخَه: اونٹ کو بٹھانا۔ رَیْث: وقت' مدت۔ رَحٰی: چکی۔ قَلَق: اضطراب' بے چینی۔ غُمَّة: مبہم کام۔ نَاصِیَة: پیشانی کے بال۔ اَخَذَ نَاصِیَه: فریق مخالف کی ذلت کے لئے کنایہ ہے۔ سِنِیْن: قحط کے سال۔ مُصَبَّر: شدید تلخ۔

ترجمہ اور تشریح

«وَ اَنْتُمُ ابْنِ حَرْبٍ وَ اَشْیَاعهُ تَعْتَمِدُونَ ... اور اب تم «ابن حرب» اور اس کے پیروکاروں کے مددگار بن گئے ہو اور ہمارا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔ ہاں' خدا کی قسم' تمہاری دھوکہ دہی اور بے وفائی مشہور ہے' یہ تمہاری جڑوں میں پیوستہ ہے' تمہاری شاخوں نے اسے وراثت میں پایا ہے' اسی کے ساتھ تمہارے دل پروان چڑھے ہیں اور اسی کو تمہارے سینے چھپائے ہوئے ہیں۔ تم بدترین پھل ہو جو اپنے باغبان کے گلے میں پھنس جاتا ہے اور غاصبوں کے لئے خوش مزہ ہوتا ہے۔ خدا کی لعنت ہو ان لوگوں پر جو مضبوط قول و قرار کے بعد اپنے وعدوں سے پھر جاتے ہیں۔ حالانکہ تم لوگوں نے عہد و پیمان پر خدا کو بھی گواہ اور ضامن قرار دیا تھا۔ خدا کی قسم تم ہی وہ (عہد و پیمان توڑنے

والے) ہو۔ دیکھو پست اور فرومایہ باپ کے پست اور کمین بیٹے (ابن زیاد) نے مجھے دو میں سے کسی ایک بات کے انتخاب پر مجبور کر دیا ہے' یا تو تلوار (اٹھا لوں) یا ذلت (قبول کرلوں)۔

ممکن ہی نہیں کہ ہم ذلت قبول کریں۔ خدا' اس کا رسولؐ، پاک و پاکیزہ آغوش' اونچی ناک' غیرت مند نفس قطعاً ہمیں اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ ہم عزت کی موت پر کمینوں کی اطاعت کو ترجیح دیں۔

یادرکھو کہ میں نے تمہیں سب کچھ بتا کے حجت تمام کر دی ہے اور تمہیں متنبہ بھی کر دیا ہے۔ ہاں' اعوان و انصار کی کمی اور مددگاروں کے منہ موڑ لینے کے باوجود میں اسی مختصر کنبے کے ساتھ تمہارے خلاف جنگ کے لئے تیار ہوں۔))

اس کے بعد امامؑ نے درج ذیل اشعار پڑھے: (اشعار کا ترجمہ پیش خدمت ہے۔)

((اگر ہم دشمن پر کامیاب ہو جائیں تو یہ نئی بات نہیں' ہم تو پہلے بھی کامیاب ہوتے رہے ہیں اور اگر شکست کھا جائیں تب بھی وہ ہماری شکست نہ ہو گی۔ خوف اور بزدلی ہمارا شیوہ نہیں لیکن اس وقت ہم حوادث کی زد پر ہیں اور بظاہر ہمارا دشمن فائدے میں ہے۔ ہماری مصیبت پر خوشیاں منانے والوں سے کہو کہ وہ بھی ایک دن ایسے ہی حالات کا سامنا کریں گے' جب دوسرے ان کی مصیبت پر خوشیاں منائیں گے۔ کیونکہ موت کا اونٹ ایک در سے ہٹ کر دوسرے کسی در پر بیٹھ جاتا ہے۔))

اسکے بعد امام علیہ السلام نے فرمایا:

((اَمَا وَاللہ لاَ تَلْبَثُونَ بَعدَ ھٰا اِلاَّ کَرِیثما..... خدا کی قسم! اس کے بعد تم اتنی ہی دیر تک سکو گے جتنی دیر گھوڑے پر سوار ہونے میں لگتی ہے۔ یہاں تک کہ حوادث کی چکی تمہیں پیل کے رکھ دے گی اور جس طرح چکی کا مرکز مسلسل

گردش میں رہتا ہے' اسی طرح تم بھی چکر میں رہو گے۔ یہ وہ وعدہ ہے جو میرے والد نے نبی اکرمؐ سے سن کر مجھ سے نقل کیا ہے۔ اب تم اور تمہارے شریک ایکا کرلو' اور تم پر کوئی بات مخفی نہ رہے۔ میرے بارے میں اپنے باطل ارادے کو جامۂ عمل پہناؤ اور مجھے ذرا مہلت نہ دو۔ میں تو صرف اللہ ہی پر بھروسہ کرتا ہوں' جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی' اور زمین پر جتنے چلنے والے ہیں سب کا مالک ہے۔ بے شک میرا پروردگار سیدھی راہ پر ہے۔))

اس کے بعد امامؑ نے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند کئے اور عمر ابن سعد کی سپاہ کو ان الفاظ میں بددعا دی:

((اَللّٰھُمَّ احْبِسْ عَنْھُمْ قِطَرَ السَّمَاءِ ..... بارِالٰہا! ان پر آسمان سے ہونے والی بارش روک دے' انہیں ایسے قحط سے دوچار کر جیسا قحط حضرت یوسف (علیہ السلام) کے زمانے میں آیا تھا' ان پر قبیلۂ ثقیف کے جوان کو مسلط کر دے جو انہیں ذلت وخواری کا مزہ چکھادے' اور ان میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑے۔ یہاں تک کہ قتل کا بدلہ قتل سے اور چوٹ کا بدلہ چوٹ سے نہ لے لے اور میرا اور میرے انصار اور اہل بیت کا انتقام ان سے لے۔ کیونکہ ان لوگوں نے ہمیں دھوکہ دیا' ہمیں جھٹلایا اور ہماری حمایت اور مدد سے گریز کیا۔
تو ہی ہمارا پروردگار ہے' ہم نے تجھ ہی پر توکل کیا ہے اور تیری ہی طرف ہمیں پلٹنا ہے۔))

خطبے میں موجود اہم ترین نکات

اس خطبے کا ایک ایک جملہ امامؑ کے دوسرے خطبوں ہی کی طرح تشریح طلب اور قابلِ غور ہے۔ یہ خطبہ انتہائی اہم نتائج پر محیط اور ایسے سبق آموز دروس پر مشتمل ہے جن کے تفصیلی

بیان کے لئے ایک علیحدہ کتاب کی ضرورت ہے۔

قارئین نے ملاحظہ کیا ہوگا کہ امامؑ نے اس خطبے کے بڑے حصے میں اہل کوفہ کی مذمت کی ہے' اوران کی وعدہ خلافی کا ذکر کیا ہے' انہیں یاد دلایا ہے کہ کیسے ایک روز یہ لوگ بنی امیہ کے مظالم سے تنگ آ کر پروانوں کی طرح امامؑ کے گرد چکر کاٹنے لگے تھے اور پھر یکایک بالکل ہی پلٹ گئے اور انہیں چھوڑ کر انہی جرائم پیشہ بنی امیہ کی حمایت اور نصرت میں مشغول ہو گئے' اور جو تلواریں اہل بیتِ رسول کی حمایت میں اٹھائی تھیں انہی کو خاندان پیغمبر کی مخالفت میں بلند کرلیا اور جو آگ دشمن نے فرزند رسولؐ کے خلاف بھڑکائی تھی اسکے شعلوں کو ان لوگوں نے اور ہوا دی۔

امامؑ اسی طرح اہلِ کوفہ کی مذمت کرتے ہوئے یہاں تک پہنچتے ہیں کہ: تم سنتِ رسولؐ کو نابود کرنے والے اور چراغ ہدایت کو بجھانے والے ہو' تم ایسے منحوس پھل کی مانند ہو جو اپنے باغبان (جو ہم اہل بیت ہیں) کے گلے میں پھنس جاتا ہے اور اپنی دیکھ بھال کرنے والے ہی کے لئے دردو الم کا باعث ہو جاتا ہے' لیکن خائنوں اور بنی امیہ کے لئے جو اپنے باطل مقاصد کے لئے اس سے استفادہ کرتے ہیں' خوش ذائقہ اور لذیذ لقمہ بن جاتا ہے۔

خطبے کی ابتدا میں امامؑ نے اپنی مدد سے کنارہ کش ہو کر اسلام کے دیرینہ دشمن بنی امیہ کی مدد وحمایت پر کمر بستہ ہو جانے والے اہلِ کوفہ کی اس گمراہی کا سبب اس حرام غذا کو قرار دیا' جس سے ان لوگوں نے اپنے پیٹ بھر لئے تھے۔

اب جبکہ حسین ابن علیؑ کے سامنے صرف دو راستے تھے۔ یا تو ذلت آمیز زندگی قبول کریں' یا پر افتخار موت کو گلے لگائیں' تو اس موقع پر آپؑ اپنے راستے کی نشاندہی فرماتے ہیں اور ذلت بھری زندگی پر باعزت موت کو ترجیح دیتے ہیں اور فرماتے ہیں: هَيْهَاتَ مِنَّا الذِلَّة.

آخر میں امامؑ اہلِ کوفہ کو ان کے بھیانک مستقبل کی خبر دیتے ہیں اور انہیں بددعا دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: اے خدا ثقیف کے جوان کو ان پر مسلط کر دے۔

اس خطبے میں متعدد انتہائی اہم نکات ہیں لیکن ہم ذیل میں محض چند نکات کے جائزے پر اکتفا کر رہے ہیں۔

۱-حق سے روگردانی میں حرام خوری کے اثرات

بے شک ہر گناہ (اگر اس سے توبہ اور استغفار نہ کی جائے تو) انحراف اور راہِ حق سے دوری کا سبب بن سکتا ہے۔ لیکن تمام گناہوں میں حرام خوری وہ گناہ ہے جو فکری انحراف اور حق سے دوری کے سلسلے میں انتہائی موثر اور گہرے اثرات و کردار کا حامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں حکم دیا گیا ہے کہ نہ صرف بالغ افراد بلکہ بچوں کی خوراک اور حاملہ یا بچوں کو دودھ پلانے والی خواتین کے کھانے پینے میں بھی اس اصول کا سنجیدگی کے ساتھ لحاظ رکھا جائے۔ اگرچہ بچے مکلّف نہیں ہوتے لیکن یہ دیکھتے ہوئے کہ غذا اور کھانا پینا مستقبل میں ان کے فکری اور روحانی ڈھانچے پر بنیادی اثر مرتب کرتا ہے، اس مسئلے پر بھرپور توجہ دی گئی ہے۔ لہٰذا امام حسین علیہ السلام نے اس خطبے کے پہلے حصے میں اہلِ کوفہ کی گمراہی اور ان کے اس قدر عناد کی کہ حتیٰ امامؑ کی بات تک سننے کو تیار نہیں، یہ وجہ بیان کی ہے کہ: وَ مُلِئَتْ بُطُوْنُکُمْ مِنَ الْحَرٰامِ فَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِکُمْ (تمہارے شکم حرام سے بھرے ہوئے ہیں۔ لہٰذا اللہ نے تمہارے دلوں پر مہر لگا دی ہے)۔ گزشتہ کئی برسوں سے میرے والدِ گرامی علی ابن ابی طالبؑ کو ناکام بنانے اور پھر میرے بھائی حسن مجتبیٰ علیہ السلام کو میدانِ سیاست و خلافت سے نکال کر گوشہ نشینی پر مجبور کرنے کے لئے بنی امیہ کی طرف سے تحفے و تحائف کے نام پر تمہیں بے دریغ مالِ حرام سے نوازا گیا ہے۔ تمہارے پیٹوں میں یہی مالِ حرام بھرا ہوا ہے اور یہ اسی حرام کمائی کا نتیجہ ہے کہ تمہارے دل سیاہ ہو چکے ہیں، تمہاری آنکھیں حق دیکھنے سے اندھی ہوگئی ہیں اور تمہارے کان حق بات سننے سے بہرے ہو چکے ہیں۔

۲-اسلام کی طاقت اسلام کے خلاف

اس خطبے میں دوسرا قابل توجہ اور لائق اہمیت نکتہ امامؑ کا اہل کوفہ کو اس حقیقت کی جانب متوجہ کرنا تھا کہ تم خاندان پیغمبرؐ ہی کی تلوار لے کر ان کے خلاف جنگ کو نکل کھڑے ہوئے اور تم نے اسلام کی دی ہوئی قوت سے خود اسلام ہی کے خلاف کام لیا۔

یہ دونوں مسائل جن کی طرف امام علیہ السلام نے کربلا کے میدان میں، حق و باطل کی اس بے مثال معرکہ آرائی کے دوران اشارہ فرمایا تاریخ کے اس دور، اور کسی خاص خطے سے مختص نہیں، بلکہ یہ وہ آفاقی حقائق ہیں جن کا سامنا حق و باطل کی جد و جہد میں ہمیشہ انسان کیا کرتے ہیں اور آج بھی خود ہم ایسی مثالوں کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔

جی ہاں، ایسا ہمیشہ ہوا ہے کہ خاص حالات میں جب کچھ مخلص جانباز اسلام کی عزت اور سربلندی کی خاطر اپنی جان کی بازی لگا رہے ہوتے ہیں، بعض کم ہمت اور خودغرض افراد اپنے ذاتی مفادات کے تحفظ کے لئے، یا تو خاموشی اختیار کئے رہتے ہیں اور یا اسی اسلام کے خلاف سازشوں اور ریشہ دوانیوں میں مشغول ہو جاتے ہیں جس نے انہیں عزت اور احترام دیا ہوتا ہے۔ اکثر یہ وہ افراد ہوتے ہیں جو عام حالات میں اسلام کے سب سے بڑے حامی کے طور پر پیش پیش رہتے ہیں اور اس نمود و نمائش کے سوا، اسلام کے ان نام لیواؤں کی شخصیت کسی بھی صلاحیت اور لیاقت سے عاری ہوتی ہے۔ لہٰذا جب امتحان کا وقت پڑتا ہے، تو اسلام کے یہی ظاہری محافظ اسلام دشمنوں کے اصل حامی و ناصر بن کر معاشرے میں تباہی اور بربادی کا سبب بنتے ہیں۔ البتہ ان کا انجام بھی وہی ہوتا ہے جس کا سامنا امامؑ کی اس بد دعا کے نتیجے میں اہلِ کوفہ کو کرنا پڑا کہ: بارِ الٰہا! ان پر ثقیف کا جوان مسلط کر دے جو انہیں ذلت اور بے عزتی کا مزہ چکھائے۔ یقیناً ہر زمانے کا ((ثقیف کا جوان)) اس زمانے کے لحاظ سے ہوتا ہے۔

۳-عزم راسخ

امامؑ کے اس خطبے میں تیسرا قابل توجہ نکتہ ایک دوٹوک موقف کا تعین، عزم راسخ کا اظہار اور ذلت کے ساتھ سر نہ جھکانے کا اعلان ہے۔ آپؑ نے کھل کر واضح فرما دیا کہ تلواروں اور نیزوں کے سائے میں اور حتیٰ لاشوں کی پامالی کے باوجود جب بھی موت اور ذلت میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا پڑا، تو ہمارا اٹل موقف یہی ہوگا کہ: هَيْهَاتَ مِنَّا الذِّلَّة۔

راقم الحروف کے خیال میں امام عالی مقامؑ کے حرم مطہر کے گنبد پر لہرانے والے سرخ پرچم کی بجائے مناسب تر یہ ہوگا کہ وہاں سرخ رنگ سے مذکورہ بالا قول تحریر کر دیا جائے۔ کیونکہ امامؑ کا یہ قول کسی بھی دوسری علامت سے بڑھ کر ان کی فکری آزادی کا مظہر، ان کے چاہنے والوں میں جوش و ولولے کا باعث اور ان کے دشمنوں کے لئے ہر قوت و طاقت سے بڑھ کر دندان شکن ہوگا۔

امامؑ کا مقابلہ ایک انتہائی بے رحم اور خونخوار دشمن سے تھا، جس نے آپؑ، آپؑ کے اصحاب اور آپؑ کے اہل بیت کے ساتھ ہر ممکن بے رحمانہ سلوک کیا اور جو کچھ تصور کیا جا سکتا ہے وہ سب کچھ کر گزرا۔ لیکن وہ واحد قوت جس کے سامنے دشمن نے اپنے آپ کو ناتواں اور بے بس پایا وہ حسین ابن علیؑ کا عزمِ راسخ اور کسی بھی صورت میں ذلت کے ساتھ سر جھکانے کے لئے تیار نہ ہونا تھا۔ آپؑ نے دشمن کی تلواروں اور نیزوں کے مقابلے میں بھی کرار غیرِ فرار کی مانند للکار کر فرمایا: ہم اعوان و انصار کی قلت کے باوجود اپنے سے زیادہ قوی دشمن کا مقابلہ کریں گے، کیونکہ اگر ہم جیتے تو جیتنا ہمارے لئے کوئی نئی بات نہیں اور اگر مارے گئے تب بھی دنیا جانتی ہے کہ ہم ہارنے والے نہیں کیونکہ دشمن ہمارے لاشوں کو پامال تو کر سکتا ہے لیکن ہمارے پختہ ارادے میں رخنہ نہیں ڈال سکتا۔

شاعر اہل بیت ((شیخ کاظم ازری)) کہتے ہیں: قَدْ غَيَّرَ الطَّعْنُ مِنْهُمْ كُلَّ جَارِحَةٍ

اِلَّا الْمَکَارِمَ فِی اَمْنٍ مِنَ الْغِیَرِ (۱)

جس دن شیخ کاظم نے یہ شعر کہے اسی رات جناب سیدہؑ نے ان کے ایک جاننے والے کے خواب میں آ کے کہا کہ جاؤ شیخ ازری سے یہ شعر سنو۔ گو کہ اس شخص اور شیخ کاظم ازری کے درمیان تعلقات اچھے نہ تھے' اس کے باوجود وہ جنابِ سیدہؑ کے حکم کی تعمیل میں شیخ کے گھر آئے اور کہا: اے شیخ! کیا تم نے کوئی شعر اس طرح کا کہا ہے کہ قَدْ غَیَّرَ الطَّعْنُ ... شیخ ازری نے کہا: ہاں' کہا ہے' لیکن تمہیں کیسے پتا چلا کیونکہ ابھی تک یہ شعر میں نے کسی کو بھی نہیں سنایا ہے۔ انہوں نے جواب دیا: ابھی جنابِ سیدہؑ میرے خواب میں تشریف لائی تھیں اور یہ شعر سنایا اور پھر مجھے حکم فرمایا کہ خاص یہی شعر سننے کے لئے تمہارے پاس آؤں۔

۱۔ دشمن کے نیزوں نے ان کے سارے بدن کو بدل کر رکھ دیا لیکن ان کی عظمت اور بلند ارادے تبدیلی سے محفوظ رہے۔

۵۶

امامؑ کی بد دعا

«.....اَللّٰهُمَّ اِنّا اَهلُ بَيتِ نَبِيِّکَ وَ ذُرِّيَّتُهُ وَ قَرابَتُهُ فَاقْصِمْ مَنْ ظَلَمَنا وَ غَصَبَنا حَقَّنا اِنَّکَ سَمِيعٌ قَرِيبٌ.

.....اَللّٰهُمَّ اَرِنِی فِيهِ هٰذَا الْيَوْمِ ذُلًّا عاجِلاً.

.....اَللّٰهُمَّ حُزْهُ اِلَی النّارِ.

.....اَللّٰهُمَّ اقْتُلْهُ عَطَشاً وَ لا تَغْفِرْ لَهُ اَبَداً.»

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

قَصْم : توڑنا، کچل دینا۔ حُزْهُ (حازَ يَحُوزُ کا فعل امر): اونٹ وغیرہ کو ہانکنا۔

ترجمہ اور تشریح

مورخین نے لکھا ہے کہ عاشور کے دن امامؑ کی تقریروں اور ان کے وعظ و نصیحت کے باوجود تین افراد ذاتی طور پر امامؑ سے تکرار کے لئے آئے اور اپنی ہٹ دھرمی اور حق و حقیقت کے انکار کے ذریعے انہوں نے اپنے معاملے کو انتہا تک پہنچا دیا۔ یہاں تک کہ امامؑ نے ان تینوں کو بد دعا دی اور یہ بد دعا فوراً ہی قبول ہوئی۔ تین میں سے دو افراد نے اسی وقت اپنی گستاخی کی سزا پائی اور تیسرا کچھ مدت بعد کیفرِ کردار کو پہنچا۔

۱:-((خوارزمی)) نے نقل کیا ہے کہ جب امامؑ نے دیکھا کہ ان کی نصیحت کا لوگوں پر کوئی اثر نہیں ہوا اور وہ جنگ کے لئے تیار ہیں تو اپنا چہرہ آسمان کی طرف کر کے خداوند متعال کے حضور عرض کیا:

((اَللّٰھُمَّ اِنَّا اَھلُ بَیْتِ نَبِیِّکَ وَ ذُرِّیَّتُہُ وَ قَرابَتُہُ فَاقْصِمْ مَنْ ظَلَمَنَا وَ غَصَبَنَا حَقَّنَا اِنَّکَ سَمِیْعٌ قَرِیْبٌ))

((بارِالٰہا! ہم تیرے نبی کے اہل بیت، آل اولاد اور ان کے قرابت دار ہیں۔ معبود! ان سب کو ذلیل و خوار کر دے جنہوں نے ہم پر ظلم کیا اور ہمارا حق غصب کیا ہے، یقیناً تو سننے والا اور سب سے قریب ہے۔))

((محمد بن اشعث)) جو دشمن کی اگلی صفوں میں تھا اور امامؑ کی بددعا سن رہا تھا، وہ آگے بڑھا اور کہنے لگا: اَیُّ قَرابَۃٍ بَیْنَکَ وَ بَیْنَ مُحَمَّدٍ (تمہارے اور محمد کے درمیان کونسی قرابت داری ہے؟)

امامؑ نے جب اس کا یہ صاف انکار اور ڈھٹائی دیکھی تو اسے ان الفاظ میں بددعا دی:

((اَللّٰھُمَّ اَرِنِی فِیْہِ ھٰذَا الْیَوْمِ ذُلًّا عَاجِلًا))

((بارِالٰہا! آج ہی میرے سامنے اس پر فوری ذلت نازل فرما۔))

امامؑ کے مہربان اور محبت آمیز لیکن دکھی دل سے نکلنے والی یہ بددعا فوراً ہی پوری ہوئی۔ کچھ ہی دیر بعد ((محمد بن اشعث)) رفع حاجت کی غرض سے لشکر کی صفوں سے چند قدم ہٹ کر بیٹھا ہوا تھا کہ ایک سیاہ بچھو نے اسے ڈس لیا اور اسی حالت میں وہ ہلاک ہوا، جبکہ اس کی شرمگاہ کھلی ہوئی تھی۔(۱)

۲:- بلاذری، ابن اثیر اور دیگر مورخین کے بیان کے مطابق جب عمر ابن سعد کا لشکر امامؑ کے

۱- مقتل خوارزمی- ج۱- ص۲۴۱۔

خیموں کے نزدیک ہوا، تو اس موقع پر عبداللہ بن حوزہ تمیمی نامی شخص آگے بڑھا اور امامؑ کے اصحاب سے مخاطب ہو کر بولا : اَفِیْکُمْ حُسَیْنٌ ؟ (کیا تمہارے درمیان حسین موجود ہیں؟) کسی نے اسے جواب نہیں دیا، یہاں تک کہ جب تیسری مرتبہ اس نے یہی جملہ دُہرایا تو امامؑ کے ایک صحابی نے امامؑ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اسے جواب دیا: هٰذَا الْحُسَیْنُ فَمَا تُرِیْدُ فِیْهِ (یہ ہیں حسین، بتاؤ تم کیا چاہتے ہو؟)

عبداللہ ابن حوزہ نے امامؑ کو مخاطب کر کے کہا: اَبْشِرْ بِالنَّارِ (تمہیں جہنم کی بشارت دیتا ہوں۔)

امام علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا: کَذِبْتَ بَلْ اَقْدِمُ عَلٰی رَبٍّ غَفُوْرٍ کَرِیْمٍ مُطَاعٍ شَفِیْعٍ. فَمَنْ اَنْتَ؟ (تو جھوٹ بولتا ہے، کیونکہ میں تو اس پروردگار کی بارگاہ میں جاؤں گا جو بخشنے والا، مہربان اور شفاعت قبول کرنیوالا ہے اور اسی کا حکم مانا جاتا ہے۔ تو بتا، تو کون ہے؟)۔ عبداللہ نے کہا: میں ابن حوزہ ہوں۔ اس موقع پر امامؑ نے اپنے دستِ مبارک بلند کئے اور اس کے نام کی مناسبت سے اسے ان الفاظ میں بددعا دی:

«اَللّٰھُمَّ حُزْہُ اِلَی النَّارِ»

«بارِالٰہا! اسے آتشِ جہنم کی طرف کھینچ لے۔»

ابن حوزہ، امامؑ کی بددعا سن کر سیخ پا ہو گیا اور اسی غصے کے عالم میں اپنے گھوڑے کو زوردار کوڑا مارا۔ کوڑا کھاتے ہی گھوڑا بدک گیا اور عبداللہ گھوڑے کی پشت سے اچھل کر ایک گڑھے میں جا گرا اور اس کا پاؤں گھوڑے کی رکاب میں الجھ گیا۔ گھوڑا اسے لے کر اِدھر اُدھر بھاگنے لگا اور آخر کار اس خندق کی طرف چلا گیا جس میں آگ لگی ہوئی تھی اور عبداللہ کا سخت زخمی اور نیم جان جسم اسی آگ میں جا پڑا اور وہ آخرت کی آگ کا ایندھن بننے سے پہلے، دنیا کی آگ میں جل کر راکھ ہوا اور فوری عذاب کا مزہ چکھ لیا۔

یہ دیکھ کر امامؑ سجدے میں گر گئے اور اپنی دعا پوری ہونے پر سجدۂ شکر ادا کیا۔

«ابن اثیر» یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد «مسروق ابن وائل حضرمی» کی زبانی لکھتا ہے کہ: میں مالِ غنیمت لوٹنے کی غرض سے لشکر کوفہ کی اگلی صفوں میں آ گیا تھا لیکن جب میں نے اپنی آنکھوں سے «ابن حوزہ» کا انجام دیکھا تو سمجھ گیا کہ یہ گھرانہ اللہ کے نزدیک خاص احترام رکھتا ہے۔ لہٰذا میں نے خود کو ایک طرف کر لیا اور دل ہی دل میں فیصلہ کر لیا کہ مجھے ان لوگوں سے نہیں لڑنا چاہئے، وگرنہ میں بھی آتشِ جہنم کا شکار ہو جاؤں گا۔(۱)

۳:- «بلاذری» نے لکھا ہے کہ: عاشور کے دن «عبداللہ ابن حصین عضدی» نے بلند آواز میں پکار کر کہا: اے حسین! یہ فرات کا پانی دیکھ رہے ہو؟ کیسا صاف وشفاف ہے۔ خدا کی قسم! اس کا ایک قطرہ بھی تمہارے حلق تک نہیں پہنچنے دیں گے، یہاں تک کہ تم اسی پیاس میں مرجاؤ۔

امامؑ نے اس کے جواب میں اسے بددعا دیتے ہوئے کہا:

«اَللّٰھُمَّ اقْتُلْهُ عَطَشاً وَ لاٰ تَغْفِرْ لَهُ اَبَداً»

«بارِالہا! اسے پیاس سے مار ڈال اور کبھی اس کی مغفرت نہ فرما۔»

اس کے بعد «بلاذری» کہتا ہے: جیسا کہ امامؑ نے بددعا دی تھی، ابن حصین پیاس سے ہی مرا۔ کیونکہ عاشور کے بعد ایک مدت تک وہ جتنا بھی پانی پی سکتا تھا پیتا تھا لیکن اسکے باوجود اس کی پیاس نہیں بجھتی تھی۔ یہاں تک کہ اسی عالم میں وہ ہلاک ہوا۔(۲)

۱-انساب الاشراف - ج ۳- ص ۱۹۱، تاریخ کامل ابن اثیر- ج ۴- ص ۲۷، مقتل خوارزمی- ج ۱- ص ۲۹۴، تاریخ ابن عساکر- ص ۲۵۶۔

۲-انساب الاشراف- ج ۳- ص ۱۸۱۔

۵۷

عمر ابن سعد کے ساتھ گفتگو

«اَیْ عُمَرُ اَ تَزْعَمُ اَنَّکَ تَقْتُلُنِی وَ یُوَلِّیکَ الدَّعِیُّ بِلادَ الرَّی وَ جُرْجَان وَ اللّٰهِ لاٰ تَتَهَنَّأُ بِذٰلِکَ عَهْدٌ مَعْهُودٌ فَاصْنَعْ مٰا اَنْتَ صٰانِعٌ فَاِنَّکَ لاٰ تَفْرَحُ بَعْدِی بِدُنْیٰا وَ لاٰ آخِرَةٍ وَ کَاَنِّی بِرَاْسِکَ عَلٰی قَصَبَةٍ یَتَرٰامٰاهُ الصِّبْیٰانُ بِالْکُوفَةِ وَ یَتَّخِذُونَهُ غَرَضاً بَیْنَهُمْ»(۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

وَلِّی، تَوْلِیَةً : کسی کو کسی کام کا ذمے دار مقرر کرنا۔ تَتَهَنَّأُ (هَنَاَ سے): خوش گوار ہونا۔ قَصَبَة : بانس۔ تَرٰامٰی : پتھروں کی بارش کرنا۔ غَرَض : ہدف، مقصد۔

ترجمہ اور تشریح

امامؑ نے اپنے دوسرے خطاب کے بعد عمر ابن سعد کو بلایا۔ باوجود یہ کہ عمر ابن سعد اس ملاقات پر راضی نہ تھا اور امامؑ کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن بالآخر سامنے آیا اور حسین ابن علیؑ نے آخری مرتبہ اس پر حجت تمام کی اور اسے اپنے ساتھ جنگ کے ارادے اور فیصلے کے برے

۱۔ مقتل خوارزمی۔ ج ۲۔ ص ۸، مقتل عوالم۔ ص ۸۴۔

نتائج سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا:

«اَیْ عُمَرُ اَتَزْعَمُ اَنَّکَ تَقْتُلُنِی ... کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ جب تم مجھے قتل کر لو گے تو پھر وہ بے حیا (یزید) «رے» اور «گرگان» کی حکومت تمہارے حوالے کر دے گا۔ نہیں، خدا کی قسم وہ حکومت تمہیں کبھی نصیب نہیں ہو گی اور یہ وعدہ یقینی وعدہ ہے۔ جو کر سکتے ہو کر گزرو۔ میرے بعد نہ اس دنیا میں اور نہ آخرت میں، کہیں بھی تم چین سے نہ رہ سکو گے۔ وہ وقت زیادہ دور نہیں، جب اسی شہر کوفہ میں، تیرا سر ایک بانس پر ہو گا اور شہر کے بچے اسے کھلونا بنا کر اس پر سنگ باری کریں گے۔»

امامؑ کی یہ بات سن کر عمر ابن سعد بغیر کوئی جواب دیئے، سخت طیش کے عالم میں اپنے لشکر کی طرف واپس چلا گیا۔

امامؑ کی بد دعا اور عمر ابن سعد کا انجام

امام حسین علیہ السلام نے اتمام حجت کی غرض سے عمر ابن سعد سے دوسری مرتبہ ملاقات کی اور اسے وعظ و نصیحت کی۔ یہاں تک کہ اس سے وعدہ کیا کہ اگر اسے کوئی مادی نقصان اٹھانا پڑا تو امامؑ اس کا بھی ازالہ فرما دیں گے۔ اس طرح امامؑ اس کی خیر خواہی اور رہنمائی کرنا چاہتے تھے تاکہ وہ اس ظلم اور بہیمیت سے دور رہے اور دنیا اور آخرت کے عذاب میں مبتلا نہ ہو جائے۔

لیکن دنیا کی محبت اور عہدے و مقام کی خواہش نے اس طرح عمر ابن سعد کی عقل پر قبضہ جما لیا تھا اور اس سے اسکا اختیار سلب کر لیا تھا کہ دونوں موقعوں پر امامؑ کو اس کے منفی جواب کا سامنا کرنا پڑا اور اس تمام وعظ و نصیحت کا کوئی نتیجہ حاصل نہ ہو سکا۔ یہاں تک کہ پہلی ملاقات میں امامؑ نے اسے بد دعا دیتے ہوئے کہا: ذَبَحَکَ اللّٰہُ عَلٰی فِرَاشِکَ... (خدا تجھے تیرے بستر پر ذبح کروائے اور قیامت کے دن تیری مغفرت نہ کرے، اور امید ہے کہ عراق کی

گندم سے تجھے بہت کم نصیب ہو پائے گا۔)

اس گفتگو میں ہم دیکھتے ہیں کہ جب امامؑ کی تمام وعظ ونصیحت بے نتیجہ رہی، اور آپؑ نے دیکھا کہ ابن سعد حملے کے لئے تیار ہے تو فرمایا: نہ صرف یہ کہ تجھے کسی صورت حکومت نہیں ملے گی بلکہ نہ دنیا میں اور نہ ہی آخرت میں تجھے کوئی خوشی نصیب ہوگی۔

اب ہم عاشورا کے بعد عمر ابن سعد کے انجام پر ایک طائرانہ نظر ڈالیں گے تا کہ یہ جان سکیں کہ جو کچھ امامؑ نے اس کے مستقبل کے بارے میں فرمایا تھا، وہ کس طرح پورا ہوا۔

ابن سعد واقعۂ عاشورا کے بعد بہت ہی تھوڑی مدت زندہ رہا، اور اس عرصے میں اسے خوشی کا ایک دن بھی نصیب نہ ہوا، اسکی موت بھی نہ صرف یہ کہ طبیعی طور پر واقع نہ ہوئی بلکہ امامؑ کے کہے کے عین مطابق اسے اس کے گھر میں اس کے بستر پر ذبح کیا گیا۔

عاشور کے کچھ ہی عرصے کے بعد عمر ابن سعد کی ذلت اور بدقسمتی کا دور شروع ہو گیا۔ جب وہ اسیرانِ کربلا کے قافلے کے ساتھ کوفہ پہنچا تو کربلا کی روئیداد بتانے کی غرض سے ابن زیاد سے ملنے گیا۔ تمام تفصیلات سننے کے بعد ابن زیاد نے اس سے کہا کہ وہ خط جس میں، میں نے تمہیں حسین سے جنگ کرنے کے لئے کہا تھا، اب مجھے واپس دے دو۔ عمر ابن سعد نے یہ بہانہ کرتے ہوئے کہ جنگ کی افراتفری میں وہ خط کہیں گم ہو گیا ہے، خط اسے لوٹانے سے بچنا چاہا۔ لیکن جب ابن زیاد نے بہت زیادہ اصرار کیا تو اس نے کہا کہ: اے امیر! اب اس حکمنامے کی واپسی پر اتنا اصرار کیوں کر رہے ہو؟ میں نے تمہارے حکم کی تعمیل میں حسین ابن علی اور ان کے ساتھیوں کو قتل کیا ہے۔ تمہارا یہ حکم نامہ میرے پاس رہنا ضروری ہے، تا کہ اسے مدینہ اور دوسرے شہروں میں قریش کی بوڑھی عورتوں کو دکھا کر اپنا عذر پیش کر سکوں۔

((سبط ابن جوزی)) کے بیان کے مطابق ابن زیاد غصے سے پھٹ پڑا اور ان دونوں میں اس قدر بحث وتکرار ہوئی کہ جب عمر ابن سعد دارالامارہ سے نکل کر گھر واپس جا رہا تھا تو اس کی زبان پر تھا کہ: کوئی مسافر میری طرح بدقسمت اور خالی ہاتھ گھر واپس نہ آیا ہوگا۔ میری تو دنیا

بھی گئی اور آخرت سے بھی محروم ہوا۔

اس واقعے کے بعد عمر ابن سعد اپنے گھر میں بند ہو کے بیٹھ گیا' کیونکہ ایک طرف تو وہ ابن زیاد کے غیظ وغضب کا نشانہ تھا اور دوسری طرف کوفہ کے عوام بھی اس سے سخت نفرت کرتے تھے۔ وہ جب بھی مسجدِ کوفہ میں آتا' لوگ اس سے کترا کر دور چلے جاتے اور جب گلیوں' بازاروں سے اس کا گزر ہوتا تو عورتیں' بچے' جوان اور بوڑھے سب اسے برا بھلا کہتے' گالیاں دیتے اور اس کی طرف اشارے کر کے کہتے تھے کہ: هٰذَا قَاتِلُ الْحُسَيْنِ (یہی حسینؑ کا قاتل ہے۔)

یہاں تک کہ ۶۵ ہجری میں یعنی امام حسینؑ کی شہادت کے پانچ سال بعد' مختار ثقفی کے حکم سے اسے قتل کیا گیا۔ کتبِ تاریخ میں اسکے قتل کا تفصیلی ذکر موجود ہے' اس کا اجمال یہ ہے کہ: ایک دن مختار نے عمر ابن سعد کے قتل کا عندیہ ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ: بہت جلد میں ایک ایسے شخص کو قتل کروں گا جو فلاں فلاں خصوصیات کا حامل ہے اور اس کا قتل اہل زمین اور اہل آسمان کی خوشی کا سبب بنے گا۔ ((ھیثم)) نامی ایک شخص جو اس محفل میں موجود تھا مختار ثقفی کا مطلب سمجھ گیا اور اس نے اپنے بیٹے ((عریان)) کو عمر ابن سعد کے پاس اسے ہوشیار کرنے کی غرض سے روانہ کیا۔

اگلے دن عمر ابن سعد نے اپنے بیٹے ((حفص)) کو مختار کے پاس بھیجا تاکہ اس سے بات چیت کرے۔ یاد رہے کہ ((حفص)) بھی کربلا میں عمر ابن سعد کے ہمراہ موجود تھا۔ ((حفص)) کے آنے کے بعد مختار نے اپنی پولیس کے سربراہ ((کیسان تمار)) کو خفیہ طور پر بلوایا اور اسے حکم دیا کہ فوراً جا کے عمر ابن سعد کا سر تن سے جدا کرو اور میرے پاس لاؤ۔

((ابن قتیبہ)) کہتا ہے: ((کیسان)) مختار کے حکم کے مطابق عمر ابن سعد کے گھر پہنچا اور دیکھا کہ وہ اپنے بستر پر ہے۔ عمر ابن سعد نے جب ((کیسان)) کے غضبناک تیور دیکھے تو اسے اپنی موت کا یقین ہو گیا۔ لہٰذا اس نے بستر سے نکل کر بھاگنا چاہا لیکن لحاف اسکے پاؤں میں الجھ

گیا اور وہ بستر ہی پر گر پڑا۔ ((کیسان)) نے مزید کوئی موقع دیئے بغیر بستر ہی پر اس کا سر تن سے جدا کر دیا اور یوں اس کی ذلت آمیز اور جرائم سے بھری زندگی اپنے اختتام کو پہنچی۔

((کیسان)) جب عمر ابن سعد کا سر مختار کے پاس لایا تو مختار نے ((حفص)) سے مخاطب ہو کر کہا: کیا اس سر کو پہچانتے ہو؟ اس نے کہا: ہاں، اور اب اس کے بعد زندگی بے مزہ ہے۔

مختار نے بھی کہا: ہاں، تمہارا زندہ رہنا بے سود ہے۔ اس کے بعد اس نے حکم دیا کہ ((حفص)) کا سر بھی تن سے جدا کر کے اس کے باپ کے سر کے ساتھ رکھ دیا جائے۔ پھر مختار نے کہا: عمر ابن سعد، حسینؑ کے اور حفص، علی اکبرؑ کے بدلے میں۔ لیکن پھر وہ بولا: نہیں، خدا کی قسم ایسا نہیں ہے، بلکہ اگر قریش کے تین چوتھائی افراد کو بھی قتل کر دوں تب بھی حسینؑ کی انگلیوں کے ایک پورے کے برابر بھی نہیں ہوں گے۔ (۱)

یہ تھا تاریخ کے مجرم ترین شخص عمر ابن سعد کے لئے امامؑ کی بد دعا کا نتیجہ اور اسکے مستقبل کا احوال، جس کے متعلق حسین ابن علیؑ نے فرمایا تھا کہ: فَاِنَّکَ لاٰتَفرَحُ بَعْدِی بِدُنیا وَلاٰ آخِرَةِ..... ذَبَّحکَ اللّٰهُ عَلیٰ فِراشِکَ عاجِلاً اِنّی لاٰرجُواَنْ لاٰتَأکُلَ مِنْ برِّ العراق اِلاّ یسیراً.

۱- الامامۃ والسیاسۃ - ج ۲ - ص ۲۴، تاریخ طبری اور تاریخ کامل ابن اثیر - ۶۶ ہجری کے واقعات میں۔

۵۸

عمرو ابن حجاج کے جواب میں

«وَيُحكَ يا عَمْرُو أَعَلَيَّ تُحَرِّضُ النّاسَ ؟ أَنَحْنُ مَرَقْنا عَنِ الدِّيْنِ وَ اَنتَ تُقِيمُ عَلَيْهِ ؟ سَتَعْلَمُوْنَ اِذا فارَقَتْ اَرْواحُنا اَجْسادَنا مَنْ اَوْلٰى بِصَلٰى النّار» (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

تَحْرِيْض : کسی کو کسی کام پر مائل کرنا۔ مَرَقَ عَنِ الدِّيْنِ : دین سے نکل گیا۔ صَلی النّار : آگ میں ڈالا جانا۔

ترجمہ اور تشریح

لشکرِ کوفہ کا ایک سردار «عمرو بن حجاج» جو چار ہزار افراد کی قیادت کر رہا تھا' اس نے اپنے سپاہیوں کو امامؑ کے خلاف جنگ پر اکساتے ہوئے کہا: قاتِلُوا مَنْ مَرَقَ عَنِ الدِّيْنِ وَ فارَقَ الْجَماعَةَ (اس شخص سے جنگ کرو جو دین سے نکل گیا ہے اور مسلمانوں کی جماعت سے علیحدہ ہو گیا ہے۔)

امامؑ نے جب عمرو بن حجاج کے یہ الفاظ سنے تو فرمایا:

۱۔ تاریخ طبری۔ ج ۷۔ ص ۳۴۲۔

"وَيُحَكَ يَا عَمُرُو ..... اے عمرو! بدقسمتی تیرا مقدر بنے' ہمارے خلاف لوگوں کو جنگ پر ابھار رہا ہے؟ کیا ہم (جو خاندان پیغمبر سے ہیں' وحی ہمارے گھر میں نازل ہوئی اور دین کو ہمارے افراد کے جہاد کے ذریعے استحکام حاصل ہوا) تو دین سے خارج ہو گئے ہیں اور تو دین پر قائم ہے؟ جلد ہی جب ہماری روحیں جسموں سے جدا ہو جائیں گی تو' تو سمجھ لے گا کہ کون جہنم کی آگ میں ڈالا جائے گا۔"

۵۹

جنگ کے آغاز پر اپنے اصحاب سے خطاب

«قُومُوا اَیُّهَا الْکِرامُ اِلَی الْمَوْتِ الَّذی لا بُدَّ مِنهُ فَاِنَّ هٰذِهِ السِّهامَ رُسُلُ الْقَوْمِ اِلَیْکُمْ فَوَ اللّٰهِ ما بَیْنَکُمْ وَ بَیْنَ الْجَنَّةِ وَ النّارِ اِلَّا الْمَوْتُ یَعْبُرُ بِهٰؤُلاءِ اِلٰی جِنانِهِمْ وَ بِهٰؤُلاءِ اِلٰی نیرانِهِمْ.»(۱)

ترجمہ اور تشریح

امامؑ کے عام خطاب، آپؑ کی عمر ابن سعد کے ساتھ گفتگو اور اس کے واپس اپنی سپاہ میں چلے جانے کے بعد، عمر ابن سعد ایک مرتبہ پھر اپنے لشکر سے نمودار ہوا اور حسین ابن علیؑ کے خیموں کی طرف ایک تیر پھینک کر اپنے سپاہیوں سے بولا: اِشْهَدُوا لی عِنْدَ الْاَمیرِ اَنّی اَوَّلُ مَنْ رَمیٰ (امیر کے سامنے گواہی دینا کہ (حسین ابن علیؑ کی طرف) سب سے پہلا تیر میں نے پھینکا ہے۔)

یہ منظر دیکھنے کے بعد کوفیوں نے امامؑ کے خیموں کی طرف تیر پھینکنا شروع کر دیئے اور دشمن کی طرف سے پھینکے جانے والے یہ تیر بارش کے قطروں کی طرح خیموں پر برسنے لگے۔ کہا جاتا ہے کہ اس موقع پر اصحابِ امامؑ میں سے بہت کم ایسے افراد بچے تھے جن کے بدن

۱-لہوف-ص ۸۹، مقتل خوارزمی-ج ۲-ص ۹۔

تیروں سے محفوظ رہے ہوں۔

یہ دیکھ کر امامؑ نے اپنے اصحاب سے فرمایا:

«قُوْمُوْا اَیُّهَا الْکِرَامُ اِلَی الْمَوْتِ ..... اٹھو! اے صاحبانِ عزت وشرف اور اس موت کی طرف بڑھو جس سے فرار ممکن نہیں۔ یہ تیر اس قوم کی جانب سے تمہارے لئے (جنگ کا) پیغام ہیں۔ خدا کی قسم تم لوگوں اور جنت اور دوزخ کے درمیان بس موت ہی کا فاصلہ ہے، جس سے گزر کر تم جنت میں پہنچو گے اور وہ دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔»

«لہوف» کے بیان کے مطابق اس موقع پر امامؑ کے اصحاب نے یکجا ہو کر ایک شدید حملہ کیا اور حق و باطل کی فوجوں کے درمیان گھمسان کی جنگ ہوئی۔ اس حملے کے بعد گرد و غبار بیٹھا تو پتا چلا کہ امامؑ کے اصحاب میں سے پچاس جانثار جام شہادت نوش کر چکے ہیں۔

حسین ابن علیؑ کے اصحاب و انصار کے بارے میں خوبصورت ترین اور انمول ترین تعبیر اور جامع ترین وصف جس سے بڑھ کر کوئی وصف ممکن نہیں، خود حسین ابن علیؑ کی طرف سے ان کے لئے استعمال ہونے والی «اَیُّهَا الْکِرَامُ» کی تعبیر ہے۔

ان بزرگ منش افراد کی اس کرامت و بزرگی کا نظارہ نہ صرف ان صاحبانِ عز و شرف ہستیوں کی عمر کے آخری لحظات میں اور ان کے آخری الفاظ میں کیا جا سکتا ہے بلکہ جس طرح ان لوگوں کے متعلق ہم نے حسین ابن علیؑ کی زبانی سنا ہے، اسی طرح ہم جبرئیل امین اور رسول کریمؐ کی زبانی ان کے عز و شرف کے متعلق سنیں گے۔

تاریخ میں منقول ہے: ایک دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے چند اصحاب کے ہمراہ مدینے کی ایک گلی سے گزر رہے تھے، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا سامنا چند بچوں سے ہوا جو کھیل کود میں مشغول تھے۔ نبی اکرمؐ ایک بچے کے پاس گئے، اسے پیار کیا، اس کے ساتھ محبت و شفقت سے پیش آئے۔ پھر اسے اپنی گود میں بٹھا کر اس پر بوسوں کی بارش کر دی۔

جب اصحاب نے اس نوازش کا سبب دریافت کیا تو فرمایا: ایک دن میں نے دیکھا کہ یہ بچہ حسین کے ساتھ کھیل رہا تھا اور ان کے قدموں کی خاک ہاتھ میں اٹھا کر اپنے چہرے اور آنکھوں پر ملتا تھا۔ پس میں اس بچے کو پسند کرتا ہوں کیونکہ یہ میرے حسین کو چاہتا ہے۔

پھر نبی اکرمؐ نے فرمایا: جبرئیل نے مجھے بتایا ہے کہ یہ بچہ عاشور کے دن میرے بیٹے حسین کے اصحاب وانصار میں شامل ہوگا۔(۱)

۱۔ بحارالانوار۔ج۵۔ص۲۵۰۔

۶۰

خدا کی ناراضگی کے اسباب

«اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰى الْيَهُوْدِ اِذْ جَعَلُوا لَهُ وَلَداً وَ اشْتَدَّ غَضَبُهُ عَلٰى النَّصَارٰى اِذْ جَعَلُوهُ ثَالِثَ ثَلاثَةٍ وَ اشْتَدَّ غَضَبُهُ عَلٰى الْمَجُوْسِ اِذْ عَبَدُوا الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ دُوْنَهُ وَ اشْتَدَّ غَضَبُهُ عَلٰى قَوْمٍ اِتَّفَقَتْ كَلِمَتُهُمْ عَلٰى قَتْلِ ابْنِ بِنْتِ نَبِيِّهِمْ. (۱)

اَمَا وَ اللّٰهِ لاٰ اُجِيْبُهُمْ اِلٰى شَىْءٍ مِمَّا يُرِيْدُوْنَ حَتّٰى اَلْقٰى اللّٰهَ وَ اَنَا مُخَضَّبٌ بِدَمِى.

اَمَا مِنْ مُغِيْثٍ يُغِيْثُنَا اَمَا مِنْ ذَابٍّ يَذُبُّ عَنْ حَرَمِ رَسُوْلِ اللّٰهِ.»

ترجمہ اور تشریح

جیسا کہ گزشتہ حصے میں اشارہ ہوا، مٹھی بھر اصحابِ حسینی پر دشمن کے پے در پے حملوں کے نتیجے میں امامؑ کے متعدد اصحاب شہید ہو گئے۔ اس موقع پر حسین ابن علیؑ نے اپنی

۱۔ مقتل الحسینؑ از عبدالرزاق الموسوی المقرم۔ ص ۲۳۹۔

ریش مبارک ہاتھ میں لے کے فرمایا:

«اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰہِ عَلَی الْیَھُوْدِ ..... اللہ تعالیٰ یہودیوں پر شدت کے ساتھ اس لئے غضبناک ہوا کہ وہ اس کے لئے ایک بیٹے کے قائل ہوئے۔ عیسائیوں پر اس لئے بے حد ناراض ہوا کہ انہوں نے اللہ رب العزت کو تین میں کا تیسرا اقرار دیا اور مجوسیوں پر اس لئے شدید طیش میں آیا کہ وہ خدا کی بجائے سورج اور چاند کی عبادت کرنے لگے اور اب اس قوم (لشکرِ یزید) پر اس لئے انتہائی غیظ میں آیا ہے کہ وہ ایکا کر کے اپنے نبی کے نواسے کو قتل کر نے کے در پے ہیں۔»

امام حسینؑ نے اپنی گفتگو کے اختتام پر فرمایا:

«اَمَا وَ اللّٰہِ لَا اُجِیْبُھُمْ اِلٰی شَیْءٍ ... واللہ میں کبھی ان کے مطالبات نہیں مانوں گا' یہاں تک کہ اپنے ہی خون میں رنگا ہوا اللہ سے ملاقات کروں گا۔»

پھر آپؑ نے با آوازِ بلند فرمایا:

«اَمَا مِنْ مُغِیْثٍ یُغِیْثُنَا ..... کیا کوئی مدد کرنے والا ہے جو ہماری مدد کو آئے؟ کیا کوئی مدافع ہے جو حرم رسول کا دفاع کرے؟»

جب امامؑ کی یہ آواز عورتوں اور بچیوں تک پہنچی تو ان کے رونے کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ تاریخ میں نقل ہوا ہے کہ اس موقع پر لشکرِ کوفہ میں شامل «سعد» اور «ابوالحتوف» نامی دو بھائیوں نے امامؑ کا استغاثہ سن کر اپنی رائے بدل لی اور حسین ابن علیؑ سے جنگ کرنے کی بجائے' ان کے لشکر میں شامل ہو گئے اور امامؑ کی رکاب میں لڑتے ہوئے جام شہادت نوش کیا۔

آئندہ صفحات میں ان دونوں بھائیوں کی جرات اور شہادت کے واقعے کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے گا۔

۶۱

اصحاب کی شہادت کے موقع پر امامؑ کی گفتگو

(حضرت مسلم بن عوسجہ سے فرمایا)

«رَحِمَکَ اللّٰهُ یا مُسْلِمُ! فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰی نَحْبَهُ وَ مِنْهُمْ مَّنْ یَّنْتَظِرُ وَ مَا بَدَّلُوا تَبْدِیْلاً.» (۱)(۲)

ترجمہ اور تشریح

اپنے اصحاب کی زندگی کے آخری لمحات میں امام حسین علیہ السلام ان کی جانبازی اور راہِ شہادت کے انتخاب پر ان کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔ اسی طرح مختلف مناسبتوں پر مثلاً انہیں وداع کرتے ہوئے، یا قتل گاہ میں ان کے خون آلود اور نیم جاں اجساد کے سرہانے پہنچ کر انتہائی خوبصورت فقروں یا اپنے محبت بھرے انداز کے ذریعے (جن سے آپؑ کی انتہائی محبت اور شفقت کا اظہار ہوتا تھا) ان کی دلجوئی اور تسلیٔ خاطر کا ساماں کرتے تھے۔

ان نازک حالات میں فرزندِ فاطمہؑ کے یہ الفاظ اور انداز، ان افراد کے دلوں پر اس قدر اثر انداز ہوتے اور نفسیاتی لحاظ سے انہیں اس قدر تقویت پہنچاتے جس کا تصور بھی ہمارے لئے ممکن نہیں۔ البتہ ہم کم از کم اتنا ضرور سمجھ سکتے ہیں کہ امامؑ کے یہ فقرے اور طرزِ عمل ان

۱-تاریخ طبری-ج ۷-ص ۳۴۳، لہوف-ص ۹۴۔

۲-سورۂ احزاب ۳۳-آیت ۲۳۔

جانبازوں اور جانثاروں کے سینوں پر تمغۂ امتیاز کی صورت میں تا قیام قیامت چمکتے رہیں گے اور ہمیشہ صفحاتِ تاریخ سے نور بکھیر کر حسین ابن علیؑ کی راہ و رسم کی پیروی کرنے والوں کے دلوں کو روشنی بخشتے رہیں گے اور آپؑ کے عقید تمندوں کے راستے کو روشن کرتے رہیں گے۔

مثال کے طور پر جب حسین ابن علیؑ اپنے اصحاب میں سے ((واضح)) نامی ایک ترک غلام کے سرہانے تشریف لائے تو انہیں گلے سے لگایا، اپنے دستِ مبارک ان کی گردن کے نیچے رکھے اور اپنا چہرہ ان کے چہرے پر رکھا۔ ((واضح)) امامؑ کی یہ محبت اور شفقت دیکھ کر بے انتہا خوش ہوئے اور اس اعزاز پر فخر کرتے ہوئے کہا: مَنْ مِثْلِی وَ ابْنُ رَسُوْلِ اللّٰهِ وٰاضِعٌ خَدَّهُ عَلٰی خَدِّی (مجھ جیسا کون ہوگا (جسے یہ اعزاز ملا ہو) کہ فرزندِ رسولؐ نے اپنا رخسار اس کے رخسار پر رکھا ہو؟)۔ اسی عالم میں ان کی روح پرواز کرگئی۔(۱)

اسی طرح جب امامؑ اپنے ایک اور غلام ((مسلم)) کے پاس تشریف لائے، تو ان میں ابھی تھوڑی سی جان باقی تھی۔ آپؑ نے انہیں بھی گلے سے لگایا۔ ((مسلم)) مسکرائے اور دنیا سے رخصت ہوگئے۔(۲)

اگرچہ ایسے واقعات بہت زیادہ ہیں لیکن ہم صرف انہی واقعات کو بیان کریں گے جن میں امام علیہ السلام نے کچھ ارشاد فرمایا ہے اور اس حوالے سے امامؑ کی کوئی گفتگو نقل ہوئی ہے۔ تاریخ اور مقتل کی کتب میں یہ واقعات جس ترتیب سے ذکر ہوئے ہیں ہم بھی اسی ترتیب سے یہاں ذکر کر رہے ہیں:

مقتل عوالم (۳) اور مقتل خوارزمی (۴) کے مطابق جب بھی امامؑ کے کوئی صحابی میدان کی طرف جاتے تو آپؑ سے یہ کہہ کر وداع ہوتے: اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ.

۱۔ مقتل عوالم۔ص ۹۱، ابصار العین۔ص ۸۵۔

۲۔ ذخیرۃ الدارین نقل از مقتل مقرم۔ص ۳۰۱۔

۳۔ مقتل عوالم۔ص ۸۵۔

۴۔ مقتل خوارزمی۔ج ۲۔ص ۲۵۔

امامؑ جواب میں پہلے تو یہ فرماتے کہ: وَ عَلَیکَ السَّلامُ وَ نَحنُ خَلفَکَ (اور تم پر بھی ہمارا سلام ہو اور ہم بھی تمہارے پیچھے پیچھے ہی آ رہے ہیں) اور پھر اس آیت کی تلاوت فرماتے: فَمِنهُم مَّنْ قَضٰی نَحبَهُ وَ مِنهُم مَّنْ یَّنتَظِرُ وَ مَا بَدَّلُوا تَبدِیلاً. (ان میں سے بعض نے اپنا وعدہ پورا کر دیا ہے اور بعض اپنے وقت کا انتظار کر رہے ہیں اور اپنے عہد و پیان میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی ہے۔ سورۂ احزاب ۳۳۔ آیت ۲۳)

لیکن جیسا کہ پہلے اشارہ ہوا' بعض اوقات امامؑ خاص مناسبت سے کوئی بات یا جملہ ارشاد فرماتے' جو آپؑ کے جذبات واحساسات کا ترجمان یا کسی موضوع کی اہمیت پر دلالت کر رہا ہوتا تھا۔ ذیل میں ہم ایسے ہی چند یادگار جملوں کو ذکر کر رہے ہیں۔

جب مسلم ابن عوسجہ(۱) اپنے ہی خون میں نہا کر زمین پر گرے' ابھی ان میں زندگی کے کچھ آثار باقی تھے کہ امامؑ' حبیب ابن مظاہر کے ہمراہ ان کے سرہانے تشریف لائے اور ان کے پاس بیٹھ کر فرمایا: رَحِمَکَ اللّٰهُ یَا مُسلِمُ (اللہ تمہیں غریق رحمت کرے' اے مسلم)۔ پھر یہ آیۂ کریمہ تلاوت فرمائی: فَمِنهُم مَّنْ قَضٰی نَحبَهُ وَ مِنهُم مَّنْ یَّنتَظِرُ وَ مَا بَدَّلُوا تَبدِیلاً. (ان میں سے بعض نے اپنا وعدہ پورا کر دیا ہے اور بعض اپنے وقت کا انتظار کر رہے ہیں اور اپنے عہد و پیان میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی ہے۔ سورۂ احزاب ۳۳۔ آیت ۲۳)

اس موقع پر حبیب ابن مظاہر نے مسلم کو مخاطب کر کے فرمایا: اے مسلم! تمہارا مارا جانا میرے لئے بہت گراں ہے لیکن تمہیں بشارت دیتا ہوں کہ تم چند ہی لمحوں کے بعد جنت میں ہو

۱۔ ابن سعد نے طبقات میں تحریر کیا ہے کہ مسلم ابن عوسجہ نبی اکرمؐ کے اصحاب میں سے تھے' آپ انتہائی شجاع اور کوفہ کے رہنے والے تھے۔ مسلم ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے امام حسینؑ کو خط لکھ کوفہ آنے کی دعوت دی تھی۔ مسلم ابن عوسجہ کوفہ میں ابن زیاد کے آنے اور حضرت مسلم بن عقیل کے قتل کئے جانے کے بعد امامؑ کی نصرت کی غرض سے اپنے اہل وعیال کے ہمراہ کوفے سے نکلے اور امام حسینؑ سے آ ملے اور مرتے دم تک اپنے عہد پر باقی رہے۔

گے۔ مسلم نے جواب میں فرمایا: جَزاکَ اللّٰهُ خَیراً (اللہ تمہیں جزائے خیر عنایت فرمائے)

حبیب نے مزید فرمایا: اگر مجھے یہ یقین نہ ہوتا کہ آپ کے کچھ ہی دیر بعد میں بھی قتل ہو جاؤں گا تو آپ سے کہتا کہ اگر کوئی وصیت ہے تو مجھے بتایئے۔ مسلم نے امام حسینؑ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کمزور ونحیف آواز میں حبیب سے کہا: اُوصِیکَ بِهٰذا اَن تَمُوتَ دُونَهُ (میری وصیت یہ ہے کہ ان سے پہلے جان دینا۔) بالفاظِ دیگر مرتے دم تک امامؑ کی حفاظت کرنا۔

حبیب نے فرمایا: خدا کی قسم تمہاری اس وصیت پر عمل کروں گا۔ اسی گفتگو کے دوران مسلم ابن عوسجہ کی روح پرواز کرگئی اور وہ دوسرے شہدائے اسلام سے جا ملے۔

۶۲

عبداللہ ابن عمیر کی والدہ سے فرمایا

«جُزِیتُم مِنْ اَهلِ بَیْتِی خَیراً اِرْجِعِی اِلَی النِّسَاءِ رَحِمَکِ اللّٰهُ فَقَدْ وُضِعَ عَنکِ الْجِهَاد.....

لَا یَقْطَعُ اللّٰهُ رَجَائَکِ.» (۱)

ترجمہ اور تشریح

امام حسینؑ کے اصحاب میں قبیلۂ کلب کے ایک شخص «عبداللہ ابن عمیر» بھی شامل تھے، جن کی کنیت «ابو وہب» تھی اور جو کوفہ سے اپنی زوجہ اور والدہ کے ہمراہ، حسین ابن علیؑ کی نصرت کے لئے حاضر ہوئے تھے۔

شمر کی قیادت میں دشمن کے ایک دستے نے امامؑ کے لشکر کے بائیں حصے پر ایک حملہ کیا، اس حملے میں امامؑ کے دیگر چند اصحاب کے ساتھ «عبداللہ ابن عمیر» بھی شہید ہو گئے۔ انہوں نے اس حملے کا مقابلہ کرتے ہوئے غیر معمولی استقامت کا مظاہرہ کیا۔ مقابلے کے دوران دشمن کے کئی سواروں اور پیادوں کو قتل کرنے کے بعد ان کا سیدھا ہاتھ اور ایک ٹانگ کٹ گئی، وہ قیدی بنا لئے گئے اور دشمن نے خوف اور دہشت پھیلانے کی غرض سے فوراً ہی لشکرِ امامؑ کے

۱۔ انساب الاشراف۔ص ۱۹۴، مقتل خوارزمی۔ ج ۲۔ص ۲۲، بحار الانوار۔ ج ۴۵۔ص ۲۷، مناقب۔ ج ۳۔ص ۲۱۹۔

سامنے انہیں تلواروں اور نیزوں سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اس طرح انہوں نے جام شہادت نوش کیا۔

ان کی زوجہ، جو خیموں میں موجود تھیں، مقتل میں آئیں، اپنے شوہر کے ٹکڑے ٹکڑے ہوئے لاشے کے پاس بیٹھیں اور ان کے چہرے پر سے خاک اور خون صاف کرتے ہوئے فرمایا: هَنِيئاً لَکَ الْجَنَّةُ اَسْأَلُ اللّٰهَ الَّذِی رَزَقَکَ الْجَنَّةَ اَنْ يَصْحَبَنِی مَعَکَ. (تمہیں جنت مبارک ہو، جس خدا نے تمہیں بہشت عطا کی اسی سے دعا ہے کہ مجھے بھی وہاں تمہارا ہم نشین بنائے۔)

اسی دوران شمر کے غلام ((رستم)) نے، شمر کے حکم پر ایک گرز لے کر عبداللہ کی زوجہ پر حملہ کیا اور ان کا سر پاش پاش کر دیا۔ وہ وہیں شہید ہو گئیں اور ان کا بے جان جسم اپنے شوہر کے لاشے کے قریب ہی خاک پر گر گیا۔ یہ میدان کربلا میں درجۂ شہادت پر فائز ہونے والی واحد خاتون ہیں۔

اس کے بعد شمر کے غلام نے ((عبداللہ ابن عمیر)) کا سر تن سے جدا کیا اور امامؑ کے خیموں کی طرف پھینک دیا۔ ((عبداللہ)) کی ماں نے ((عبداللہ)) کا کٹا ہوا سر اٹھایا اور ان کے چہرے سے خاک وخون صاف کرنے کے بعد، خیمے کی لکڑی اٹھا کر حملے کی غرض سے دشمن کی طرف بڑھیں۔

یہ منظر دیکھ کر امام علیہ السلام نے حکم دیا کہ انہیں خیموں کی طرف واپس لے آئیں اور ان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

((جُزِيتُمْ مِنْ اَهْلِ بَيْتِی خَيْراً اِرْجِعِی اِلَی النِّسَاءِ رَحِمَکِ اللّٰهُ وُضِعَ عَنْکِ الْجِهَادُ.))

((تم میرے اہلِ بیت کی طرف سے بہترین جزا پاؤ۔ عورتوں کی طرف واپس چلی آؤ، خدا تم پر رحم کرے۔ اللہ نے تم پر سے جہاد کا فریضہ اٹھایا ہوا ہے۔))

عبداللہ کی والدہ امامؑ کے حکم کی تعمیل میں یہ کہتی ہوئی خیموں کی طرف واپس آئیں کہ :

اَللّٰھُمَّ لاٰ تَقْطَعْ رَجٰائِی (بارِالٰہا! مجھے ناامید نہ فرمانا۔)

امامؑ نے جواب میں فرمایا:

«لاٰ یَقْطَعُ اللّٰہُ رَجٰائَکِ.»

«خدا تمہیں ناامید نہیں کرے گا۔»

ایک تاریخی غلطی کا جائزہ

اس موقع پر مناسب نظر آتا ہے کہ ہم علما اور دانشوروں کی توجہ ایک علمی نکتے کی طرف مبذول کروائیں۔ وہ نکتہ یہ ہے کہ تاریخ، رجال اور مقاتل کی کتابوں میں امام حسینؑ کے اصحاب میں جب بھی کسی ایک شخص کا تذکرہ آتا ہے، جس کا تعلق قبیلۂ کلب سے تھا اور اسکی زوجہ اور والدہ بھی اس کے ہمراہ تھیں اور اس کی شہادت اسی انداز میں واقع ہوئی تھی جیسے ہم نے اوپر بیان کیا ہے۔تو اس شخص کو کبھی «وہب ابن عبداللہ کلبی» اور کبھی «عبداللہ ابن عمیر کلبی» کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

دوسری طرف بعض مقاتل اور تاریخ کی کتب میں کربلا میں امامؑ کے اصحاب میں «وہب» نام کے ایک اور شخص کا ذکر بھی موجود ہے، جو عیسائی مذہب چھوڑ کر تازہ تازہ مسلمان ہوا تھا۔لہٰذا جو کچھ ہم نے «عبداللہ ابن عمیر کلبی» کے بارے میں ذکر کیا اس سب کچھ کو یا ان میں سے بعض چیزوں کو «وہب کلبی» یا اسی سابقہ عیسائی وہب سے نسبت دے دی جاتی ہے اور اسی طرح بعض وہ چیزیں جو عیسائی وہب کے بارے میں نقل ہوئی ہیں وہ وہب کلبی کے حالات میں کہہ دی جاتی ہیں۔

تاریخی کتابوں کی اسی غلطی کی وجہ سے مشاہدہ کیا گیا ہے کہ بعض کتابوں میں امامؑ کے اصحاب کی تعداد ذکر کرتے ہوئے عبداللہ ابن عمیر، وہب ابن عبداللہ کلبی اور وہب عیسائی تین

نام علیحدہ علیحدہ ذکر کر دیئے جاتے ہیں اور بعض مقاتل میں وہب نام کے صرف ایک شخص کا ذکر کیا جاتا ہے اور عبداللہ ابن عمیر جن کی کربلا میں شہادت مسلم الثبوت ہے' ان کا اور اسی طرح دوسرے وہب کا نام حذف کر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح بعض کتابوں میں عبداللہ ابن عمیر کا ذکر کیا جاتا ہے اور عیسائی وہب کے نام کو مکمل طور پر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ (۱)

کیونکہ مورخین عام طور پر دوسروں کی بات نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں لہذا بات نقل کی حد سے آگے نہیں بڑھتی۔ اسی لئے جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا' مورخین اور مصنفین میں سے ہر ایک نے کسی گزشتہ مورخ کے قول کو صحیح سمجھتے ہوئے اسی کو نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے اور بعض نے احتیاط کا راستہ اپنایا ہے۔

عبداللہ ابن عمیر یا وہب ابن عبداللہ؟

اب ہم انتہائی اختصار سے کام لیتے ہوئے اپنی رائے محققین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں' اور باقی آئندہ آنے والوں پر چھوڑتے ہیں کہ وہ کس رائے کو اختیار کرتے ہیں۔

ہمارے خیال میں مقتل لہوف' مقتل خوارزمی اور بعض دوسری کتب میں قبیلۂ کلب کے جس ((وہب ابن عبداللہ)) نامی شخص کا ذکر آیا ہے' وہ کربلا کے شہدا میں شامل نہیں ہے بلکہ یہ ((عبداللہ ابن عمیر کلبی)) ہی ہیں جن کا ذکر تاریخ و مقاتل کی بعض دوسری معتبر اور بنیادی کتب میں شہدائے عاشورہ کی فہرست میں ہوا ہے۔ نیز رجالِ شیخ طوسی' تنقیح المقال اور رجال کی بعض دوسری کتابوں میں عبداللہ ابن عمیر کا تعارف امیر المومنینؑ اور حسین ابن علیؑ کے اصحاب کے طور پر ہوا ہے۔ اب یہ کہنا کہ شاید عبداللہ ابن عمیر کلبی اور وہب ابن عبداللہ کلبی دو افراد ہوں اور دونوں ہی کربلا میں شہید ہوئے ہوں بعید بلکہ نا قابل قبول ہے اور اس کی چند وجوہات ہیں:

۱۔ مثال کے طور پر ((لہوف)) میں عبداللہ ابن عمیر کا کوئی ذکر نہیں ہے اور ان کے واقعے کو عیسائی وہب کے کچھ واقعات کے ساتھ ملا کر وہب ابن جناح کلبی سے منسوب کیا گیا ہے۔

۱۔ یہ بات قبول نہیں کی جا سکتی کہ ایک مختصر سے گروہ میں جو زیادہ سے زیادہ ایک سو پچاس افراد پر مشتمل ہو' دو ایسے افراد موجود ہوں جو خاص صفات اور ہر لحاظ سے یکساں ہوں۔ مثلاً:

الف۔ دونوں ایک ہی قبیلے کے ہوں۔

ب۔ دونوں کی والدہ اور زوجہ ان کے ہمراہ ہوں۔

ج۔ ان دونوں کی جنگ اور شہادت کی تمام تر تفصیلات ایک جیسی ہوں اور دونوں کی والدہ نے ایک جیسی بات کہی ہو اور امامؑ نے بھی دونوں کے جواب میں ایک ہی جیسا جواب دیا ہو۔

۲۔ زیارتِ ناحیہ جس میں شہدا کے اسامی ذکر ہوئے ہیں' یا کم از کم مشہور و معروف اور جانثار ترین اصحاب کے ناموں کا ان کے قاتلوں کے ناموں کے ساتھ ذکر آیا ہے' اس میں دوسرے شہدا کے ساتھ عبداللہ ابن عمیر کلبی کا نام بھی آیا ہے لیکن ((وہب)) کا کوئی ذکر نہیں ہوا (۱)۔ جبکہ امامؑ کی محبت و شفقت کے برخلاف ہے کہ وہ ایسے فداکار اور جانثار کا ذکر نہ کریں جسے اسیر کر کے بے بسی کے ساتھ قتل کیا گیا ہو اور اس کی زوجہ بھی اس کے ساتھ شہید ہوئی ہو اور اس کی والدہ نے اس حد تک صبر اور وفاداری کا مظاہرہ کیا ہو۔

غلط فہمی کا اصل سبب کیا ہے؟

تاریخ نگاروں اور مقاتل تحریر کرنے والوں کی اس غلط فہمی کا اصل سبب یہ ہے کہ عبداللہ ابن عمیر کی کنیت ((ابو وہب)) اور اس کی زوجہ کی کنیت ((ام وہب)) ہے اور تاریخ نگاروں نے خود عبداللہ کی کنیت سے زیادہ اسکی زوجہ ((ام وہب)) کی کنیت پر توجہ دی ہے۔ پھر جب کربلا کے واقعات میں دیکھا کہ ((ام وہب)) نامی خاتون میدان میں گئیں اور اس انداز سے شہید ہوئیں' تو سوچا کہ یہ ((ام وہب)) درحقیقت ((وہب)) نامی کسی شخص کی ماں ہیں' جو کربلا میں موجود تھا اور

۱۔ سید ابن طاؤس کی کتاب ((اقبال)) میں یہ زیارت دیکھئے۔

جوان خاص حالات میں شہید ہوا تھا۔

اس طرح ((عبداللہ ابن عمیر)) رفتہ رفتہ ((ابو وہب کلبی)) سے ((وہب کلبی)) میں تبدیل ہو گیا اور یہی تبدیلی ایک کتاب سے دوسری کتاب میں منتقل ہوتی چلی گئی۔

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ((ام وہب)) وہب نام کے کسی شہید کی ماں نہیں ہیں بلکہ عبداللہ ابن عمیر کلبی نامی شہید کی زوجہ ہیں، جن کی کنیت ((ابو وہب)) ہے اور انہی ((ابو وہب)) کی والدہ بھی کربلا میں موجود تھیں، جنہیں امامؑ نے دعا اور تسلی دی تھی لیکن ان کی کنیت ((ام وہب)) نہیں تھی اور اگر کنیت ہوگی تو بیٹے کے نام کی مناسبت سے انہیں ((ام عبداللہ)) کہا جانا چاہئے۔

البتہ تاریخ اور رجال کی کتب اور علم رجال کے ماہرین اور تاریخ نگاروں کے کام میں اس قسم کی بے شمار غلطیاں ملتی ہیں، جو درحقیقت ایک فرد کے کئی ناموں کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ کیونکہ عربوں میں معمول ہے کہ کوئی شخص اپنے نام سے، کوئی اپنی کنیت سے، کوئی اپنے لقب سے اور بعض اوقات کوئی ان تینوں سے معروف ومشہور ہو جاتا ہے۔ اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی ایک شخص متعدد القاب اور کنیتوں کا مالک ہوتا ہے۔

عبداللہ ابن عمیر، ابو وہب، یا وہب ابن عبداللہ کے سلسلے میں پیش آنے والی غلطی کے سلسلے میں ہماری تحقیق یہی ہے۔ جہاں تک سابقہ عیسائی ((وہب)) کا تعلق ہے تو اگر یہ اصل واقعہ صحیح بھی ہو تو اس کی فروعات کے بارے میں تحقیق کی ضرورت ہے اور یہ اس کتاب کے موضوع سے باہر ہے۔

۶۳

ابوثمامہ صائدی کے لئے فرمایا

«...... ذَکَرْتَ الصَّلٰوۃَ جَعَلَکَ اللّٰہُ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ الذّٰاکِرِیْنَ نَعَمْ ھٰذٰا اَوَّلُ وَقْتِھٰا سَلُوْھُمْ اَنْ یَکُفُّوْا عَنّٰا حَتّٰی نُصَلّٰی.

.....تَقَدَّمْ فَاِنّٰا لاٰحِقُوْنَ بِکَ عَنْ سٰاعَۃٍ.»

ترجمہ اور تشریح

حسین ابن علیؑ کے اصحاب میں سے ایک «عمرو ابن کعب» ہیں، جو ابوثمامہ صائدی کے نام سے مشہور ہیں۔ انہوں نے جب دیکھا کہ ظہر کا وقت آ پہنچا ہے تو امامؑ سے عرض کیا: میری جان آپ پر فدا ہو۔ اگرچہ دشمن پے در پے حملے کر رہا ہے لیکن خدا کی قسم یہ میری لاش پر سے گزر کر ہی آپؑ تک پہنچ سکیں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ ایک اور نماز آپؑ کی امامت میں ادا کر کے اپنے پروردگار سے ملاقات کروں۔

امامؑ نے ابوثمامہ کے جواب میں فرمایا:

«ذَکَرْتَ الصَّلٰوۃَ .... تم نے مجھے نماز یاد دلائی، خدا تمہیں ان نماز گزاروں میں سے قرار دے جو خدا کا ذکر کرتے ہیں۔ ہاں، نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ دشمن سے کہو کہ کچھ دیر ٹھہر جائے تاکہ ہم نماز پڑھ سکیں۔»

لیکن جب لشکرِ کوفہ سے عارضی جنگ بندی کے لئے کہا گیا تو اس لشکرِ باطل کے حصین نامی ایک سردار نے کہا: اَنَّھَا لاٰ تُقْبَلُ (تمہاری نماز بارگاہِ الٰہی میں مقبول نہیں ہے۔)(۱)

جیسا کہ آپ اگلے چند صفحات کے بعد ملاحظہ کریں گے، حبیب ابن مظاہر نے اس شخص کو جواب دیا جس کے نتیجے میں ایک بار پھر شدید جنگ چھڑ گئی جو حبیب کی شہادت پر منتج ہوئی۔

آخر کار امام حسینؑ اور ان کے اصحاب نے موسلا دھار برستے تیروں میں نمازِ ظہر ادا کی اور چند اصحاب نماز ہی کے دوران مرتبۂ شہادت پر فائز ہوئے اور حقیقی نماز گزاروں کی صف میں شامل ہوگئے۔

جیسا کہ ابوثمامہ نے ارادہ کیا تھا، نمازِ ظہر ادا کرنے کے بعد دوسرے تمام اصحاب سے پہلے امامؑ کی خدمت میں تشریف لائے اور عرض کیا: یَا اَبَا عَبْدِ اللّٰہ جُعِلْتُ فِدَاکَ قَدْ ھَمَمْتُ اَنْ اَلْحَقَّ بِاَصْحَابِکَ وَ کَرِھْتُ اَنْ اَتَخَلَّفَ فَاَرَاکَ وَحِیْداً فِی اَھْلِکَ قَتِیْلاً (اے اباعبداللہ! میری جان آپ پر فدا ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ شہید ہونے والے اپنے ساتھیوں سے جاملوں۔ میرے لئے انتہائی ناگوار ہے کہ میں زندہ رہوں اور آپؑ کو آپؑ کے اہل وعیال کے درمیان تن تنہا قتل ہوتا دیکھوں۔)

امام علیہ السلام نے ان کے جواب میں فرمایا:

«تَقَدَّمْ فَاِنَّا لاٰحِقُوْنَ بِکَ ..... بڑھو، آگے بڑھو۔ جلد ہی ہم بھی تم سے آملیں گے۔»

امامؑ کی اجازت ملتے ہی، ابوثمامہ نے دشمن پر حملہ کیا اور شدید جنگ کی۔ بالآخر وہ اپنے چچازاد بھائی «قیس ابن عبداللہ صائدی» کے ہاتھوں شہید ہوئے۔(۲)

۱-تاریخ طبری-ج ۷-ص ۳۴۷، تاریخ کامل ابن اثیر-ج ۳-ص ۲۹۔

۲-لہوف-ص ۹۶۔

راہِ حق میں لڑنے والوں کے لئے ایک درس

جیسا کہ ذکر ہوا، یہ امام حسینؑ اور ان کے اصحاب کا دستور وشیوہ تھا کہ حتیٰ روزِ عاشور بھی نماز کو ہر چیز سے زیادہ اہمیت دی اور نماز کا وقت آتے ہی امامؑ نے سب کچھ فراموش کر دیا اور نماز کی ادائیگی کیلئے اپنے جانی دشمن سے عارضی جنگ بندی کی درخواست کی۔

حق کی راہ میں لڑنے والوں کے لئے یہ ایک انتہائی اہم درس ہے اور یہی درس امامؑ کے والد گرامی امیر المومنین علی علیہ السلام نے جنگِ صفین میں معرکہ آرائی کے عین درمیان اپنے ماننے والوں کو دیا تھا۔ جب ابن عباس نے دیکھا کہ گھمسان کی جنگ کے بیچوں بیچ امامؑ نماز کے وقت کے منتظر اور اسکی طرف متوجہ ہیں تو سوال کیا: اے امیر المومنینؑ! ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپؑ کسی چیز کی طرف سے فکر مند ہیں؟ فرمایا: ہاں سورج کے زوال اور نمازِ ظہر کی طرف متوجہ ہوں۔ ابن عباس نے کہا: ایسے حساس موقع پر ہم جنگ چھوڑ کر نماز نہیں پڑھ پائیں گے۔ امامؑ نے جواب دیا: اِنَّمَا قَاتَلْنَاهُمْ عَلَى الصَّلٰوةِ (ہم نماز ہی کی خاطر تو ان سے لڑ رہے ہیں۔)

تاریخ میں درج ہے کہ جنگِ صفین کے دوران بھی کبھی امامؑ نے نمازِ تہجد ترک نہیں کی، حد یہ ہے کہ لیلۃ الھریر میں بھی نمازِ شب ادا کی۔(۱)

ابوثمامہ کون ہیں؟

((ابوثمامہ)) عرب کے شجاع ترین افراد میں سے تھے۔ وہ معروف شیعہ اور امیر المومنینؑ کے اصحاب میں شمار کئے جاتے تھے۔ امیر المومنینؑ کے زمانے میں لڑی جانے والی تمام جنگوں میں آپؑ کے ہم رکاب رہے اور حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد امام حسنؑ کے ہمراہ رہے۔ امام

۱۔ وسائل الشیعہ۔ ج ۱۔ اوقاتِ نماز کے ابواب میں سے پہلا باب۔

حسنؑ کے مدینہ چلے جانے کے بعد ابو ثمامہ کوفہ ہی میں رہ گئے۔ معاویہ کے انتقال کے بعد ابو ثمامہ بھی ان افراد میں شامل تھے جنہوں نے حسین ابن علیؑ کو خط تحریر کئے اور انہیں کوفہ آنے کی دعوت دی۔

حضرت مسلم بن عقیل کے کوفہ آنے کے بعد ابو ثمامہ ان کے ہمراہ رہے اور ان کے حکم کے مطابق کوفہ کے شیعوں سے اموال اور اجناس لے کر انہیں اسلحہ کی خریداری میں صرف کرتے، جس میں انہیں ماہر مانا جاتا تھا۔

حضرت مسلم بن عقیل کی شہادت کے بعد ابو ثمامہ روپوش ہو گئے۔ ابن زیاد تمام تر کوششوں کے باوجود انہیں ڈھونڈنے میں کامیاب نہ ہو سکا، یہاں تک کہ وہ ((نافع بن ہلال)) کے ہمراہ امام حسینؑ کی نصرت کی غرض سے نکلے، راستے میں ان کی امامؑ سے ملاقات ہوئی اور انہی کے ہمراہ کربلا پہنچے۔

ابو ثمامہ کا اخلاص

((طبری)) لکھتا ہے: عمر ابن سعد نے کربلا آنے کے بعد ((کثیر ابن عبداللہ شعبی)) کو (جو اچانک قتل کرنے میں ماہر اور ایک درندہ صفت شخص تھا) یہ ذمے داری سونپی کہ وہ امام حسینؑ سے ملاقات کرے اور ان سے ان کے یہاں آنے کا سبب دریافت کرے۔ ((کثیر)) نے کہا کہ اگر حکم دو تو یہ ذمے داری ادا کرنے کے ساتھ ساتھ انہیں قتل بھی کر دوں؟ عمر ابن سعد نے کہا کہ میں یہ نہیں چاہتا کہ تم انہیں قتل کرو بلکہ صرف اتنا چاہتا ہوں کہ ان سے یہاں آنے کے بارے میں دریافت کرو۔

((کثیر)) امام علیہ السلام کے خیموں کی طرف آنے لگا۔ جیسے ہی ابو ثمامہ کی نظر اس پر پڑی انہوں نے امامؑ سے عرض کیا: اے ابا عبداللہ! خدا آپ کو آفات سے محفوظ رکھے۔ جو شخص آ رہا ہے، روئے زمین پر اس سے زیادہ برا، سفاک اور خونی شخص کوئی اور نہیں ہے۔ یہ کہہ کر ((ابو

ثمامہ)) آگے بڑھے اور ((کثیر)) کے سامنے آ کر کہا: اگر حسین ابن علیؑ سے ملاقات کرنا چاہتے ہوتو پہلے اپنی تلوار یہاں زمین پر رکھ دو۔ ((کثیر)) نے کہا کہ خدا کی قسم میں یہ بے عزتی کبھی قبول نہیں کروں گا۔ میں ایک پیغام لایا ہوں' اگر قبول کرنا چاہتے ہوتو پہنچاؤں گا' ورنہ واپس پلٹ جاؤں گا۔ ابوثمامہ نے کہا: پھر یوں کرو کہ ملاقات کے وقت میرا ہاتھ تمہاری تلوار کے دستے پر رہے گا۔ ((کثیر)) نے ((ابوثمامہ)) کی یہ تجویز بھی قبول نہیں کی۔ ابوثمامہ نے کہا کہ پھر ایسا ہے کہ اپنا پیغام مجھے بتا دو' میں اسے امامؑ تک پہنچا دوں گا اور ان کا جواب تمہیں لا کر دے دوں گا لیکن اس بات کی ہرگز اجازت نہیں دوں گا کہ تم جیسا سفاک اور خونی شخص حسین ابن علیؑ کے خیمے میں داخل ہو۔

طبری لکھتا ہے: اس موقع پر ان دونوں کے درمیان کافی تکرار ہوئی' یہاں تک کہ ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے پر منتہی ہوئی اور ((کثیر)) اپنی ذمے داری ادا کئے بغیر واپس چلا گیا اور پورا واقعہ عمر سعد کو سنایا۔ اس کے بعد عمر ابن سعد نے یہ ذمے داری قرۃ ابن قیس تمیمی کے سپرد کی۔

زیارتِ ناحیہ میں ابوثمامہ کا ذکر اس طرح آیا ہے: **السلام علی ابی ثمامه عبد الله الصائدی.** (۱)

۱- ابوثمامہ کے حالاتِ زندگی کے بارے میں مزید معلومات کے لئے مرحوم مامقانی کی تنقیح المقال اور مرحوم شیخ محمد سماوی کی ابصار العین کا مطالعہ کیجئے۔

۶۴

سعید ابن عبداللہ حنفی سے فرمایا

«نَعَمْ اَنْتَ اَمَامِی فِی الْجَنَّۃِ .»

ترجمہ اور تشریح

جیسا کہ پہلے ذکر ہوا ہے، جب لشکرِ کوفہ نے نمازِ ظہر کے لئے عارضی جنگ بندی کی تجویز قبول نہ کی تو تیروں کی شدید بوچھاڑ کے باوجود امامؑ اپنے اصحاب کے ساتھ نمازِ ظہر کی ادائیگی کے لئے کھڑے ہوگئے۔ اس دوران سعید ابن عبداللہ، عمرو ابن قرظۃ کعبی اور امامؑ کے چند اور اصحاب آپؑ کی حفاظت کے لئے بطور ڈھال آپؑ کے سامنے کھڑے ہوگئے۔ نماز ختم ہونے کے بعد یہ تمام افراد تیروں سے شدید زخمی ہونے کے نتیجے میں شہید ہوئے۔

نماز کے بعد، جب سعید ابن عبداللہ شدید زخمی ہونے اور نقاہت کی وجہ سے گرے تو کہا: بارِالٰہا! اس قوم پر وہی عذاب نازل فرما جو تو نے قوم عاد و ثمود پر نازل فرمایا تھا اور میرا اسلام اپنے پیغمبر تک پہنچا دے اور انہیں مجھے پہنچنے والے اس درد اور تکلیف سے مطلع فرما، کیونکہ اس جانبازی، اور ان تمام رنج والم کو برداشت کرنے میں میرا مقصد صرف یہی ہے کہ تیرے پیغمبر کی مدد و نصرت کے ذریعے تجھ سے اجر و ثواب حاصل کرسکوں۔

پھر انہوں نے اپنی آنکھیں کھول کر امامؑ کا دیدار کیا اور امامؑ سے عرض کیا: اَوْفَیْتُ یَابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہِ (اے فرزندِ رسولؐ! کیا میں نے اپنا عہد وفا کیا؟)

امام علیہ السلام نے ان کے جواب میں فرمایا:

((نَعَمْ اَنْتَ اَمَامِی فِی الْجَنَّةِ.))

((ہاں (تم نے اپنا عہد پورا کیا)، تم جنت میں میرے آگے آگے ہو گے۔))

۞ ۞ ۞

٦۵

عمروابن قرظہ کعبی سے فرمایا

«نَعَمُ اَنُتَ اَمَامِی فِی الُجَنَّةِ فَاقُرَءُ رَسُوُلَ اللّٰهِ مِنِّی السَّلَامَ وَ اَعُلِمُهُ اَنِّی فِی الاِثُرِ .»

ترجمہ اور تشریح

«عمروابن قرظہ کعبی» نے بھی، سعید ابن عبد اللہ کے ہمراہ، نماز کے دوران امامؑ کی حفاظت کی ذمے داری قبول کی تھی۔ اس دوران متعدد تیر، ان کے سر اور سینے پر لگے، جس کے نتیجے میں وہ شدید زخمی حالت میں سعید کے ساتھ ہی زمین پر گرے تھے اور امامؑ اور سعید ابن عبد اللہ کے درمیان ہونے والی گفتگو سن رہے تھے۔ اس سوال و جواب کے بعد عمروابن قرظہ کعبی نے بھی امامؑ سے وہی سوال کئے جو سعید نے کئے تھے۔ انہوں نے بھی دریافت کیا کہ: اَوُفَیتُ یَابُنَ رَسُوُلِ اللّٰهِ (اے فرزند رسولؐ! کیا میں نے اپنا وعدہ نبھادیا؟)

امامؑ نے انہیں بھی وہی جواب دیا جو انہوں نے سعید کو دیا تھا۔

«نَعَمُ اَنُتَ اَمَامِی فِی الُجَنَّةِ.»

«ہاں (تم نے اپنا وعدہ نبھادیا)، تم جنت میں میرے آگے آگے ہوگے۔»

پھر مزید ارشاد فرمایا:

«رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو میرا سلام پہنچانا اور انہیں بتانا کہ میں

بھی تمہارے بعد آ رہا ہوں۔»(۱)

امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف نے زیارتِ ناحیہ میں عمرو ابن قرظۃ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: اَلسَّلاٰمُ عَلٰی عَمْرِو ابْنِ قَرْظَۃِ الاَنْصَارِی.

خوبصورتی اور بدصورتی

یہ تھے عمرو ابن قرظۃ کعبی، جو نماز کے دوران اپنے امام و پیشوا حسین ابن علیؑ کے لئے اپنے وجود کو سپر بنا ڈالتے ہیں اور اپنے سینے کو دشمنوں کے تیروں کی آماجگاہ بنا لیتے ہیں۔ اتنے تیر اپنے بدن پر روکتے ہیں کہ ان کے اثر سے چند ہی لمحے بعد کربلا کی گرم زمین پر گر جاتے ہیں لیکن اس حال میں بھی مضطرب اور فکرمند ہوتے ہیں کہ فرزند رسولؐ کے حوالے سے ایک مردِ مومن پر جو ذمے داری عائد ہوتی ہے، آیا اسے مناسب طور پر ادا کر بھی سکے ہیں یا نہیں؟

ان کی یہ پریشانی اتنی بڑھتی ہے کہ اپنے چھلنی سینے، خون آلود بدن کے باوجود، پیاس کی شدت سے خشک اور لرزاں ہونٹوں سے امام علیہ السلام سے سوال کرتے ہیں کہ: اَوْفَیْتُ یَاابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہ (اے فرزند رسولؐ! کیا میں نے اپنا فرض ادا کیا؟)۔ اور امام علیہ السلام انہیں جواب دیتے ہیں کہ: نَعَمْ اَنْتَ اَمَامِی فِی الْجَنَّۃِ (ہاں (تم نے اپنا فرض ادا کیا) اور تم جنت میں میرے پیشرو ہو گے۔)

کیونکہ اس دنیا میں خوبصورتی و بدصورتی، نور و ظلمت اور سعادت و شقاوت ہمیشہ ساتھ ساتھ رہتے ہیں۔ لہٰذا مناسب نظر آتا ہے کہ یہاں «عمرو ابن قرظۃ» کی نورانی شخصیت کے ذکر کے ساتھ ساتھ ان کے بھائی «علی ابن قرظۃ» کے سیاہ کردار پر بھی نظر ڈالتے چلیں اور عمرو ابن قرظۃ کے درخشاں چہرے سے کچھ واقفیت حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے بھائی علی ابن قرظۃ کے بدوضع قیافے سے بھی آشنائی حاصل کریں۔ تاکہ تاریخ کے دوسرے اوراق میں اس

۱۔ مقتل عوالم۔ ص ۸۸، لہوف۔ ص ۹۵، مثیر الاحزان، تاریخ کامل ابن اثیر۔ ج ۳۔ ص ۲۹۰۔

قسم کے متضاد کردار دیکھ کر متعجب نہ ہوں۔ اسی طرح ((قرظۃ ابن کعب)) اور ان کے فرزند ((علی ابن قرظۃ)) کے کرداروں کے موازنے کے ذریعے اس آیۂ کریمہ کے مصادیق کو واضح طور پر محسوس کریں جس میں پروردگار کا ارشاد ہے: يُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ.

((قرظۃ ابن کعب)) کا شمار رسول اللہؐ کے اصحاب، راویانِ حدیث اور امیر المومنینؑ کے ساتھیوں میں ہوتا ہے۔ وہ جنگِ احد اور اسکے بعد ہونے والی جنگوں میں رسولِ مقبولؐ اور امیر المومنینؑ کے ہم رکاب رہے، جنگِ صفین میں حضرت علیؑ کے لشکر کے چند علم برداروں میں سے ایک ((قرظۃ ابن کعب)) بھی تھے اور امیر المومنینؑ نے انہیں ((فارس)) کا گورنر بھی مقرر کیا تھا۔ ۵۱ ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ کہتے ہیں کہ کوفہ میں جس شخص کی وفات پر پہلی مرتبہ نوحہ خوانی کی گئی وہ قرظۃ ابن کعب ہی تھے۔

قرظۃ ابن کعب کے کئی بیٹے تھے، جن میں سے ((عمرو ابن قرظۃ)) اور ((علی ابن قرظۃ)) زیادہ مشہور ہوئے۔ ((عمرو)) اپنے ایثار و فداکاری اور نیک کردار کی وجہ سے اور ((علی)) اپنی شقاوت اور گمراہی کی بنا پر۔

عمرو ابن قرظۃ اور امام حسینؑ ایک ہی وقت کربلا پہنچے تھے اور امامؑ نے انہیں عمر ابن سعد کے ساتھ گفتگو اور مذاکرات پر مامور کیا تھا۔ شمر کے کربلا پہنچنے اور بات چیت کا سلسلہ ٹوٹ جانے تک، ((عمرو ابن قرظۃ)) نے انتہائی عمدہ طریقے سے یہ ذمے داری انجام دی تھی۔

عاشور کے دن ((عمرو)) ان اوّلین افراد میں سے تھے جنہوں نے حسین ابن علیؑ سے دشمن کے خلاف جہاد اور جنگ کی اجازت حاصل کی اور شعر اور رجز پڑھنے کے بعد دشمن کی صفوں پر حملہ کیا۔ کچھ دیر جنگ کرنے کے بعد سانس لینے اور از سرِ نو قوت حاصل کرنے کی غرض سے خیموں کی طرف واپس آئے اور نماز کے دوران امامؑ کی حفاظت کی ذمے داری لی اور جیسا کہ پہلے ذکر ہوا سینے اور پیشانی پر لگنے والے متعدد تیروں کے نتیجے میں شدید زخمی ہو کر درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

جبکہ ((علی ابن قرظۃ)) امام حسین علیہ السلام سے جنگ کرنے کے لئے عمر ابن سعد اور سپاہِ کوفہ کے ہمراہ کربلا آیا۔ عاشور کے دن جب اسے اپنے بھائی کی شہادت کی اطلاع ملی تو صفوں سے باہر نکل کر امام حسینؑ سے مخاطب ہو کر بولا: اے حسین! اے جھوٹے اور جھوٹے کے بیٹے (نعوذ باللہ تعالیٰ) تم نے میرے بھائی کو دھوکا دیا' اسے گمراہ کیا اور تم ہی اس کے قاتل ہو۔

امامؑ نے اس کی اس گستاخی کے جواب میں فرمایا: اِنّی لَمْ اَغْرُر اَخَاکَ وَ مَا اَضْلَلْتُہُ وَ لٰکِنْ ھَدَاہُ اللّٰہُ وَ اَضَلَّکَ (میں نے تمہارے بھائی کو دھوکا نہیں دیا اور نہ ہی اسے گمراہ کیا بلکہ خدا نے اسے ہدایت دی اور تجھے گمراہ کیا۔)

علی ابن قرظۃ نے کہا: اگر میں تمہیں قتل نہ کروں تو خدا مجھے قتل کر دے۔ اور یہ کہہ کر امامؑ پر حملہ آور ہوا۔ ((نافع بن ہلال)) اس کے سامنے حائل ہو گئے اور اسے ایسا نیزہ مارا کہ وہ زمین پر گر پڑا۔ اس کے ساتھی فوراً اسے بچانے کے لئے لپکے اور نافع بن ہلال کو مزید موقع نہ دیا اور زخمی حالت میں اسے اٹھا کر واپس لشکرِ کوفہ کی طرف لے گئے۔ علاج معالجے کے بعد وہ موت سے بچ گیا۔(۱)

۱-قرظۃ ابن کعب اور ان کے بیٹوں کے حالاتِ زندگی جاننے کیلئے ((الاصابہ)) اس کے علاوہ تنقیح المقال-ج ۲-ص۳۳۲ (حرف قاف) اور ابصار العین-ص۹۲ کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

٦٦

نمازِ ظہر کی ادائیگی کے بعد امامؑ کی تقریر

"یٰا کِرٰامُ هٰذِهِ الْجَنَّةُ قَدْ فُتِحَتْ اَبْوٰابُهٰا وَ اتَّصَلَتْ اَنْهٰارُهٰا وَ اَيْنَعَتْ ثِمٰارُهٰا وَ هٰذٰا رَسُوْلُ اللّٰهِ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ) وَ الشُّهَدٰاءُ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ يَتَوَقَّعُوْنَ قُدُوْمَكُمْ وَ يَتَبٰاشَرُوْنَ بِكُمْ فَحٰامُوْا عَنْ دِيْنِ اللّٰهِ وَ دِيْنِ نَبِيِّهِ وَ ذُبُّوا عَنْ حَرَمِ الرَّسُوْلِ ."

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

کِرٰام (کَرِیم کی جمع): بلند کردار شخص، معزز، فیاض، بخشنے والا۔ اَیْنَعَتِ الثَّمر : پھل پک گئے، تروتازہ ہوگئے۔ تَوَقع: انتظار۔ قُدُوم : پہنچنا۔ تَبَاشُر: ایک دوسرے کو بشارت دینا۔ ذُبّ : دفاع کرنا۔

ترجمہ اور تشریح

"مرحوم مقرم" کے مطابق (۱) نمازِ ظہر ادا کرنے اور اپنے سامنے خاک وخوں میں غلطاں سعید ابن عبداللہ اور عمرو ابن قرظہ سے گفتگو اور ان کے سوالوں کے جواب دینے کے بعد

۱۔ مقتل مقرم۔ ص ۲۹۷۔

امامؑ نے شہادت اور جانثاری کے لئے بے تابی سے لمحے گننے والے اپنے بقیہ اصحاب کی طرف رخ کیا اور ان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

«یٰا کِرٰامُ هٰذِهِ الْجَنَّةُ قَدْ فُتِحَتْ اَبْوٰابُهٰا ...... اے معزز لوگو! (دیکھو) یہ جنت ہے، جس کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں، جس کی نہریں ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہیں اور جس کے پھل تر و تازہ اور تیار ہیں۔ یہ رسولِ خداؐ اور راہِ خدا میں مارے جانے والے شہدا ہیں جو تمہاری آمد کے منتظر ہیں اور ایک دوسرے کو یہ خوشخبری سنا رہے ہیں۔ لہٰذا اللہ اور اس کے رسولؐ کے دین کی مدد کرو اور حرمِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا دفاع کرو۔»

۶۷

حبیب ابن مظاہر کی شہادت کے موقع پر (۱)

«.....عِنْدَ اللّٰهِ اِحْتَسِبُ نَفْسِی وَ حُمَاةَ اَصْحَابِی..» (۲)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

اِحْتِسَابُ عِنْدَاللّٰهِ: وہ کام جو رضائے الٰہی کی خاطر انجام پائے۔ حُمَاةَ (حامی کی جمع): دفاع کرنے والا۔

ترجمہ اور تشریح

جب امام حسین علیہ السلام نے نمازِ ظہر کی ادائیگی کی خاطر، عارضی جنگ بندی کی درخواست کی تو «حصین ابن نمیر» نے چلا کر کہا: کیسی نماز؟ تمہاری نماز قبول نہیں ہوگی۔

۱- یہ حبیب ابن مظاہر ہیں یا حبیب ابن مظہر؟ علم رجال کی بعض کتابوں میں (مقاوم کے وزن پر) مَظاہر کی بجائے (مطلق کے وزن پر) مُظْهِر بھی آیا ہے۔ مرحوم مامقانی «تنقیح المقال» میں فرماتے ہیں: شیخ طوسی، شہید ثانی اور سید ابن طاؤس جیسے عالیقدر رعلما کی عبارتوں سے یہی پتا چلتا ہے کہ مَظاهِر ہی صحیح ہے۔ اس کے علاوہ زیارتوں اور علما کی عبارتوں میں بھی مظاہر ہی استعمال ہوا ہے۔ اس کے بعد «مامقانی» مزید فرماتے ہیں: میرے خیال میں بعض علما کی کتابوں میں درج مُظْهِر سے مراد «مظاہر» ہی ہے کیونکہ قدیم رسم الخط میں بعض نام جن میں الف ہوتا ہے بغیر الف کے لکھے جاتے تھے، جیسے اسمٰعیل، اسحٰق وغیرہ وغیرہ۔۔۔

۲- تاریخ طبری- ج ۷- ص ۳۴۹۔

حصین ابن نمیر کا یہ گستاخانہ کلام سن کر حبیب ابن مظاہر (۱) آگے بڑھے اور اس سے کہا: زَعَمْتَ اَنَّهَا لَا تُقْبَلُ مِنْ آلِ الرَّسُوْلِ وَ تُقْبَلُ مِنْکَ یَا حِمَارُ ؟ (کیا تیرا خیال یہ ہے کہ آلِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نماز تو قبول نہ ہوگی اور تیری نماز قبول ہو جائے گی؟ اے گدھے)۔ یہ سن کر حصین نے حبیب پر حملہ کر دیا اور اس کے ساتھی بھی اسکی مدد کو آ گئے۔ ادہر حبیب کے دوست بھی ان کی مدد کو بڑھے اور یوں سخت جنگ چھڑ گئی۔ بڑھاپے کے باوجود حبیب نے دشمن کے کئی افراد کو موت کے گھاٹ اتارا۔ بالآخر خود بھی شہید ہوئے؛ جس کے بعد دشمن نے ان کا سر تن سے جدا کر دیا۔

۱۔ حبیب ابن مظاہر، رسول اللہؐ کے اصحاب میں سے تھے اور امیر المومنینؑ کے دورِ خلافت میں کوفہ منتقل ہو کر وہیں مقیم ہو گئے تھے۔ امیر المومنینؑ کی تمام جنگوں میں ان کے ہمراہ رہے۔ ان کا شمار امیر المومنینؑ کے خاص اصحاب اور پرخلوص دوستوں میں ہوتا تھا۔ حبیب ان چند افراد میں سے تھے جنہوں نے مولائے کائنات سے بکثرت اسرار سیکھے تھے۔

کشی نے ((فضیل ابن زبیر)) سے نقل کیا ہے کہ ایک دن کوفہ میں بنی اسد کے چند افراد کے ہمراہ ((میثم تمار)) کا حبیب ابن مظاہر سے سامنا ہوا۔ ان دونوں کے درمیان گفتگو شروع ہوئی۔ حبیب کی گفتگو یہاں تک پہنچی کہ: میں ایک بوڑھے کو دیکھ رہا ہوں جس کے سر کے بال جھڑے ہوئے ہیں، جس کا پیٹ آگے کی جانب کچھ نکلا ہوا ہے، جو دار الرزق میں گرما بیچتا ہے، بہت جلد وہ خاندانِ پیغمبرؐ سے محبت کی راہ میں سولی پر چڑھا دیا جائے گا۔ (اس طرح حبیب ابن مظاہر، میثم تمار کی شہادت کی پیش گوئی کر رہے تھے۔)

میثم نے ان کے جواب میں فرمایا: میں بھی ایک ایسے شخص کو جانتا ہوں جس کا چہرہ سرخ ہے اور بال بہت گھنے ہیں، وہ فرزندِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مدد کے لئے روانہ ہوگا اور اسی راہ میں مارا جائے گا اور اس کا سر کوفہ میں گھمایا جائے گا۔ (یوں میثم تمار، حبیب ابن مظاہر کی شہادت کی پیش گوئی کر رہے تھے۔)

اس گفتگو کے بعد حبیب اور میثم اس جگہ سے چلے گئے۔ جو لوگ وہاں بیٹھے ہوئے تھے اور مولائے کائنات کے ان دو شاگردوں کی گفتگو سن رہے تھے، کہنے لگے: ہم نے اپنی تمام عمر میں ان دونوں جیسے جھوٹے نہیں دیکھے۔ اسی وقت ((رشید حجری)) وہاں پہنچے اور ان لوگوں سے میثم اور (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

اپنے اس بوڑھے مہمان کا مارا جانا حسین ابن علیؑ کے لئے سخت رنج والم کا باعث تھا۔
آپؑ نے حبیب کے بے سر اور زخموں سے چور چور بدن کے قریب کھڑے ہو کر فرمایا:

«عِنۡدَ اللّٰهِ اِحۡتَسِبُ نَفۡسِی وَ حُمَاةَ اَصۡحَابِی.»

«میری اور میرے مددگار اصحاب کی قربانی اللہ کی رضا کے لئے ہے۔»

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ) حبیب کے بارے میں پوچھا۔ لوگوں نے بتایا کہ کچھ دیر پہلے وہ دونوں یہیں تھے اور ساتھ ہی اس گفتگو کے بارے میں بھی انہیں بتایا جو ان کے لئے ناقابلِ قبول اور تعجب انگیز تھی۔

«رشید» نے کہا: خدا میثم پر رحم کرے، وہ حبیب کے بارے میں یہ کہنا بھول گئے کہ جو شخص ان کا سر کوفہ لائے گا، اسے دوسروں کے مقابلے میں ایک سو درہم زیادہ انعام دیا جائے گا۔ یہ گفتگو نے کے بعد «رشید» وہاں سے چلے گئے۔ وہ لوگ جو وہاں بیٹھے ہوئے تھے ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے اور بولے: یہ تیسرا تو ان دو سے بھی بڑا جھوٹا نکلا۔

فضیل کہتا ہے: کچھ ہی عرصہ گزرا تھا کہ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ میثم کو عمرو ابن حریث کے گھر کے سامنے پھانسی دے دی گئی اور پھر کچھ ہی عرصے بعد حبیب کا کٹا ہوا سر کوفہ لایا گیا۔

۶۸

ابوشعساء کے لئے امامؑ کی دعا

«اَللّٰھُمَّ سَدِّدْ رَمْیَتَہُ وَ اجْعَلْ ثَوَابَہُ الْجَنَّۃَ .»

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

تسْدِیْد : سیدھے راستے کی ہدایت کرنا۔ رَمْیَتَہُ : تیراندازی۔

ترجمہ اور تشریح

«یزید ابن زیاد» المعروف «ابوشعساء کندی» کا شمار کوفہ کے معروف تیراندازوں میں ہوتا تھا اور وہ عمر ابن سعد کے لشکر میں شامل تھے۔ امام علیہ السلام کی تقریر کے بعد اور یہ دیکھتے ہوئے کہ امامؑ کی کسی تجویز اور پیش کش کا مثبت جواب نہیں دیا جارہا «ابوشعساء» امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؑ کے جانثاروں میں شامل ہو گئے۔ یاد رہے کہ ابوشعساء «حر» سے پہلے امامؑ کے لشکر میں شامل ہوئے تھے۔

پہلے تو ابوشعساء سوار ہو کر میدان جنگ میں گئے اور جب ان کے گھوڑے کے پاؤں کاٹ دیے گئے تو خیموں کی جانب واپس آئے اور خیموں کے سامنے گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھ کر سو تیر، جو اِن کے ترکش میں موجود تھے، سب کے سب لشکرِ کوفہ کی طرف مارے۔

امام علیہ السلام نے انہیں دعا دیتے ہوئے فرمایا:

«اَللّٰھُمَّ سَدِّدْ رَمْیَتَہُ وَ اجْعَلْ ثَوَابَہُ الْجَنَّۃَ .»

«بارِالٰہا! ان کے تیروں کو نشانے پر لگا اور ثواب میں انہیں جنت عنایت فرما۔»

تیر ختم ہونے کے بعد ابوشعساء اٹھے اور کہا: میرے تمام تیروں میں سے صرف پانچ تیر خطا گئے اور باقی سب ٹھیک ٹھیک نشانوں پر دشمن کو لگے۔ اسکے بعد انہوں نے تلوار لے کر دشمن کی صفوں پر حملہ کیا اور درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ (۱)

۱- تاریخ طبری- ج ۷- ص ۳۵۵، امالی شیخ صدوق- تیسویں مجلس۔

۶۹

حر ابن یزید ریاحی (۱) سے فرمایا

"..... نَعَمْ یَتُوْبُ اللّٰہُ عَلَیْکَ وَ یَغْفِرُ لَکَ .

..... قَتَلَةٌ مِثْلُ قَتلَةِ النَّبِیِّیْنَ وَ آلِ النَّبِیِّیْنَ .

..... اَنْتَ الْحُرُّ کَمَا سَمَّتْکَ اُمُّکَ وَ اَنْتَ الْحُرُّ فِی الدُّنْیَا وَ الْآخِرَةِ.

لَنِعْمَ الْحُرُّ حُرُّ بَنِی رِیَاحٍ   صَبُوْرٌ عِنْدَ مُشْتَبَکِ الرِّمَاحِ

وَ نِعْمَ الْحُرُّ اِذْ نَادٰی حُسَیْناً   وَ جَادَ بِنَفْسِهٖ عِنْدَ الصَّبَاحِ

فَیَا رَبِّی اَضِفْهُ فِی جِنَانٍ   وَ زَوِّجْهُ مَعَ الْحُوْرِ الْمِلَاحِ

۱- حر ابن یزید ریاحی کا تعلق عرب کے ایک معزز گھرانے سے تھا اور وہ کوفہ میں اپنے قبیلے کے سردار تھے۔ ابن زیاد نے انہیں ایک ہزار سپاہیوں کا لشکر دے کر امام حسینؑ کا راستہ روکنے کے لئے روانہ کیا۔ ((ابن نما)) کا بیان ہے کہ امام حسینؑ کی بارگاہ میں اپنی توبہ کی قبولیت کے بعد حر نے عرض کیا: اے فرزند رسولؐ! جب ابن زیاد نے مجھے آپؑ سے مقابلے کے لئے روانہ کیا، تو دارالامارہ سے باہر نکل کر مجھے ایک آواز سنائی دی جس نے کہا: اے حر! تمہیں یہ سفر مبارک ہو۔ جب میں نے پلٹ کر دیکھا تو وہاں کوئی نظر نہیں آیا۔ اس وقت سے اب تک میں سوچا کرتا تھا کہ یہ کیسی بشارت تھی؟ میں تو فرزند رسولؐ کے مخالف محاذ پر ہوں۔ میرے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ بالآخر آپؑ کے ساتھ شامل ہو کر اس سعادت کو حاصل کروں گا۔

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

مُشْتَبَک (اِشْتِبَاک سے): ایک دوسرے میں گڈ مڈ ہو جانا، شدید جنگ کے لئے کنائے کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ رِمَاح (رُمح کی جمع): نیزہ۔ نَادیٰ حُسَیْناً (بعض کتابوں میں فَادیٰ حُسَیْناً بھی ذکر ہوا ہے): اپنے آپ کو حسین پر فدا کر دیا۔ جَادَ بِنَفْسِہٖ: جان قربان کر دی۔ صِیَاح: آواز دینا، چلّانا۔ اَضَافَهُ: اسے مہمان بنا لیا۔ مِلَاح (مَلِیح کی جمع): نمکین۔

ترجمہ اور تشریح

«ابن اثیر» نے لکھا ہے کہ حر نے عمر ابن سعد کے لشکر سے علیحدہ ہو کے، توبہ کی غرض سے امامؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: میں نے یہ سوچا بھی نہ تھا کہ یہ لوگ معاملے کو اس حد تک لے جائیں گے اور سچ مچ آپؑ سے جنگ کرنے لگیں گے، ورنہ ہرگز ان کا ساتھ نہ دیتا۔ میں نے آپؑ کے خلاف جو جو کام کئے ہیں، اور آپؑ کا راستہ روکا ہے، اب ان سب خطاؤں سے توبہ کیلئے آپؑ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں اور اس بات کا عزم کرتا ہوں کہ مرتے دم تک آپ کی مدد کروں گا اور آپؑ کے قدموں میں جاں نثار کر دوں گا۔ کیا آپؑ میری توبہ قبول فرمائیں گے؟

امامؑ نے ان کے جواب میں فرمایا:

«نَعَمْ یَتُوبُ اللّٰہُ عَلَیْکَ وَ یَغْفِرُ لَکَ.»

«ہاں، خدا تمہاری توبہ قبول کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔»(۱)

طبری (۲) اور ابن کثیر (۳) نے لکھا ہے کہ حر نے حبیب کی شہادت کے بعد، نمازِ ظہر

۱- تاریخ کامل ابن اثیر- ج۳-ص۲۸۸۔ ۲- تاریخ طبری- ج۷-ص۳۵۵۔

۳- البدایۃ والنھایۃ- ج۸-ص۱۸۳ اور ۱۸۴۔

سے پہلے زہیر کے ساتھ مل کر دشمن پر حملہ کیا۔ ان میں سے جو کوئی دشمن کے محاصرے میں پھنستا تو دوسرا محاصرہ توڑ کر اسے دشمن کے حصار سے آزاد کرا لیتا۔ یہاں تک کہ حر کے گھوڑے کے پاؤں کاٹ دیئے گئے۔ انہوں نے گھوڑے سے اتر کر پیدل ہی جنگ جاری رکھی۔ جب ان کے ہاتھوں دشمن کے چالیس سے زیادہ افراد قتل ہو چکے تو دشمن کے ایک پیدل گروہ نے ان پر حملہ کر دیا۔ جس کے نتیجے میں وہ زخمی ہو کر گر پڑے۔ اس موقع پر لشکرِ امامؑ کے چند افراد نے دشمن پر حملہ کیا اور حر کے نیم جاں جسم کو قتل گاہ سے اٹھا کر خیموں کی طرف لے آئے اور اس خیمے کے قریب رکھ دیا جس میں شہدا کی لاشیں رکھی تھیں۔ (۱)

امامؑ وہیں حر کے نیم جاں جسم کے قریب تشریف لائے' ان میں ابھی زندگی کی کچھ رمق باقی تھی۔ آپؑ نے ان کا خون آلود جسم دیکھ کر وہی جملہ ادا کیا جسے آپؑ بارہا فرما چکے تھے کہ:

«قَتَلَةٌ مِثْلُ قَتَلَةِ النَّبِيِّيْنَ وَ آلِ النَّبِيِّيْنَ»

«یہ (اہل کوفہ) ایسے ہی قاتلوں کی مانند ہیں جیسے انبیا اور اولادِ انبیا کے قاتل ہوتے ہیں۔»

اس کے بعد آپؑ' حر کے سرہانے بیٹھ گئے اور ان کے چہرے پر سے خون اور مٹی کو صاف کرتے ہوئے فرمایا:

«اَنْتَ الْحُرُّ كَمَا سَمَّتْکَ اُمُّکَ وَ اَنْتَ الْحُرُّ فِی الدُّنْيَا وَ الْآخِرَةِ»

«تم آزاد مرد ہو' جیسا کہ تمہاری ماں نے تمہارا نام حر (یعنی آزاد) رکھا تھا۔ تم اس دنیا اور آخرت دونوں میں آزاد ہو۔»

۱- یہ خیمہ میدان کی طرف خیمہ گاہ کے آخری حصے میں تھا' جس کے اندر اور قریب شہدا کے اجسادِ مطہر رکھے جاتے تھے۔

پھر حر کے غم میں یہ اشعار پڑھے:

لَنِعْمَ الْحُرُّ حُرُّ بَنِی رِیَاح صَبُوْرٌ عِنْدَ مُشْتَبَکِ الرِّمَاحِ

وَنِعْمَ الْحُرُّ اِذْ نَادٰی حُسَیْناً وَ جَادَ بِنَفْسِهِ عِنْدَ الصَّبَاحِ

فَیَا رَبِّی اَضِفْهُ فِی جِنَانٍ وَ زَوِّجْهُ مَعَ الْحُوْرِ الْمِلَاحِ

((حر جو قبیلۂ بنی ریاح سے تعلق رکھتا ہے، کیسا جوانمرد ہے۔ گھمسان کی جنگ اور نیزوں کی بارش کے باوجود ثابت قدم ہے۔ اور وہ کتنا اچھا ہے کہ جب حسین نے اسے صدا دی، اس نے ان کی مدد کرتے ہوئے صبح عاشورا اپنی جان قربان کر دی۔ بارِالہا! تو جنت میں اس کی خاطر تواضع کر اور خوبصورت و ملیح حور کو اس کی زوجہ قرار دے۔)) (۱)

سعادت اور کامیابی کا حقیقی مفہوم

اگر ہم کامیابی کے حقیقی معنی سے آشنا ہونا چاہتے ہیں اور خوش قسمتی اور نیک انجام کی کسی کامل مصداق کو متعارف کرانا چاہتے ہیں تو ہمیں چاہئے کہ حر اور ان کی مانند دوسرے چند افراد کا ذکر کریں۔ یہ افراد اگرچہ ابتدا میں شیطانی لشکر کے ساتھ اور اسلام دشمنوں کی صفوں میں شامل تھے، فرزندِ رسول (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کو قتل کرنے اور مشعلِ ہدایت کو بجھانے کی غرض سے کربلا آئے تھے لیکن جب انہوں نے فیصلے کے لئے اپنی عقل سے رجوع کیا تو اللہ تعالیٰ کی عنایت اور اسکی فیوضات ان کے شاملِ حال ہوئیں اور انہوں نے اپنی تلواریں اسلام کے مفاد اور قرآن کے دفاع کے لئے استعمال کیں اور اس راہ میں شہادت کے عظیم درجے پر

۱۔ بعض تاریخ نویسوں نے کہا ہے کہ یہ اشعار امام حسینؑ کے تھے، جبکہ بعض کے مطابق یہ اشعار امام سجادؑ نے ارشاد فرمائے تھے اور بعض کا یہ بھی خیال ہے کہ امام حسین علیہ السلام کے کسی صحابی نے یہ اشعار کہے تھے۔ بحار الانوار۔ ج ۴۵۔ ص ۱۴، امالی صدوق۔ تیسویں مجلس، مقتل عوالم۔ ص ۸۵، مقتل خوارزمی۔ ج ۲۔ ص ۱۱۔

فائز ہوئے۔

شبِ عاشور اور عاشور کے روز توبہ کر کے امامؑ کے لشکر میں شامل ہونے والے افراد کی ٹھیک ٹھیک تعداد ہمیں معلوم نہیں اور ان کے اسمائے گرامی اور شہادت کا احوال تاریخ کی کتابوں میں پوری پوری تفصیل کے ساتھ درج نہیں ہوئے ہیں۔ لیکن جیسا کہ ((حر)) کے احوال میں بیان ہوا، تاریخ میں دو اور ایسے افراد کا ذکر ملتا ہے جنہیں توبہ کی توفیق نصیب ہوئی اور جو حسین ابن علیؑ کی زندگی کے آخری لمحات میں ان کے ساتھ شامل ہوئے اور آپؑ کی رکابؑ میں شہادت کے ذریعے دائمی کامیابی اور سعادت حاصل کر پائے۔

سعد ابن حارث اور اس کا بھائی

کوفہ کے رہنے والے دو بھائی ((سعد)) اور ((ابوالحتوف))، حارث کے بیٹے، منحرف عقیدے کے حامل اور کٹر خوارج میں سے تھے، جو (نعوذ باللہ) امیر المومنینؑ کو واجب القتل قرار دیتے تھے۔ یہ دو بھائی عمر ابن سعد کے ہمراہ حسین ابن علیؑ سے جنگ کی غرض سے کربلا پہنچے اور لشکرِ کوفہ میں رہے۔ عاشور کے دن جب امام علیہ السلام کے تمام اصحاب شہید ہو گئے اور ان بھائیوں نے مظلوم کربلا کی الا ناصرٌ ینصرنی کی صدائے استغاثہ سنی اور انہیں خیموں سے عورتوں اور بچوں کے رونے کی آوازیں سنائی دیں تو منقلب ہو گئے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے: ہم جو کہتے ہیں کہ: لاَ حُكْمَ اِلاَّ لِلّٰهِ وَ لاَ طَاعَةَ لِمَنْ عَصَى اللّٰهَ (۱) (فیصلہ صرف اللہ کا ہے اور جو اللہ کی مخالفت کرے اس کی اطاعت نہیں کی جائے۔) تو یہ حسینؑ کیا ہمارے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اولاد نہیں ہیں؟ کیا ہم روزِ قیامت ان کے نانا کی شفاعت کے امیدوار نہیں ہیں؟ پھر آخر کیوں ہم ان کے خلاف جنگ کے لئے میدان میں اترے ہیں اور وہ دشمنوں کے نرغے میں تن تنہا بے یار و مددگار کھڑے ہیں۔

۱- یہ خوارج کا نعرہ تھا۔

آپس میں یہ گفتگو کرنے کے بعد وہ دونوں بھائی حسین ابن علیؑ کی طرف آ گئے۔ تلواریں میان سے نکالیں اور امامؑ کے قریب کھڑے ہو کر دشمن کا مقابلہ کرنے لگے۔ دشمن کے کچھ افراد کو قتل کرنے اور چند کو زخمی کرنے کے بعد دونوں بھائی شہید ہو گئے' اور ان کے خون میں نہائے ہوئے لاشے ایک دوسرے کے نزدیک ہی زمین پر گر پڑے۔ یوں ((حر ابن یزید ریاحی)) کی طرح ان دونوں بھائیوں کو بھی سعادت اور کامیابی حاصل ہوئی۔ (۱)

۱- سعد اور ابو الحتوف کے بارے میں مزید معلومات کے لئے تنقیح المقال - ج ۲ - ص ۱۲' اعیان الشیعہ (نیا ایڈیشن' دس جلدی) - ج ۲ - ص ۳۱۹' الکنی والالقاب از محدث قمی - ج ۱ - ص ۴۳ سے رجوع کیجئے۔

۷۰

زہیر ابن قین سے فرمایا

«.....وَ اَنَا اَلْقَاهُمْ عَلٰى اِثْرِکَ .....

لَا يُبْعِدَنَّکَ اللّٰهُ يَا زُهَيْرُ وَ لَعَنَ قَاتِلِيکَ لَعْنَ الَّذِيْنَ

مُسِخُوا قِرَدَةً وَ خَنَازِيْرَ .»

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

اِثْر : پیچھے، فوراً بعد۔ قِرَدَة (قِرْد کی جمع): بندر۔ خَنَازِيْر (خِنْزِيْر کی جمع): سُور۔

ترجمہ اور تشریح

زہیر ابن قین (۱) ایک حملے اور شدید جنگ کے بعد خیموں کی طرف واپس آئے، حسین ابن علیؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے ہاتھ امامؑ کے کاندھوں پر رکھ کر دوبارہ رن میں جانے کی اجازت طلب کرتے ہوئے یہ شعر پڑھے۔

۱۔ ((زہیر ابن قین)) کوفہ کے رہنے والے اور اپنے قبیلے کے سرداروں میں سے تھے۔ وہ حضرت عثمان کے ماننے والوں میں شمار کئے جاتے تھے۔ ۶۰ھ میں اپنی زوجہ کے ہمراہ حج سے مشرف ہوئے اور واپسی پر کربلا کے نزدیک امام حسینؑ سے ہونے والی ایک ملاقات اور نشست کے نتیجے میں نورِ ہدایت نے ان کے قلب کو منور کیا اور اپنا عقیدہ تبدیل کر کے امامؑ کے اصحاب میں شامل ہو گئے۔ ان کے مذکورہ اشعار میں هادياً مهدياً کے الفاظ شاید اسی نکتے کی جانب اشارہ ہوں۔

فَدَتکَ نَفسی هٰادِیاً مَهدِیاً اَلیَومَ اَلقٰی جَدَّکَ النَّبِیّا
وَ حَسَناً وَ المُرتَضٰی عَلِیّاً وَ ذَا الجَنٰاحَینِ الفَتٰی الکَمِیّاً
وَ اَسَدَ اللّٰهُ الشَّهِیدَ الحَیّاً

«میری جان آپ پر فدا ہو اے ہدایت یافتہ اور ہادی، آج میں آپ کے جد پیغمبرؐ سے ملاقات کروں گا۔ حسن، علی مرتضی اور دو پروں والے مسلح جواں مرد (جعفر طیار) سے ملوں گا۔ اسد اللہ، حمزہ سے بھی جو ہمیشہ زندہ رہنے والے شہید ہیں۔»

امامؑ نے ان کے جواب میں فرمایا:

«.....وَ اَنَا اَلقٰاهُم عَلٰی اِثرِکَ.»

«تمہارے فوراً بعد میں بھی ان سے ملاقات کروں گا۔»

اسی طرح کے دو شعر اور امامؑ کا جواب «حجاج جعفی» کے بارے میں بھی ذکر ہوا ہے، بالکل ایک جیسا ہونے کی وجہ سے ہم نے انہیں نقل کرنے سے اجتناب کیا ہے۔

جب زہیر شدید زخمی ہو کر کربلا کی زمین پر گرے، تو امامؑ ان کے سرہانے تشریف لائے اور ان الفاظ کے ذریعے ان کی قدر افزائی فرمائی:

«.....لاٰ یُبعِدَنَّکَ اللّٰهُ یٰا زُهَیرُ وَ لَعَنَ قٰاتِلِیکَ لَعْنَ الَّذِینَ مُسِخُوا قِرَدَةً وَ خَنٰازِیرَ.»

«خدا تمہیں اپنی رحمت سے دور نہ رکھے، اے زہیر! اور تمہارے قاتلوں پر لعنت کرے، ایسی لعنت جو جب گزشتہ قوموں پر کی گئی تو وہ بندر اور سور کی شکل میں مسخ ہو گئے۔»(۱)

۱۔ مقتل خوارزمی۔ ج ۲۔ ص ۲۰، ابصار العین۔ ص ۹۹۔

جی ہاں! ہر زمانے میں وہ لوگ، جو سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں سے محروم ہو کر اپنے اپنے عہد کے ابن زیاد اور عمر ابن سعد کے اشاروں پر بندروں کی مانند ناچنے لگتے ہیں، اور سور کی طرح ان کی زندگی کا مقصد بھی فقط اپنی خواہشات کی تکمیل رہ جاتا ہے، وہ خدا کی لعنت کے مستحق بن جاتے ہیں، کیونکہ ان میں انسانیت کے کوئی آثار باقی نہیں رہتے۔

۱۷

حنظلہ شبامی (۱) سے فرمایا

«......رَحِمَکَ اللّٰہُ اِنَّھُمْ قَدِ اسْتَوْجَبُوا الْعَذَابَ حِیْنَ رَدُّوْا عَلَیْکَ مَا دَعَوْتَھُمْ اِلَیْہِ مِنَ الْحَقِّ وَ نَھَضُوْا اِلَیْکَ لِیَسْتَبِیْحُوْکَ وَ اَصْحَابَکَ وَ کَیْفَ بِھِمُ الْآنَ وَ قَدْ قَتَلُوا اِخْوَانَکَ الصّٰالِحِیْنَ .

......رُحْ اِلٰی خَیْرٍ مِنَ الدُّنْیَا وَ مَا فِیْھَا وَ اِلٰی مُلْکٍ لَا یَبْلٰی .

......آمِیْنَ آمِیْنَ .»

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

نَھَضُوا (نھض سے): کسی کے خلاف کھڑے ہونا۔ نَھَضُوا اِلَیْہِ: اس کی طرف لپکے۔ اِسْتِبَاحَۃ: کسی کام کو جائز سمجھنا (خونریزی کے ارادے کا کنایہ ہے)۔ رُحْ (رَاحَ یَرُوْحُ کا فعل امر): جانا۔ یَبْلٰی (بَلٰی سے): پرانا ہو جانا۔

۱- تاریخ اور مقتل کی کتابوں میں «شبامی» کی بجائے «شامی» بھی لکھا ہے۔ مرحوم «سماوی» نے «ابصار العین» میں اس غلطی کی تصحیح کرتے ہوئے لکھا ہے: شبامی (کتاب کے وزن پر) شبام سے ہے اور شامی غلط ہے۔

ترجمہ اور تشریح

حسین ابن علیؑ کے اصحاب میں سے ایک ((حنظلہ بن شبامی)) بھی تھے' انہوں نے دشمن کے سامنے آ کر اسے نصیحت کی اور اپنی بات کا اختتام اس آیۂ کریمہ کی تلاوت پر کیا جس میں مومنِ آلِ فرعون نے فرعونیوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل کے ارادے سے باز رکھنے کیلئے انہیں ان کے اس عمل کے خطرناک نتائج سے متنبہ کیا تھا۔(۱)

اسکے بعد وہ خیموں کی طرف واپس آئے تو حسین ابن علیؑ نے ان کی تعریف اور حوصلہ افزائی کرتے ہوئے فرمایا:

((رَحِمَکَ اللّٰہُ اِنَّھُمْ قَدِ اسْتَوْجَبُوا الْعَذَاب..... خدا تم پر رحم کرے' جب ان لوگوں نے تمہاری دعوتِ حق کو قبول نہیں کیا اور تمہارے دوستوں کے قتل کے لئے تیار ہوئے تو اسی وقت عذاب کے مستحق ہو گئے تھے' اور اب تو انہوں نے تمہارے ساتھیوں کا خونِ ناحق بہا دیا ہے (اب یقیناً یہ لوگ عذاب سے بچ نہیں سکتے)۔))

حنظلہ نے عرض کیا: صَدَقْتَ جُعِلْتُ فِدَاکَ (میری جان آپ پر قربان ہو' آپ نے بالکل درست فرمایا ہے۔)

پھر اذنِ جہاد لینے کے لئے کہا: اَفَلَا نَرُوحُ اِلٰی رَبِّنَا وَ نَلْحَقُ بِاَخْوَانِنَا (کیا

۱-یٰا قَوْمِ اِنِّیْ اَخَافُ عَلَیْکُمْ یَوْمَ التَّنَادِ یَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِیْنَ مَا لَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ مِنْ عَاصِمٍ وَ مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰہُ فَمَا لَہٗ مِنْ ھَادٍ (اے قوم! میں تمہارے بارے میں فریادرسی کے لئے پکارنے کے دن (قیامت) سے ڈر رہا ہوں۔ جس دن تم سب پیٹھ پھیر کر بھاگو گے اور اس دن خدا کے غضب سے کوئی تمہیں بچانے والا نہ ہوگا اور جس کو خدا (اسکے عمل کے اثر سے) گمراہی میں چھوڑ دے' اسکی ہدایت کرنے والا کوئی نہیں۔ سورۂ غافر ۴۰- آیت ۳۲'۳۳)

ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ میں اپنے پروردگار کی طرف جاؤں اور اپنے بھائیوں سے جاملوں۔) وہ بھائی جو جنت میں میرے منتظر ہیں۔

امام علیہ السلام نے ان کے جواب میں فرمایا:

«رُحْ اِلٰی خَیْرٍ مِنَ الدُّنْیَا وَ مَا فِیْهَا وَ اِلٰی مُلْکٍ لَا یَبْلٰی.»

«ہاں' جاؤ اس طرف جو دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے اس سب سے بہتر ہے' ایسی سلطنت جو ہمیشہ رہنے والی ہے۔»

حنظلہ نے امامؑ سے وداع ہوتے ہوئے کہا: اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا اَبَا عَبْدِ اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ وَ عَلٰی اَهْلِ بَیْتِکَ وَ عَرَّفَ بَیْنَنَا وَ بَیْنَکَ فِی جَنَّتِهٖ۔

امامؑ نے بھی فرمایا: آمِیْنَ آمِیْنَ۔

حنظلہ نے دشمن پر حملہ کیا اور بے جگری سے لڑے' یہاں تک کہ درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔(۱)

۱-تاریخ طبری-ج ۷-ص ۳۵۲' تاریخ کامل ابن اثیر-ج ۳-ص ۲۹۲' لہوف-ص ۹۶۔

۷۲

سیف بن حارث اور مالک بن عبد سے فرمایا

((.....اَیْ اِبْنَیْ اَخوِیْ مَا یُبْکِیکُمَا ؟ فَوَ اللّٰہِ اِنّی لَاَرْجُوْ اَنْ تَکُوْنَا بَعْدِ سَاعَۃٍ قَرِیْرُ الْعَیْنِ...... جَزَاکُمَا اللّٰہُ یَا اِبْنَیْ اَخَوِیْ عَنْ وُجْدِکُمَا مِنْ ذٰلِکَ وَ مُوَاسَاتِکُمَا اِیَّایَ اَحْسَنَ جَزَاءِ الْمُتَّقِیْنَ ......وَ عَلَیْکُمَا السَّلَامُ وَ رَحْمَۃُ اللّٰہِ وَ بَرَکَاتُہٗ.))

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

قَرِیْرُ الْعَیْنِ : کسی مقصد کو حاصل کر کے خوش اور مسرور ہونا۔ وُجد (واو پر پیش): احساس و ادراک۔ مُوَاسَات : تعاون اور مدد کرنا۔

ترجمہ اور تشریح

((طبری)) نے لکھا ہے کہ ((قبیلۂ ہمدان)) کے دو افراد ((سیف بن حارث بن ربیع)) اور ((مالک بن عبد بن سریع)) جو ایک دوسرے کے چچازاد بھائی تھے اور ایک ہی ماں کے بیٹے تھے وہ ان ایام میں کربلا آ گئے تھے جب ابھی کربلا اور کوفہ کے درمیان رفت و آمد پر پابندی نہیں لگی تھی۔ یہ دونوں کربلا پہنچ کر امام حسینؑ کے لشکر میں شامل ہو گئے تھے۔

عاشور کے دن دشمنوں کی کثرت اور امامؑ کے اعوان و انصار کی قلت دیکھ کر یہ دونوں رونے لگے اور اسی حالت میں امامؑ کی خدمت میں تشریف لائے۔ جب امام عالی مقام نے انہیں روتے دیکھا تو فرمایا:

‹‹اَیْ اِبْنَیْ اَخَوِیْ مَا یُبْکِیکُمَا ؟ ...... اے میرے بھائیوں کے بیٹو! کیوں رو رہے ہو؟ خدا کی قسم مجھے امید ہے کہ کچھ ہی دیر بعد تمہاری آنکھوں میں ٹھنڈک پڑ جائے گی (جنت میں داخلے پر خوشی اور مسرت حاصل کرو گے)۔››

ان دونوں جوانوں نے عرض کیا: جَعَلَنَا اللّٰهُ فِدَاکَ لَا وَ اللّٰهِ مَا عَلٰی اَنْفُسِنَا نَبْکِی وَ لٰکِنْ نَبْکِی عَلَیْکَ نَرَاکَ قَدْ اُحِیطَ بِکَ وَ لَا نَقْدِرُ عَلٰی اَنْ نَمْنَعَکَ بِاَکْثَرِ مِنْ اَنْفُسِنَا (اے فرزندِ رسولؐ! ہماری جان آپ پر فدا ہو خدا کی قسم ہم اپنے لئے نہیں رو رہے، ہم تو آپ پر رو رہے ہیں کہ دشمن نے آپ کو گھیرا ہوا ہے اور ہم اپنی جان دینے کے سوا، آپ کے دفاع کے لئے کچھ بھی نہیں کر سکتے۔)

امامؑ نے ان لوگوں کی اس محبت، فرض شناسی اور جذبۂ ایثار کو دیکھتے ہوئے فرمایا:

‹‹جَزَاکُمَا اللّٰهُ یَا اِبْنَیْ اَخَوِیْ ..... خدا تمہارے اس احساس وادراک اور میری اس مدد و نصرت کے صلے میں، تمہیں متقی اور پرہیزگاروں کا بہترین ثواب عنایت فرمائے۔››

‹‹طبری›› نے ‹‹ابو مخنف›› سے نقل کیا ہے کہ: عین اس وقت جب یہ دونوں چچازاد بھائی امامؑ سے گفتگو میں مشغول تھے ‹‹حنظلہ ابن اسعد›› دشمنوں کے مقابل کھڑے انہیں وعظ و نصیحت کر رہے تھے، (اور جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں) کچھ ہی دیر بعد وہ مقام شہادت پر فائز ہو گئے۔ اس موقع پر ان دونوں جوانوں نے میدان کا رخ کیا اور جیسا کہ لکھا ہے: فَاسْتَقْدَمَا یَتَسَابَقَانِ (دونوں میدان کی طرف جانے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کر رہے تھے) اور کبھی کبھی خیموں کی طرف رخ کر کے امامؑ سے وداع کی غرض سے کہتے تھے کہ:

السَّلامُ عَلَیکَ یَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہِ اور جواب میں امامؑ فرماتے تھے کہ: وَ عَلَیکُمَا السَّلامُ وَ رَحْمَۃُ اللّٰہِ وَ بَرَکَاتُہُ ۔

پھر دونوں نے ایک ساتھ جنگ شروع کی اور مسلسل ایک دوسرے کی مدد کرتے رہے۔ اگر ان میں سے کوئی ایک، دشمن کے گھیرے میں آجاتا تو دوسرا دشمن کی صفوں کو توڑ کر اسے چھڑا لیتا۔ یہاں تک کہ دونوں شہید ہوئے۔ (۱)

احساسِ ذمے داری

اس گفتگو، مشایعت اور وداع میں جو چیز دوسری چیزوں سے زیادہ اہمیت کی حامل ہے اور ایک اہم اور ناقابلِ فراموش حقیقت کے طور پر نمایاں ہے وہ احساسِ ذمے داری اور اپنے فریضے کے ادراک کا مسئلہ ہے، جسے امامؑ نے سراہا اور اس کے عوض اللہ تعالیٰ سے ان کیلئے اجر عظیم کی دعا کی اور وہ بھی متقین کا بہترین اجر وثواب جسے سمجھنے سے ہمارا فہم وشعور عاجز ہے، اور جو ہمارے تصور سے بھی ماوراء ہے۔

جی ہاں! ان دونوں افراد کا راہِ حق کے فدائیوں کی کمی اور راہِ باطل کے پیروکاروں کی کثرت پر آنسو بہانا، اس بات پر افسوس کرنا کہ حق کی حمایت میں اپنی جان کے نذرانے کے سوا کچھ اور پیش نہیں کرسکتے، میدانِ جنگ میں پہنچنے کے لئے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرنا اور اپنے فریضے کی ادائیگی اور راہِ حق میں قربانی پر ایسا ذوق وشوق کہ بار بار مڑ کر

۱۔سیف اور مالک کے حالات اور شہادت کے بارے میں جاننے کے لئے رجوع کیجئے: تاریخ طبری ۔ج ۶۔ص ۳۵۳ اور ۳۵۴، تنقیح المقال ۔ج ۲۔ص ۸۷، تاریخ کامل ابن اثیر ۔ج ۳۔ص ۲۹۲، ابصار العین ۔ص ۷۸۔

خوارزمی نے اپنے مقتل کی جلد ۲، صفحہ ۳۲ پر اسی داستان کو قبیلہ غفار کے دو افراد عبداللہ اور عبدالرحمن سے نسبت دی ہے لیکن ہم نے طبری اور علم رجال کے معروف ماہر ((مامقانی)) کے قابلِ اعتبار ہونے کے پیش نظر ان کی گفتگو کو نقل کیا ہے۔

خیموں کی طرف دیکھتے ہیں اور اَلسَّلاَمُ عَلَیْکَ یَابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہِ کہہ کر اپنی وفاداری اور بیعت کی تجدید کرتے ہیں یا ایک مرتبہ پھر وداع ہوتے ہیں' ان سب چیزوں کا سبب صرف ایک ہی حقیقت ہے اور وہ یہ کہ یہ دونوں اپنی ذمے داری اور فریضے کا احساس رکھتے ہیں۔

یہ وہ قابلِ قدر صفت ہے جو اگر کسی قوم میں پیدا ہو جائے تو وہ طوفانی موجوں میں تبدیل ہو کر اپنی کامیابی اور سعادت کی راہ میں آنے والی ہر رکاوٹ کو ملیا میٹ کر دیتی ہے' اور اگر یہ صفت کسی شخص میں موجود ہو تو پھر وہ اپنے دین' مذہب' امام اور رہبر کی حمایت میں جان کی بازی لگانے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔ اور کتنا برا ہے اگر یہ احساسِ ذمے داری اور فرض شناسی کسی قوم یا کسی فرد میں نہ رہے۔ ایسی صورت میں نہ صرف یہ کہ وہ خود محض ایک چلتی پھرتی لاش بن جاتا ہے بلکہ دوسروں کے لئے بھی موت اور پستی کا سبب بنتا ہے۔

۷۳

جون سے فرمایا

‹‹.....یاٰ جَوْنُ اَنْتَ فِی اِذْنٍ مِنّی فَاِنَّمٰا تَبِعْتَنٰا طَلَباً لِلْعٰافِیَۃِ فَلاٰ تَبْتَلِ بِطَرِیْقَتِنٰا۔

.....اَللّٰھُمَّ بَیِّضْ وَجْھَہُ وَ طَیِّبْ رِیْحَہُ وَ احْشُرْہُ مَعَ الْاَبْرٰارِ وَ عَرِّفْ بَیْنَہُ وَبَیْنَ مُحَمَّدٍ وَ آلِ مُحَمَّدٍ.››(۱)

ترجمہ اور تشریح

سیاہ فام غلام ‹‹جون ابن حری›› دراصل حضرت ابوذر غفاریؓ کے غلام تھے، جو اُن کے بعد اہلِ بیتؑ کے خدمت گزار بن گئے تھے۔ امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ان کے ساتھ رہے اور پھر ان کے بعد حسین ابن علیؑ کی خدمت کا شرف حاصل کیا۔ وہ مدینہ سے مکہ اور پھر مکہ سے کربلا تک کے سارے راستے میں امامؑ کے ہمراہ رہے۔ عاشور کے دن جب جنگ کی شدت اپنی انتہاؤں کو چھونے لگی تو امامؑ کے پاس آئے اور آپؑ سے اذنِ جہاد طلب کیا۔

امامؑ نے ان کے جواب میں فرمایا:

‹‹یاٰ جَوْنُ اَنْتَ فِی اِذْنٍ مِنّی..... اے جون! میری طرف سے تمہیں

۱-لہوف-ص ۹۵، ابصارالعین-ص ۱۰۵، مثیر الاحزان-ص ۳۳۔

اجازت ہے (کہ یہاں سے چلے جاؤ اور اپنی جان کی حفاظت کرو) کیونکہ تم سکون اور عافیت کی زندگی بسر کرنے کے لئے ہمارے ہمراہ آئے تھے' اب ہماری وجہ سے اپنے آپ کو خطرے میں مبتلا نہ کرو۔))

((جون)) نے اپنے آپ کو امامؑ کے قدموں میں گرا لیا' اور ان کے قدم چومتے ہوئے عرض کیا: اے فرزندِ رسولؐ! کیا یہ ممکن ہے کہ راحت اور آسائش کے ایام میں تو میں آپ کے ساتھ رہوں اور برے دنوں میں اور مشکلات اور دشمنوں کے درمیان آپؑ کو تنہا چھوڑ کر چلا جاؤں؟ ہاں! میرے بدن سے بدبو آتی ہے' میرا حسب پست ہے اور میرا رنگ سیاہ ہے۔ اب مجھے جنت دے کر مجھ پر احسان کیجئے تاکہ میرے بدن سے خوشبو آئے' میرا رنگ سفید ہو جائے اور میں عزت و شرافت حاصل کر سکوں۔ خدا کی قسم' میں ہرگز آپؑ سے جدا نہ ہوں گا' یہاں تک کہ میرا یہ سیاہ خون آپؑ کے خون سے مل جائے۔(۱)

حسین ابن علیؑ نے جب ((جون)) کی یہ وفاداری' خلوص اور اصرار دیکھا تو انہیں میدان میں جانے کی اجازت دے دی اور جب وہ نڈھال ہو کر کربلا کی زمین پر گرے تو امامؑ خود ان کے سرہانے تشریف لائے' ان کے قریب بیٹھے اور ان الفاظ میں انہیں دعا دی:

((اَللّٰھُمَّ بَیِّضْ وَجْهَهٗ ..... بارِالٰہا! اس کے چہرے کو منور کر دے' اس کے بدن کو معطر بنا دے' اسے اپنے نیک بندوں کے ساتھ محشور فرما' اور محمدؐ و آلِ محمدؑ اور اس کے درمیان زیادہ سے زیادہ آشنائی اور واقفیت قرار دے۔))

۱-یابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اَنَافِی الرِّخَاءِ اَلْحَسُ قِصَاعَكُمْ وَ فِی الشِّدَّةِ اَخْذُلُكُمْ اِنَّ رِیْحِی لَنَتِنٌ وَ اِنَّ حَسَبِی لَلَئِیْمٌ وَ اِنَّ لَوْنِی لَاَسْوَدُ فَتَنَفَّسْ عَلَیَّ فِی الْجَنَّةِ لِیَطِیْبَ رِیْحِی وَ یَشْرُفَ حَسَبِی وَ یَبْیَضَّ لَوْنِی لَا وَ اللّٰهِ لَا اُفَارِقُكُمْ حَتّٰی یَخْتَلِطَ هٰذَا الدَّمُ الْاَسْوَدُ مَعَ دِمَائِكُمْ.

۴۷

عمر ابن جنادہ کے بارے میں فرمایا

«۔۔۔۔۔وَ هٰذا غُلامٌ قُتِلَ اَبُوهُ فِی الْحَمْلَةِ الاُولٰی وَ لَعَلَّ اُمَّهُ تَکْرَهُ ذٰلِکَ.»

ترجمہ اور تشریح

«جنادہ انصاری» کے مارے جانے کے بعد ان کے گیارہ سالہ فرزند «عمر ابن جنادہ» جو اپنے والدین کے ہمراہ کربلا آئے تھے، امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دشمن سے مقابلے کی اجازت طلب کی۔ امام حسین علیہ السلام نے ان کے بارے میں فرمایا:

«وَ هٰذا غُلامٌ قُتِلَ اَبُوهُ ۔۔۔۔۔۔ اس جوان کے والد پہلے حملے میں مارے جاچکے ہیں اور اب (اسکا مارا جانا) شاید اس کی ماں پسند نہ کرے۔»

اس جانباز نوجوان «عمر ابن جنادہ» نے جب یہ سنا تو عرض کیا: اِنَّ اُمِّی اَمَرَتْنِی (میری ماں ہی نے مجھے حکم دیا ہے۔)

امامؑ نے جب ان کا یہ جواب سنا تو انہیں اجازت دے دی۔

عمر میدانِ جنگ کی جانب روانہ ہوئے اور دشمن کے سامنے پہنچ کر یہ رجز پڑھا۔

اَمِیرِی حُسَیْنٌ وَ نِعْمَ الاَمِیرُ سُرُورُ فُؤادِ الْبَشِیرِ النَّذِیرِ

عَلِیٌّ وَ فاطِمَةُ والِداه فَهَلْ تَعْلَمُونَ لَهُ مِنْ نظیر

«میرے سردار حسین ہیں اور یہ کتنے اچھے سردار ہیں جو بشیر و نذیر پیغمبر کے دل کا چین ہیں۔علی اور فاطمہ ان کے والدین ہیں۔کیا تم ان جیسی کسی اور ہستی سے واقف ہو؟»

وہ دشمن کے ساتھ سخت مقابلے کے بعد شہید ہوئے۔دشمن نے ان کا سر کاٹ کر خیموں کی طرف پھینک دیا۔عمر کی والدہ نے یہ سر اٹھایا اور اس سے خاک وخون صاف کرنے کے بعد اسے نزدیک کھڑے ہوئے دشمن کے ایک سپاہی کو مار کر اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔پھر خیمے کی طرف گئیں اور ایک لکڑی اٹھالائیں' اور درج ذیل اشعار پڑھتے ہوئے دشمن پر حملہ کیا:

اِنّی عَجُوزٌ فِی النِّسآءِ ضَعِیفَةٌ خاوِیَةٌ بالِیَةٌ نَحِیفَةٌ
اَضْرِبُکُمْ بِضَرْبَةٍ عَنِیفَةٍ دُوْنَ بَنِی فاطِمَةِ الشَّرِیفَةِ

«میں ایک ضعیف' کمزور اور ناتواں عورت ہوں لیکن فاطمہ کے فرزند کی حمایت میں تم پر سخت ضرب لگاؤں گی۔»

اس خاتون نے لشکرِ کوفہ کے دو افراد کو زخمی کیا اور پھر امامؑ کے حکم سے خیموں کی سمت واپس چلی آئیں۔(۱)

۱۔مقتل خوارزمی۔ج ۲۔ص ۲۲' بحار الانوار۔ج ۴۵۔ص ۲۷' مناقب۔ج ۳۔ص ۲۱۹۔

۷۵

حضرت علی اکبرؑ کی شہادت کے موقع پر

"اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ عَلٰی هٰؤُلاءِ الْقَوْمِ فَقَدْ بَرَزَ اِلَیْهِمْ اَشْبَهُ النّٰاسِ بِرَسُولِکَ مُحَمَّدٍ (صَلّٰی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ آلِهِ) خَلْقاً وَ خُلْقاً وَ مَنْطِقاً وَ کُنّٰا اِذٰا اَشْتَقْنٰا اِلٰی رُؤْیَةِ نَبِیِّکَ نَظَرْنٰا اِلَیْهِ - اَللّٰهُمَّ فَامْنَعْهُمْ بَرَکٰاتِ الاَرْضِ وَفَرِّقْهُمْ تَفْرِیقاً وَمَزِّقْهُمْ تَمْزِیقاً وَاجْعَلْهُمْ طَرائقَ قِدَداً وَلاٰ تُرْضِ الْوُلاٰةَ عَنْهُمْ اَبَداً فَاِنَّهُمْ دَعَونٰا لِینْصرونا ثُمَّ عَدَوا عَلَیْنٰا لِیُقٰاتِلُونٰا اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفیٰ آدَمَ وَنُوحاً وَآلَ اِبرٰاهیمَ وَ آلَ عِمْرانَ عَلَی الْعٰالَمینَ ذُرّیَةً بَعْضُهٰا مِنْ بَعْضٍ وَاللّٰهُ سَمیعٌ عَلِیمٌ ..... مٰالَکَ؟ قَطَعَ اللّٰهُ رَحِمَکَ کَمٰا قَطَعْتَ رَحِمی وَلَمْ تَحْفَظْ قَرٰابَتِی مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ وَسَلَّطَ عَلَیْکَ مَنْ یَذْبَحُکَ عَلیٰ فِرٰاشِکَ.

.... قَتَلَ اللّٰهُ قَوْماً قَتَلُوکَ یٰابُنَیَّ مٰا اَجْرَأَهُمْ عَلَی اللّٰهِ وَعَلَی انْتِهٰاکِ حُرْمَةِ رَسُولِ اللّٰهِ، عَلَی الدُّنْیٰا بَعْدَکَ الْعَفٰا."

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

تَمْزِیق : بکھر جانا۔ طَرائِقَ قِدَداً : شدید اختلافی آرار کھنے والے گروہ۔

ترجمہ اور تشریح

حسین ابن علیؑ کے اصحاب و انصار کے جامِ شہادت نوش کرنے کے بعد آپؑ کے خاندان کے افراد نے رن میں جانا شروع کیا۔ سب سے پہلے حسین ابن علیؑ کے فرزندِ ارجمند حضرت علی اکبرؑ نے میدانِ جہاد میں قدم رکھا اور اسلام و قرآن کی حفاظت کی خاطر تیروں' نیزوں اور تلواروں کے سامنے خود کو پیش کیا۔

کیونکہ ہمارا قلم ان کی شخصیت کا خاکہ کھینچنے سے عاجز ہے اور زبان ان کے اوصاف و کمالات کے بیان سے بے بس لہٰذا ان کی روحی و معنوی شخصیت اور حسن سیرت و صورت کے ایک گوشے سے متعلق خود ان کے اور ان کے والدِ گرامی کے اقوال نقل کرتے ہیں:

جب ایک موقع پر حسین ابن علیؑ نے حضرت علی اکبرؑ کو اپنی اور اپنے اعوان و انصار کی شہادت کی خبر دی' تو انہوں نے جواب دیا: اے والدِ گرامی اگر ہماری موت حق کی راہ میں واقع ہوئی تو پھر ہمیں موت کی کوئی پروا نہیں ہے: فاذاً لاَ نُبالِی بِالْمَوْتِ .

امام حسینؑ ان کے معنوی اور نفسانی کمالات اور صورت و سیرت کے متعلق بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: علی اکبر شکل و صورت' اخلاق و اطوار اور اقوال و گفتار میں نبی اکرمؐ سے تمام لوگوں سے زیادہ شباہت رکھتے تھے۔ جب بھی ہم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کی زیارت کرنا چاہتے تو علی اکبر کے چہرے کو دیکھ لیا کرتے تھے۔

«خوارزمی» کہتے ہیں: علی ابن حسینؑ جو اس وقت اٹھارہ سال کے تھے (۱) انہوں نے

۱۔ حضرت علی اکبرؑ کی عمر کے بارے میں تفصیلی بحث آئندہ صفحات میں کی جائے گی۔

روزِ عاشورا خاندانِ اہلِ بیتؑ کے تمام افراد سے پہلے میدانِ شہادت کا رخ کیا۔ جب آپؑ نے اپنے والد گرامی سے وداع ہونے اور خیمہ گاہ سے میدانِ نبرد میں جانے کا قصد کیا تو حسین ابن علیؑ نے ان کے خوبصورت سراپے پر محبت بھری نگاہ ڈالی اور آسمان کی طرف رخ کر کے فرمایا:

«اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ عَلٰی ھٰؤُلٰاءِ الْقَوْم.... بارِالٰہا! تو اس قوم پر گواہ رہنا کہ اب ایک ایسا جوان ان کی طرف جا رہا ہے جو صورت و سیرت، عادات و اطوار اور اقوال و گفتار میں تیرے نبی سے سب لوگوں سے زیادہ شباہت رکھتا ہے اور جب کبھی ہم تیرے نبی کی زیارت کرنا چاہتے تھے تو اس کے چہرے کو دیکھ لیا کرتے تھے۔»

«اَللّٰھُمَّ فَامْنَعْھُمْ..... بارِالٰہا! ان لوگوں کو زمین کی برکتوں سے محروم کر دے اور انہیں اختلاف و انتشار میں مبتلا کر دے، انہیں ٹکڑوں ٹکڑوں میں بانٹ دے، ان کے حکام کبھی ان سے خوش نہ ہوں۔ ان لوگوں نے ہمیں اس لئے بلایا تھا کہ یہ ہماری مدد کریں گے لیکن پھر ہمارے ہی دشمن ہو گئے تاکہ ہمیں قتل کریں۔»

پھر امامؑ نے اس آیۂ کریمہ کی تلاوت فرمائی:

«اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰیٓ اٰدَمَ وَنُوحاً وَّاٰلَ اِبْرٰھِیْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ذُرِّیَّةً بَعْضُھَا مِنْ بَعْضٍ وَاللّٰہُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ.»

«اللہ نے آدم، نوح اور آلِ ابراہیم اور آلِ عمران کو منتخب کر لیا ہے۔ یہ ایک نسل ہے جس میں ایک کا سلسلہ ایک سے ہے اور اللہ سب کی سننے اور جاننے والا ہے۔ (سورۂ آل عمران ۳ - آیت ۳۳، ۳۴)

جب حضرت علی اکبرؑ مقتل کی سمت روانہ ہونے لگے تو امامؑ نے عمر ابن سعد کو مخاطب کر

کے فرمایا:

((مَا لَکَ؟ قَطَعَ اللہُ رَحِمَکَ کَمَا قَطَعْتَ رَحِمِی ..... تجھے کیا ہو گیا ہے؟ خدا تیری نسل کو ختم کرے، جس طرح تو نے میری نسل کو ختم کیا۔(۱) تو نے میری اور رسولِ اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی قرابت کا لحاظ نہ کیا۔ خدا تجھ پر ایسے شخص کو مسلط کرے جو تیرے بستر ہی پر تیرا سر تن سے جدا کر دے۔))

حضرت علی اکبرؑ نے دشمن کی صفوں کے سامنے آ کر یہ پر جوش رجز پڑھا:

اَنَا عَلِیُّ ابْنُ الْحُسَیْنِ ابْنِ عَلِیٍّ   نَحْنُ وَ بَیْتِ اللّٰہِ اَوْلٰی بِالنَّبِی
وَ اللّٰہِ لاَ یَحْکُمُ فِیْنَا ابْنُ الدَّعِیِّ   اَطْعَنُکُمْ بِالرُّمْحِ حَتّٰی یَنْثَنِی
اَضْرِبُکُمْ بِالسَّیْفِ حَتّٰی یَلْتَوِی   ضَرْبَ غُلَامٍ هَاشِمِیٍّ عَلَوِی

((میں علی، حسین ابن علی کا بیٹا ہوں اور کعبہ کی قسم ہم ہی نبی کے سب سے قریب

۱- امام علیہ السلام نے عمر ابن سعد کو بد دعا دیتے ہوئے فرمایا کہ: خدا تیری نسل کا خاتمہ کر دے۔ علم انساب کی دو انتہائی اہم کتابوں یعنی ((نسب زبیری)) اور ((جمهرة ابن حزم)) کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ عمر ابن سعد کی نسل میں سے اس کے پوتے ((ابوبکر ابن حفص)) کے بعد کوئی بھی باقی نہ رہا۔ خود ابوبکر اپنے باپ حفص کے بعد کچھ ہی عرصے زندہ رہا اور اس کی موت کے بعد اس کی کسی اولاد کے بارے میں کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ یقیناً اگر اس کی کوئی اولاد ہوتی تو حسب ونسب کے ماہرین اس کا ذکر کرتے کیونکہ امام علیہ السلام کی بد دعا کے پیش نظر یہ مسئلہ ایک قابلِ تحقیق موضوع کی حیثیت رکھتا ہے۔

امامؑ کے جملے کے دوسرے حصے: کَمَا قَطَعْتَ رَحِمِی (جیسا کہ تو نے میری نسل کو منقطع کیا) کے بارے میں حسین ابن علیؑ کی کثیر اولاد، آپؑ کی نسل میں امامت کے باقی رہنے اور دوسرے شواہد کو دیکھتے ہوئے بآسانی کہا جا سکتا ہے کہ اس جملے سے مراد امامؑ کی نسل کے اس حصے کا قطع ہونا ہے جو حضرت علی اکبرؑ کی حیات کی صورت میں ان کی اولاد کے توسط سے باقی رہتا۔

تر ہیں۔خدا کی قسم یہ پست انسان کا بیٹا ہم پر حکومت نہیں کر سکتا، میں اس
نیزے سے دشمن پر اتنے وار کروں گا کہ اسکی انی مڑ جائے گی۔اس تلوار سے
اس وقت تک ضرب لگاؤں گا جب تک یہ تلوار گھوم نہ جائے۔ایسی ضرب جو
ہاشمی علوی جوان کے شایانِ شان ہے۔))

مرحوم شیخ مفید نے ((ارشاد)) میں اور طبرسی نے ((اعلام الوریٰ)) میں ان اشعار کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:.....فَفَعَلَ ذٰلِکَ مِراراً وَ اَھْلَ الْکُوفَۃِ یَتَّقُوْنَ قَتْلَہٗ (علی اکبران پر جوش اشعار کو پڑھتے ہوئے دشمن پر بار بار حملے کرتے تھے کیونکہ اہلِ کوفہ انہیں قتل کرنے سے ڈر رہے تھے۔)

مندرجہ بالا جملے کی تفسیر میں مختلف نظریات پیش کئے گئے ہیں، جن کو اختصار کے پیش نظر ہم نقل نہیں کر رہے۔لیکن ہماری سمجھ میں جو بات آئی ہے، وہ یہ ہے کہ جس چیز نے اہل کوفہ کو حضرت علی اکبرؑ کے قتل کے معاملے میں خوف و ہراس میں مبتلا کیا وہ وہی ہے جسے مرحوم مفید نے بھی حضرت علی اکبرؑ کے بارے میں تحریر کیا ہے۔شیخ مفید فرماتے ہیں: وَ کَانَ اَصْبَحَ النَّاسِ وَجْھاً (علی اکبر لوگوں میں سب سے زیادہ خوبرو تھے)۔جی ہاں، حضرت علی اکبر کی اسی ظاہری خوبصورتی اور حسن نے اہل کوفہ کو بارہا پسپائی پر مجبور کیا۔جس کے بارے میں ان کے والدِ گرامی فرماتے ہیں: اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ عَلٰی ھٰؤُلاءِ الْقَوْمِ فَقَدْ بَرَزَ اِلَیْھِمْ اَشْبَہُ النَّاسِ بِرَسُوْلِکَ مُحَمَّدٍ (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ) خَلْقاً وَ خُلُقاً وَ مَنْطِقاً وَ کُنَّا اِذَا اشْتَقْنَا اِلٰی رُؤْیَۃِ نَبِیِّکَ نَظَرْنَا اِلَیْہِ.

((خوارزمی)) لکھتے ہیں: علی اکبرؑ نے پیاس کے شدید ترین غلبے کے باوجود ایسی جنگ کی، دشمن کی صفوں پر ایسے شدید حملے کئے اور اس کے اتنے افراد کو قتل کیا کہ فوجِ اشقیا سے داد و فریاد کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ان کے ہاتھوں ایک سو بیس سے زیادہ افراد مارے گئے۔اس کے بعد آپؑ خیموں کی سمت واپس آئے۔پھر دوسرا حملہ کیا اور جب زمین پر گرے تو بلند آواز

میں کہا: بابا جان! یہ میرے جد رسول اللہؐ ہیں جنہوں نے مجھے بہشت کے جام سے سیراب کر دیا ہے' اب مجھے کوئی پیاس نہیں ہے۔

امام حسینؑ نے ان کے سرہانے پہنچ کر فرمایا:

«قَتَلَ اللّٰه قَوْماً قَتَلُوکَ یابُنَیَّ..... خدا اس قوم کو نابود کرے جس نے تمہیں قتل کیا ہے۔ میرے بیٹے! یہ لوگ کس قدر بے باکی کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ہتکِ حرمت کر رہے ہیں۔ تمہارے بعد اس دنیا پر خاک ہے۔»(۱)

حضرت علی اکبرؑ کے بارے میں دو اہم موضوعات

حضرت علی اکبرؑ کے بارے میں مورخین اور علما کے درمیان دو موضوعات پر اختلافِ رائے پایا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں جو کچھ دستیاب ہو سکا ہے وہ موضوعِ گفتگو کی مناسبت سے یہاں ذکر کیا جا رہا ہے۔ مذکورہ دو اہم موضوعات یہ ہیں:

۱- شہادت کے وقت حضرت علی اکبرؑ کی عمر کتنی تھی؟

۲- حضرت علی اکبرؑ کی والدہ' دوسرے اہل حرم کے ہمراہ کربلا میں موجود تھیں یا نہیں؟

جہاں تک حضرت علی اکبرؑ کی عمر کا مسئلہ ہے' اس بارے میں یہ بات پیشِ نظر رکھنے کی ضرورت ہے کہ ان کی کنیت «ابوالحسن» تھی اور «انیس الشیعہ» کے مصنف (۲) کے بقول ان

۱- مقتل خوارزمی - ج ۲ - ص ۳۰' مثیر الاحزان' لہوف - ص ۱۰۰' تاریخ طبری - ج ۷ - ص ۳۵۸' تاریخ کامل ابن اثیر - ج ۳ - ص ۲۹۳' ارشادِ شیخ مفید - ص ۲۳۸۔

۲- «انیس الشیعہ» محترم عالم اور دانشور سید محمد جعفر طیار ہندی کی تالیف ہے۔ یہ کتاب انہوں نے ۱۲۴۱ ہجری میں تالیف کی۔ شہرہ آفاق کتاب «الذریعہ» کے مصنف اپنی اس کتاب کی جلد دوم صفحہ ۴۵۸ پر فرماتے ہیں کہ میں نے یہ کتاب جو کہ فارسی زبان میں لکھی گئی تھی نجف اشرف میں سید آغا تستری کے پاس دیکھی۔

کی ولادت ۱۱ شعبان ۳۳ ہجری میں، خلیفہ ثالث کے قتل سے دو سال پہلے ہوئی تھی، جبکہ خلیفۂ ثالث ۳۵ ہجری میں مارے گئے تھے۔

«انیس الشیعہ» کے مصنف کی تائید مشہور عالم مرحوم «ابن ادریس» کی رائے سے بھی ہوتی ہے جو انہوں نے «سرائر» میں تحریر کی ہے کہ حضرت علی اکبرؑ کی ولادت خلیفۂ ثالث کے دورِ اقتدار (۲۳ تا ۳۵ ھ) کے دوران ہوئی۔

ان آراء کی روشنی میں، اگر حضرت علی اکبرؑ کی ولادت خلیفۂ ثالث کی حکومت کے آخری برس بھی ہوئی ہو، تب بھی واقعۂ عاشور کے وقت ان کی عمر تقریباً ۲۷ سال رہی ہوگی۔ اس قول کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ تاریخ نگار اور علم الانساب کے ماہرین متفق ہیں کہ حضرت علی اکبرؑ عمر میں امام سجادؑ سے بڑے تھے اور واقعۂ عاشور کے وقت امام سجادؑ کی عمر ۲۳ سال تھی اور ان کے فرزند امام محمد باقر علیہ السلام، جو ان کے ہمراہ کربلا میں تھے، چار سال کے تھے۔

تاریخ نگاروں کے مذکورہ متفقہ قول کی روشنی میں بآسانی کہا جا سکتا ہے کہ حضرت علی اکبرؑ کی عمر کے بارے میں پیش کی جانے والی باقی آراء حقیقت سے مطابقت نہیں رکھتیں۔ جیسا کہ کتاب «منتخب» میں مرحوم «طریحی» کا یہ رائے دینا کہ شہادت کے وقت حضرت علی اکبرؑ کی عمر ۱۷ سال تھی، یا «ارشاد» میں مرحوم «شیخ مفید» اور «اعلام الوریٰ» میں مرحوم «طبرسی» کا یہ لکھنا کہ شہادت کے وقت ان کی عمر ۱۸ سال تھی یا «مناقب سروی» کے مصنف کا یہ کہنا کہ ان کی عمر ۱۹ سال تھی۔ تعجب کی بات ہے کہ «مثیر الاحزان» میں مرحوم «ابن نما» کہتے ہیں کہ حادثۂ کربلا کے وقت حضرت علی اکبرؑ کی عمر دس سال سے زیادہ تھی۔ اگرچہ یہ جملہ مبہم ہے لیکن عام طور پر ایسے جملے سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ اس وقت ان کی عمر ۱۲ یا ۱۳ سال تھی اور «ابن نما» سے بھی زیادہ تعجب آور خواجہ نصیر الدین طوسی کا قول ہے (۱) جس میں وہ فرماتے ہیں کہ اِنَّ لَهُ یَوْمَ

۱۔ نقد المحصل۔ مطبوعہ مصر۔ ص ۱۷۹۔

الطَّفِّ سَبْعَ سِنِيْنَ (عاشور کے وقت ان کی عمر سات سال تھی)۔ کیونکہ متعدد تاریخی دلائل اور قرائن سے ثابت ہے کہ امام حسین علیہ السلام (اپنے بھائی حضرت عباسؑ کے سوا) تمام اعوان و انصار، اصحاب اور اعزہ و اقربا کے مقابلے میں حضرت علی اکبرؑ کو ترجیح دیا کرتے تھے، اور یہ مقام اور یہ اہمیت اتنی کم عمری بالخصوص سات یا تیرہ برس کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتی۔

مثال کے طور پر تمام مورخین متفق ہیں کہ شبِ عاشور عمر ابن سعد سے ملاقات کے وقت امام حسینؑ نے اپنے تمام اصحاب کو حکم دیا کہ وہ خیمے سے باہر رہیں اور صرف حضرت ابو الفضل العباسؑ اور حضرت علی اکبرؑ کو اس بات کی اجازت دی کہ وہ آپؑ کے ہمراہ خیمے میں آئیں۔ اسی طرح عمر ابن سعد نے بھی اپنے بیٹے حفص اور اپنے ایک خاص غلام کو خیمے میں داخلے کی اجازت دی۔

اسی طرح عاشور کے دن جب امام علیہ السلام کی تقریر کے دوران خواتین کے گریہ و زاری کی آواز بلند ہوئی تو امامؑ نے اپنے بھائی ابو الفضل العباسؑ اور بیٹے علی اکبرؑ کو انہیں خاموش کرانے کی ذمے داری سونپی: سَكِّتَاهُنَّ فَلَعَمْرِي لَيَكْثُرُ بُكَاؤُهُنَّ (تم دونوں انہیں خاموش کرو، خدا کی قسم مستقبل میں انہیں بہت زیادہ رونا ہوگا۔)

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ جب آٹھ محرم کے دن امام حسینؑ نے اپنے چند اصحاب کو حکم دیا کہ فرات سے پانی لے کر آئیں، تو حضرت علی اکبرؑ کو ان کا نگراں بنایا۔

یہ تمام باتیں اس بات کی دلیل ہیں کہ خواجہ نصیر الدین طوسی کی رائے کے برخلاف عاشور کے دن حضرت علی اکبرؑ کی عمر سات سال سے کہیں زیادہ تھی۔ البتہ یہ احتمال بھی دیا جاسکتا ہے کہ خواجہ نصیر الدین طوسی کے کلام میں عشرۃ (یعنی دس) کا لفظ لکھنے سے رہ گیا ہو اور صحیح عبارت سبعۃ عشرۃ (سترہ سال) ہو اور وہ ((طریحی)) کے نظریئے سے متفق ہوں۔ اگرچہ ہمارے خیال میں، اور دیئے گئے شواہد و دلائل کے مطابق، یہ رائے بھی صحیح نہیں۔ لیکن خطاطی اور کتابوں سے قلمی نسخوں کی تیاری کے دوران بعض چیزوں کے اس طرح لکھنے سے رہ جانے کا

قوی امکان پایا جاتا ہے اور ایسا بہت زیادہ ہوتا ہے۔

کیا حضرت علی اکبرؑ صاحبِ اولاد تھے؟

مرحوم عبدالرزاق مقرم اپنے مقتل میں لکھتے ہیں کہ حضرت علی اکبرؑ کی عمر ۲۷ سال تو تھی ہی' اس کے علاوہ ان کے بیوی بچے بھی تھے۔ مرحوم مقرم اپنے اس نظریئے کی تائید میں: صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ وَ عَلٰی اَھْلِ بَیْتِکَ وَ عِتْرَتِکَ کو بطور ثبوت پیش کرتے ہیں۔ یہ جملہ ((کامل الزیارات)) میں موجود حضرت علی اکبرؑ کی ایک زیارت سے اخذ کیا گیا ہے' جو امام جعفرؑ صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔ عبدالرزاق مقرم' یہ احتمال بھی ظاہر کرتے ہیں کہ حضرت علی اکبرؑ کی کنیت ابوالحسن (حسن کے والد) بھی اسی مناسبت سے تھی کہ ان کا ((حسن)) نامی ایک فرزند تھا۔

مرحوم مقرم کی تائید کرتے ہوئے راقم مزید اضافہ کرنا چاہتا ہے کہ حضرت علی اکبرؑ کی زیارت کے جس جملے کو مرحوم مقرم نے بطور سند پیش کیا ہے وہ جملہ محض اسی ایک زیارت اور اسی ایک مقام پر نہیں ہے بلکہ متعدد زیارتوں میں اور متعدد مقامات پر درج ہے۔ مثال کے طور پر ((کامل الزیارات)) ہی کے صفحہ ۲۰۴ اور ۲۳۹ پر بھی یہ جملہ موجود ہے۔

حضرت آیت اللہ العظمیٰ مرعشی نجفی نے کتاب ((علی اکبرؑ)) پر اپنے مقدمے میں اس بات کی تصریح کی ہے کہ حضرت علی اکبرؑ عمر کے لحاظ سے امام سجادؑ سے بڑے تھے اور اس کی تائید میں ثبوت کے طور پر انہوں نے ((ابن ادریس)) کا وہ جملہ پیش کیا ہے جس میں انہوں نے کہا ہے کہ علما' مورخین اور علم الانساب کے ماہرین کے درمیان سب سے زیادہ مشہور اور سب سے زیادہ صحیح نظریہ یہی ہے کہ حضرت علی اکبرؑ' سید الساجدینؑ سے بڑے تھے اور ان علما کی رائے حجت ہے کیونکہ وہ اس فن کے متخصص ماہرین (Especialists) ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ مندرجہ بالا بحث سے مجموعی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ شہادت کے

وقت حضرت علی اکبرؑ کی عمر بیس سال سے زیادہ بلکہ تقریباً ۲۷ سال تھی۔

کیا حضرت علی اکبرؑ کی والدہ کربلا میں موجود تھیں؟

مورخین اور صاحبانِ نظر کے درمیان اس بات پر بھی اختلاف ہے اور اس کے اثبات یا انکار پر کوئی قطعی دلیل موجود نہیں ہے۔

مرحوم محدث قمی فرماتے ہیں: اور آیا آنجناب (حضرت علی اکبرؑ) کی والدہ کربلا میں موجود تھیں یا نہیں؟ ظاہر یہ ہے کہ نہیں تھیں اور معتبر کتابوں میں، میں نے اس بارے میں کوئی چیز نہیں دیکھی۔(۱)

لیکن ایک مشہور معاصر ادیب، عالم اور مصنف «مرحوم شیخ محمد سماوی» یہ بتاتے ہوئے کہ شہدا میں سے ۹ افراد کی مائیں کربلا میں موجود تھیں اور ان کے سامنے ان کے بیٹے میدانِ جنگ کو گئے اور شہید ہوئے، تحریر کرتے ہیں: ان ہی میں سے ایک علی بن حسینؑ ہیں کیونکہ بعض روایات کے مطابق ان کی والدہ لیلیٰ خیمے میں اپنے بیٹے کے لئے دعا کر رہی تھیں اور انہیں جنگ کرتے اور شہید ہوتے دیکھ رہی تھیں۔(۲)

راقم الحروف کا کہنا یہ ہے کہ مرحوم سماوی نے ان روایات کا کوئی ماخذ پیش نہیں کیا ہے۔ شاید ان کی مراد وہ باتیں ہوں جو اس بارے میں کتاب «مناقب» میں درج ہوئی ہیں(۳)، یا شاید کچھ اور روایات ان کے علم میں ہوں جن میں ان دوسرے آٹھ شہدا کے نام ہوں جن کی مائیں کربلا میں موجود تھیں۔

اس بحث کو مکمل کرنے کی غرض سے ذیل میں ہم ان آٹھ شہدا کے نام تحریر کر رہے ہیں جن کی مائیں کربلا میں موجود تھیں:

۱۔ منتہی الامال۔ ۲۔ ابصار العین۔ ص ۱۳۰۔

۳۔ مناقب۔ ج ۴۔ ص ۹۹۔

۱-عبداللہ بن حسین (یا علی اصغر) جن کی والدہ کا نام ((رباب)) تھا۔

۲-عون بن عبداللہ بن جعفران کی والدہ ((زینب کبریٰ)) تھیں۔(۱)

۳-قاسم بن حسن مجتبیٰ ان کی والدہ کا نام ((رملہ)) تھا اور وہ بھی کربلا میں موجود تھیں۔

۴-عبداللہ بن حسن مجتبیٰ علیہ السلام' ان کی والدہ ((شلیل بن عبداللہ بجلی)) کی صاحبزادی تھیں' اور وہ خیموں میں موجود تھیں۔

۵-عبداللہ بن مسلم بن عقیل' ان کی والدہ ((رقیہ)) امیر المومنینؑ کی صاحبزادی تھیں اور دیگر خواتین کے ہمراہ کربلا میں موجود تھیں۔

۶-محمد بن ابی سعید بن عقیل' ایک کم سن بچے تھے۔ جب دشمن نے خیموں پر حملہ کیا تو سہم کر خیمے کے ستون سے چمٹ گئے۔ لقیط یا ھانی نامی ایک گھڑ سوار نے ان پر حملہ کیا اور وہ اپنی ماں کی آنکھوں کے سامنے شہید ہوئے۔

۷-عمر ابن جنادہ' ان کی والدہ بھی کربلا میں موجود تھیں اور انہیں دشمن کے خلاف جنگ کی ترغیب دے رہی تھیں۔ انہیں بھی ان کی والدہ کی آنکھوں کے سامنے شہید کیا گیا۔

۸-مرحوم سید ابن طاؤس کے بیان کے مطابق ایک اور شہید ((عبداللہ کلبی)) ہیں جن کی والدہ اور زوجہ ان کے ہمراہ تھیں اور دشمن کے خلاف ان کی ہمت بڑھاتی تھیں اور انہوں نے انہیں شہید ہوتے دیکھا۔

۱-عبداللہ بن جعفر کے ایک اور فرزند بھی عاشور کے دن شہید ہوئے' جن کا نام محمد اور جن کی والدہ کا نام ((خوصاء)) تھا۔

۷۶

آلِ ابی طالب سے فرمایا

«صَبْراً عَلٰی الْمَوْتِ یٰا بَنِی عَمُوْمَتِی صَبْراً یٰا اَھْلَ بَیْتِی وَاللّٰہِ لاٰ رَاَیْتُمْ ھَوٰاناً بَعْدَ ھٰذٰا الْیَوْم» (۱)

ترجمہ اور تشریح

حضرت علی اکبرؑ کی شہادت کے بعد مسلم ابن عقیلؑ کے کم سن فرزند «عبداللہ» جنگ کیلئے گئے۔ عبداللہ کی والدہ کا نام رقیہ تھا جو امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالبؑ کی صاحبزادی تھیں۔ عبداللہ نے یہ شعر پڑھتے ہوئے دشمن پر حملہ کیا:

اَلْیَوْمَ اَلْقٰی مُسْلِماً وَ ھُوَ اَبِی وَ عُصْبَۃً بٰادُوْا عَلٰی دِیْنِ النَّبِی

«آج میں اپنے والد مسلم اور ان دلاوروں سے ملاقات کروں گا جو نبی اکرمؐ کے دین کی راہ میں مارے گئے۔»

عبداللہ نے اسی طرح رجز خوانی کرتے ہوئے تین مرتبہ دشمن پر حملہ کیا اور ہر مرتبہ اسکے کئی افراد ہلاک کیئے۔

لشکرِ کوفہ کے ایک شخص «یزید ابن رقاد» نے عبداللہ کی پیشانی کا نشانہ لے کر ایک تیر مارا۔ عبداللہ نے بچنے کے لئے اپنا ایک ہاتھ پیشانی پر رکھا لیکن تیر ہاتھ کو چھیدتا ہوا پیشانی میں

۱- تاریخ طبری- ج ۷- ص ۳۵۸، مقتل خوارزمی- ج ۲- ص ۲۷، لہوف- ص ۱۰۱۔

لگا اور ان کا ہاتھ وہیں پیوست ہو گیا۔ وہ اسی عالم میں زمین پر گر پڑے۔ دشمن کے کسی شخص نے ان پر حملہ کیا اور شہید کر دیا۔ ((یزید بن رقاد)) وہاں پہنچا اور اپنا تیر ان کی پیشانی سے نکالا لیکن تیر کی نوک پیشانی ہی میں گڑی رہ گئی۔

اس موقع پر چند ہاشمی جوانوں اور آلِ ابو طالب جیسے عبداللہ ابن جعفر کے بیٹوں محمد اور عون اور محمد بن مسلم نے یکجا ہو کر دشمن پر حملہ کیا۔ جب امامؑ نے ان لوگوں کو دشمن پر عقاب کی مانند حملہ کرتے دیکھا تو انہیں مخاطب کر کے فرمایا:

((صَبْراً عَلَی الْمَوْتِ یَا بَنِی عُمُوْمَتِی صَبْراً ..... اے چچازاد بھائیو اور اے میرے خاندان والوں' موت کے لئے اتنی بیتابی مت دکھاؤ' خدا کی قسم آج کے بعد کبھی کسی ذلت کا سامنا نہیں کرو گے۔))

۷۷

قاسم ابن حسنؑ کے سرہانے

"بُعْداً لِقَوْمٍ قَتَلُوکَ وَ خَصْمُهُمْ یَوْمَ الْقِیامَةِ فیکَ جَدُّکَ وَاَبُوکَ عَزَّ واللہ عَلیٰ عَمّکَ اَنْ تَدْعُوهُ فَلاٰ یُجِیبُکَ اَوْ یَجِیبُکَ ثُمَّ لاٰ یَنْفَعُکَ صَوْتٌ واللہ کَثُرَ وٰاتِرُهُ وَقَلَّ نٰاصِرُهُ ..... اَللّٰهُمَّ اَحْصِهِمْ عَدَداً وَلاٰ تُغٰادِرْ مِنْهُمْ اَحَداً وَلاٰ تَغْفِرْ لَهُمْ اَبَداً صَبْراً یٰا اَهْلَ بَیْتِی لاٰ رَأَیْتُمْ هَوٰاناً بَعْدَ هٰذَا الْیَوْمِ اَبَداً" (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

وٰاتَر: وہ جو ناحق مارا گیا ہو اور اس کا قصاص بھی نہیں لیا گیا ہو۔ اَحْصِهِمْ عَدَداً: انہیں ایک ایک کر کے گن لے' کنایہ ہے کہ انہیں اختلاف' پریشانی' کمزوری اور زوال میں مبتلا کر دے۔ غٰادَرَهُ: اسے چھوڑ دیا۔ هَوٰان: ذلت' خواری۔

۱۔ تاریخ طبری۔ ج ۷۔ ص ۳۵۹' تاریخ کامل ابن اثیر۔ ج ۳۔ ص ۲۹۳' طبقات ابن سعد' ارشادِ شیخ مفید۔ ص ۲۳۹' اعلام الوریٰ' مقتل خوارزمی۔ ج ۲۔ ص ۲۷۔

ترجمہ اور تشریح

اہل بیتؑ کے جوانوں میں سے چند کی شہادت کے بعد، امام حسنؑ کے فرزند قاسم ابن حسنؑ جو ابھی بالغ بھی نہیں ہوئے تھے، جنگ کے قصد سے میدانِ شہادت کو روانہ ہوئے۔ وہ اس عالم میں دشمن کی سمت رواں دواں تھے کہ ان کا چہرہ چاند کی طرح چمک رہا تھا، بدن پر (زرہ کی بجائے) عربی لباس تھا، پاؤں میں نعلین تھیں اور ہاتھ میں تلوار لئے ہوئے تھے۔

قاسم ابن حسن جنگ میں مشغول تھے کہ کچھ دیر بعد ((عمرو ابن سعد)) نامی ایک شخص نے ان پر حملہ کیا اور انہیں زمین پر گرا دیا۔ انہوں نے اپنے چچا امام حسینؑ کو مدد کے لئے پکارا۔ امام حسینؑ جو مسلسل قاسم کو جنگ کرتا دیکھ رہے تھے تیزی سے قاسم کی مدد کے لئے آئے اور جب ان کی نظر قاسم کے خون میں نہائے، زخمی جسم پر پڑی تو فرمایا:

> ((بُعداً لِقَوْمٍ قَتَلُوکَ ..... اللہ کی رحمت سے دور رہے وہ قوم جس نے تمہیں قتل کیا۔ قیامت کے دن تمہارے جدِ امجد، اور والد گرامی ان کے مدعی اور مخالف ہوں۔))

پھر فرمایا:

> ((عَزَّ وَاللّٰهِ عَلیٰ عَمِّکَ..... خدا کی قسم تمہارے چچا کے لئے سخت ناگوار ہے کہ تم مدد کے لئے پکارو اور وہ مدد کو نہ پہنچ سکے یا اس وقت پہنچے جب پھر کوئی فائدہ نہ رہے۔ واللہ، آج تمہارے چچا کے دشمن بہت زیادہ ہیں اور اعوان و انصار بہت کم ہیں۔))

((طبری)) لکھتا ہے: امام حسین علیہ السلام قاسم کا جنازہ لے کر خیموں کی طرف آئے اور شہدا کے خیمے میں اپنے فرزند علی اکبرؑ کے جنازے کے ساتھ اسے رکھا اور پھر اہل کوفہ کو ان الفاظ میں بددعا دی:

«اَللّٰهُمَّ اَحْصِهِمْ عَدداً ..... بارِالٰہا! ان میں سے ہر ایک کو اپنے عذاب میں مبتلا کرنا، کسی کو بھی نہ چھوڑنا اور ہرگز ان کی مغفرت نہ فرمانا۔»

۷۸

شیر خوار بچے کی شہادت کے موقع پر

«هَلْ مِنْ ذابٍّ يَذُبُّ عَنْ حَرَمِ رَسُوْلِ اللّٰهِ، هَلْ مِنْ مُوَحِّدٍ يَخافُ اللهَ فينا، هَلْ مِنْ مُغِيثٍ يَرْجُو اللهَ فِي اِغاثَتِنا هَلْ مِنْ مُعِينٍ يَرْجُو ما عِنْدَاللهِ فِي اِعانَتِنا(۱)

رَبِّ اِنْ تَكُ حَبَسْتَ عَنَّا النَّصْرَمِنَ السَّماء فَاجْعل ذٰلِكَ لِما هُو خَيرٌ وانتقمْ لَنا وَاجْعَلْ ما حَلَّ بِنا في العاجل ذخيرة لنا في الآجل (۲) ..... هَونٌ عَلَيَّ ما نَزل بِي انّه بِعَيْنِ اللهِ.» (۳)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

ذَبَّ: دفاع کرنا. مُغِيث: مدد کرنے والا۔ عاجِل: دنیا۔ آجِل: آخرت۔ هَوْنٌ: سہل و آسان۔ بِعَيْنِ اللّٰهِ: اللہ کی آنکھ، اللہ تعالیٰ کی خاص توجہ اور التفات کے لئے کنایہ ہے۔

۱۔مقتل خوارزمی۔ج۲۔ص۳۲۔

۲۔تاریخ طبری۔ج۷۔ص۳۶۰، طبقات ابن سعد، ارشادِ مفید۔

۳۔لہوف۔ص۱۰۳۔

ترجمہ اور تشریح

((طبری)) نے ((عقبۃ ابن بشیر اسدی)) سے نقل کیا ہے کہ ایک دن میں امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ امامؑ نے گفتگو کے دوران مجھ سے فرمایا: اے عقبہ، ہم خاندانِ اہل بیت کا ایک خون تمہارے قبیلے بنی اسد کی گردن پر ہے۔ پھر امامؑ نے اس کی تفصیل میں فرمایا: عاشور کے دن میرے جد حسین ابن علیؑ کے ایک شیر خوار بچے کو ان کی گود میں دیا گیا۔ اس موقع پر جبکہ بچہ ان کی آغوش میں تھا، تمہارے قبیلے (بنی اسد) کے ایک شخص نے تیر مار کے اس بچے کا گلا چھید ڈالا۔ حسین ابن علیؑ نے بچے کا خون اپنے چُلّو میں لے کر فضا میں اچھال دیا اور اسکے بعد اللہ کے حضور عرض کیا:

((رَبِّ اِنْ تَکُ حَبَسْتَ عَنَّا النَّصْرَ..... اے پروردگار، اگر اِس دنیا میں ہم سے کامیابی روک لی گئی ہے تو اُس (آخرت کی) دنیا میں اس کامیابی سے بڑھ کر ہمیں عنایت فرما اور ان خونخوار لوگوں سے ہمارا انتقام لے۔))

((خوارزمی)) نے اپنے مقتل میں بغیر کسی سند کے یہی واقعہ زیادہ تفصیل سے اس طرح بیان کیا ہے: حسین ابن علیؑ کے تمام اصحاب وانصار کے مارے جانے کے بعد جب ان کے خیموں میں عورتوں، بچوں اور سیدِ سجادؑ کے علاوہ کوئی باقی نہ رہا تو امامؑ نے استغاثہ بلند کیا:

((هَلْ مِنْ ذَابٍّ يَذُبُّ عَنْ حَرَمِ رَسُوْلِ اللّٰهِ..... کیا کوئی ہے جو حرم پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا دفاع کرے؟ کیا کوئی توحید پرست ہے جو ہمارے معاملے میں خدا سے ڈرے؟ کیا کوئی مدد کرنے والا ہے جو رضائے الٰہی کے لئے ہماری مدد کو آئے؟ کیا کوئی ناصر و مددگار ہے جو خدا سے جزا و ثواب کی امید پر ہماری مدد و نصرت کرے؟))

((خوارزمی)) کہتے ہیں: امام علیہ السلام کی ندائے استغاثہ سن کر خیموں سے عورتوں اور

بچوں کی گریہ وزاری کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔امامؑ پلٹ کر خیموں کی طرف تشریف لائے اور فرمایا: میرے بیٹے علی کو لاؤ تا کہ اس سے بھی وداع ہولوں۔وہ بچہ ابھی امامؑ کی گود ہی میں تھا کہ ((حرملہ)) نے تیر مار کر اسے شہید کر دیا۔امامؑ نے اس کا خون اپنے ہاتھ میں لیا اور آسمان کی طرف اچھال کر فرمایا:.....

((لہوف)) میں تحریر ہے کہ: امام علیہ السلام نے اپنے بیٹے کا خون آسمان کی طرف پھینکنے کے بعد یہ بھی فرمایا:

((هَوَّنٌ عَلَيَّ مَا نَزَلَ بِي اَنَّهُ بِعَيْنِ اللّٰهِ))

((یہ مصیبت بھی میرے لئے آسان ہے کیونکہ خدا اسے دیکھ رہا ہے۔))

حضرت علی اصغرؑ کے علاوہ چار اور نابالغ بچے امام علیہ السلام کے ہمراہ کربلا میں شہید ہوئے، جن کی شہادت کے بارے میں علیحدہ سے یا ضمنی طور پر اسی کتاب میں تذکرہ ہوا ہے:

۱-قاسم بن حسن مجتبیٰؑ: جن کی شہادت کی تفصیلات گزشتہ صفحات میں بیان ہوئیں۔

۲-عبداللہ بن حسن مجتبیٰؑ: جن کی شہادت کا احوال آئندہ صفحات میں بیان ہوگا۔

۳-محمد ابن ابی سعید: جن کی شہادت کا احوال، حضرت علی اکبرؑ کی شہادت کے ضمن میں بیان ہو چکا ہے۔

۴-عمر ابن جنادہ: جن کی شہادت اور ان کے بارے میں امام علیہ السلام کے الفاظ گزشتہ صفحات میں علیحدہ سے بیان ہو چکے ہیں۔

۷۹

حضرت ابوالفضل العباسؑ کی شہادت

"..... اَنتَ صاحِبُ لِوائی(۱)

تَعَدَّیتُم یا شَرَّ قَومٍ بِبَغیِکُم	وَخالَفتُموا فینَا النَّبِیَّ مُحَمَّداً
اَما کانَ خَیرُ الْخَلقِ أوصاکُم بِنا	اَما کانَ جَدّی خِیرَةُ اللهِ اَحمَدا
اَما کانَتِ الزَّهراءُ امّی وَوالِدی	عَلِیٌّ اَخا خَیرِ الأنامِ مُسَدَّداً
لُعِنتُم وَاُخزِیتُم بِما قَدْ جَنَیتُم	سَتُصلَونَ ناراً حَرُّها قَدْ تَوَقَّدا(۲)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

مُسَدَّد: ہدایت یافتہ ہونا' آگاہ' بابصیرت۔ صَلٰی: کھینچا جانا۔ تَوَقُّد: بھڑک جانا۔

ترجمہ اور تشریح

عاشور کے دن' حضرت ابوالفضل العباسؑ بار بار امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوکر جنگ کی اجازت طلب کرتے۔ لیکن ان کی شجاعت و دلاوری کے پیش نظر اور اس بنا پر کہ آپؑ لشکر حق کے علمدار تھے امامؑ انہیں میدان میں جانے کی اجازت نہیں دیتے تھے اور ہر مرتبہ انہیں روکتے اور ان سے فرماتے تھے: اَنتَ صاحِبُ لِوائِي (آپ میرے پرچم

۱۔عوالم۔ص۹۴۔ ۲۔مناقب۔ج۴۔ص۱۰۸' ینابیع المودہ۔ص۳۴۰۔

دار ہیں)اور آپ کی شہادت لشکرِ حق کی ہزیمت وشکست اور لشکرِ شیطان کی کامیابی تصور کی جائے گی۔

جب حسین ابن علیؑ کے تمام اصحاب شہید ہو گئے اور ایک بار پھر حضرت ابو الفضل العباسؑ اذن طلب کرنے کے لئے تشریف لائے تو امامؑ نے انہیں اجازت دے دی۔

حضرت ابوالفضل العباسؑ نے جنگ کرتے ہوئے مختلف موقعوں پر کچھ اشعار پڑھے، جو ان کے ایمان، عقیدے اور اعلیٰ مقاصد کے ترجمان ہیں۔ ان اشعار میں سے کچھ آپؑ نے اس وقت پڑھے جب دشمن کے روبرو مقابلے کے لئے کھڑے تھے، بعض اشعار اس وقت کے ہیں جب شدید جنگ کے بعد اور پیاس کے عالم میں آپؑ پانی تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے تھے اور کچھ اس وقت کے ہیں جب دشمن نے آپؑ کا سیدھا ہاتھ قلم کیا۔

((ابصار العین)) میں تحریر ہے: عباس ابن علیؑ نے جب دیکھا کہ بار بار اجازت طلب کرنے کے باوجود، ان کے بھائی اجازت نہیں دے رہے تو فرمایا: لَقَدْ ضَاقَ صَدْرِی وَ سَئِمْتُ الْحَیٰوۃَ (اب میرا دل تنگ ہو چکا ہے اور میں زندگی سے اکتا گیا ہوں۔)

امام حسینؑ نے فرمایا: اب جبکہ آپؑ نے جانے کا ارادہ کرلیا ہے، تو کوشش کر کے کچھ پانی کی سبیل کیجئے۔ عباسؑ میدانِ جنگ میں گئے اور دشمن کی صفوں کو تہس نہس کرنے کے بعد فرات میں داخل ہوئے۔ جب مشک بھرلی تو چاہا کہ پانی پی لیں۔ چلّو میں پانی لیا، اپنے خشک ہونٹوں تک لائے لیکن پھر فوراً ہی پانی پھینک دیا اور اپنے آپ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

یَا نَفْسُ مِنْ بَعْدَ الْحُسَیْنِ هُوْنِي　　　وَبعده لا كنت ان تكوني

هٰذَا الْحُسَیْنُ وَارِدُ الْمَنُوْنِ　　　وَتشر بين بارد المعين

تا الله ما هذا فعالُ ديني(۱)

۱-ابصار العین-ص۳۰۔

«اے نفس، اگر حسین نہ ہوں تو ذلت اور تباہی تیرا مقدر ہے اور میں نہیں چاہتا کہ ان کے بعد زندہ رہوں۔ حسین تو میدانِ جنگ میں ہیں اور تو ٹھنڈا پانی پینا چاہتا ہے۔ خدا کی قسم میرا دین اس بات کی اجازت نہیں رہتا۔»

پھر جب مشک بھر کر خیمے کی سمت واپس تشریف لانے لگے اور اپنے مقابلے میں دشمن کے جمع غفیر کو دیکھا تو یہ رجز پڑھا:

لاَ اَرْهَبُ الْمَوْتَ اِذِ الْمَوْتُ زَقَا حتی اُواری فی المصالیت لَقی

نَفْسِی لِسِبْطِ الْمُصْطَفی الطُّهْرِ وَقیٰ اِنِّی اَنا العباس اغدو بالسَّقا

ولا اخاف الشر یوم المُلتقی

«موت کی چنگھاڑ سننے کے باوجود میں موت سے نہیں ڈرتا، یہاں تک کہ میرا جسم میدانِ جنگ میں تلواروں کے درمیان چھپ جائے۔ میری جان مصطفیؐ کے پاکیزہ بیٹے پر قربان ہو، میں عباس ہوں اور یہ مشک خیمے تک لے کر جاؤں گا۔ اور دورانِ جنگ مجھے کوئی خوف طاری نہیں ہوتا۔»

اس موقع پر جبکہ ابوالفضل العباسؑ کی انتہائی آرزو یہ تھی کہ پانی کسی بھی طرح خیمہ گاہ تک پہنچا دیں، دشمن کے «زید بن رقاد» نامی ایک شخص نے، جو کھجور کے ایک درخت کی آڑ لئے بیٹھا تھا، اچانک ایک بزدلانہ حملہ کر کے آپؑ کا دایاں بازو قلم کر دیا۔ حیدرِ کرارؑ کے بیٹے نے اپنا سیدھا ہاتھ کٹ جانے کے باوجود اپنے اہداف و مقاصد کو دو ولولہ انگیز اشعار میں یوں بیان کیا:

وَاللّٰهِ اِنْ قَطَعْتُمْ يَمِيْنِي اِنِّی اُحَامِی اَبَداً عَنْ دِيْنِي

وَ عَنْ اِمَامٍ صَادِقِ الْيَقِيْنِ نَجْلِ النَّبِيِّ الطَّاهِرِ الْاَمِيْنِ

«خدا کی قسم اگرچہ تم نے میرا دایاں بازو قلم کر دیا ہے لیکن میں ہمیشہ اپنے دین کا دفاع کرتا رہوں گا۔ اور اپنے امام کا دفاع کروں گا جو اپنے ایمان میں سچے ہیں اور پاک و پاکیزہ اور صادق و امین نبیؐ کے فرزند ہیں۔»

آپؑ اپنے بازو کے کٹنے کی پروا کیے بغیر خیموں کی جانب بڑھتے رہے۔اسی اثنا میں ((حکیم بن طفیل)) نامی ایک اور دشمن نے زید بن رقاد ہی کی طرح پستی اور بزدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی کمین گاہ سے نکل کر حملہ کیا' جس سے حضرت عباسؑ کا بایاں بازو بھی جدا ہو گیا۔اسی دوران دشمن کی طرف سے آپؑ پر تیروں کی بارش بھی ہو رہی تھی۔انہی میں سے ایک تیر مشک پر اور ایک اور تیر حضرت عباسؑ کے سینے پر لگا' جس کے نتیجے میں ان کے لئے آگے بڑھنا محال ہو گیا۔اس حالت میں دشمن کے ایک شخص نے موقع پا کر نزدیک سے فولادی گرز حضرت عباسؑ کے سر پر مارا جس سے آپؑ کا سر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور آپؑ نے زمین پر گرتے ہوئے صدا دی: عَلَیْکَ مِنِّی السَّلاٰمُ یٰا اَبٰا عَبْدِاللهِ (۱)۔اپنے بھائی کی آواز سن کر امام عالی مقام ان کے سرہانے تشریف لائے اور وہیں ان کے غم میں اہل کوفہ کو مخاطب کرتے ہوئے یہ چار اشعار پڑھے:

تَعَدَّیْتُمْ یٰا شَرَّ قَوْمٍ بِبَغْیِکُم — وَخٰالَفْتُمُوا فِینَا النَّبِیَّ مُحَمَّداً

اَمٰا کٰانَ خَیْرُ الْخَلْقِ أوْصٰاکُمْ بِنٰا — اَمٰا کٰانَ جَدّی خِیَرَۃُ اللهِ اَحْمَدا

اَمٰا کٰانَتِ الزَّهْرٰاءُ اُمّی وَوٰالِدی — عَلِیٌّ اَخٰا خَیْرِ الأنٰامِ مُسَدَّداً

لُعِنْتُمْ وَاُخْزِیتُمْ بِمٰا قَدْ جَنَیْتُمْ — سَتُصْلَوْنَ نٰاراً حَرُّهٰا قَدْ تَوَقَّدٰا

۱-مرحوم مقرم نے اپنے مقتل کے صفحہ ۳۲۶ پر تحریر کیا ہے کہ میں نے ایک فاضل عالم ((شیخ کاظم سبتی)) سے سنا کہ انہوں نے فرمایا: ایک دن معتبر علما میں سے ایک عالم میرے پاس تشریف لائے اور مجھ سے کہا کہ میں حضرت عباسؑ کی طرف سے آپ کے لئے ایک پیغام لایا ہوں۔میں نے حضرت عباسؑ کو خواب میں دیکھا اور محسوس کیا کہ شاید وہ آپ سے ناراض ہیں۔انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ کیوں شیخ کاظم میرے مصائب کا ذکر نہیں کرتے؟ میں نے عرض کیا: میرے مولا! میں نے کئی مرتبہ آپؑ کے مصائب ان کی زبان سے سنے ہیں۔فرمایا: یوں نہیں' ان سے کہو کہ میرے یہ مصائب پڑھیں کہ جب کوئی شخص گھوڑے سے زمین پر گرتا ہے تو اپنے ہاتھوں سے اپنے جسم کی حفاظت کی کوشش کرتا ہے لیکن ایک ایسا شخص جس کے سینے میں تیر لگے ہوں اور جس کے ہاتھ بھی کٹے ہوئے ہوں وہ کس طرح اپنے جسم کی حفاظت کر سکتا ہے۔

((اے بدترین لوگو! تم نے ظلم وستم کی حد کر دی اور ہم اہل بیت کے بارے میں محمد رسول اللہؐ کے احکام کی مخالفت کی۔ کیا نبی اکرمؐ نے، جو اللہ تعالیٰ کی بہترین مخلوق ہیں، تمہیں ہمارے بارے میں ہدایت نہیں دی تھی؟ کیا میرے نانا کو اللہ نے رسالت کے لئے منتخب نہیں کیا تھا؟ کیا سیدہ زہرا میری والدہ ماجدہ نہیں تھیں؟ اور خیر الانام رسول اللہؐ کے بھائی علیؑ میرے والد نہیں تھے؟ اس ظلم وستم کی وجہ سے، جس کے تم مرتکب ہوئے ہو، تمہیں لعنت اور ذلت کا سامنا کرنا ہوگا اور جلد ہی ایسی آگ کی طرف لے جائے جاؤ گے جس کی حدت بہت شدید ہے۔))

بعض مقاتل جیسے ((مقتلِ طریحی)) میں حضرت عباسؑ کی شہادت کے موقع پر امام حسینؑ کے متعدد جملات وکلمات اور خود حضرت عباسؑ کے بکثرت اشعار نقل ہوئے ہیں لیکن کیونکہ ہم نے انہیں معتبر کتابوں میں نہیں دیکھا، لہٰذا انہیں بیان کرنے سے گریز کیا ہے۔

لیکن یہاں نقل ہونے والے یہی چند اشعار اور مختصر نمونے حضرت عباسؑ کے افکار، اہداف ومقاصد، ان کے ایمان، عقیدے اور معنوی اور روحانی مقام کو بیان کرنے کے لئے کافی ہیں۔ عباس ابن علیؑ شدید پیاس کے باوجود پانی چلّو میں اٹھا کر پھینک دیتے ہیں اور کہتے ہیں: تـاللّٰهِ مٰا هٰذٰا فِعٰالُ دِيْنِي...... (خدا کی قسم میرا دین اس طرزِ عمل کی اجازت نہیں دیتا)۔ اور گھمسان کی جنگ کے دوران دشمن کی تلواروں اور نیزوں کی بوچھاڑ کے مقابل فرماتے ہیں: نَفْسِي لِسِبْطِ الْمُصْطَفىٰ الطُّهْرِ وَقیٰ (میری جان، فرزند رسولؐ پر فدا ہو۔)

جب اپنے کٹے ہوئے بازو کو دیکھتے ہیں تو فرماتے ہیں: اِنِّـي اُحَـامِـي اَبَـداً عَـنْ دِيْنِي (میں ہمیشہ اپنے دین کا دفاع کرتا رہوں گا اگرچہ میرا بازو تن سے جدا ہو چکا ہے۔)

اسی طرح امام حسینؑ اپنے اس باوفا اور محبوب بھائی کے ٹکڑے ٹکڑے اور خون میں نہائے ہوئے بدن کے نزدیک بیٹھ کر دشمن کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

لُعِنْتُمْ وَ اُخْزِیْتُمْ بِمٰا قَدْ جَنَیْتُمْ　　سَتُصْلَوْنَ نٰاراً حَرُّ ھٰا قَدْ تَوَقَّدٰا

«اس ظلم وستم کی وجہ سے تمہیں لعنت اور ذلت کا سامنا کرنا ہوگا اور جلد ہی ایسی آگ کی طرف لے جائے جاؤ گے جس کی حرارت بہت زیادہ ہے۔»

حضرت ابوالفضل العباسؑ معصومینؑ کی نظر میں

حضرت عباسؑ کے متعلق حسین ابن علیؑ کے فرمودات کے بیان اور ان کی تشریح کے بعد، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عباسؑ کی شخصیت کے بارے میں معصومینؑ اور ائمہ اطہارؑ کے خیالات قارئین کی نذر کریں۔ تاکہ حضرت عباسؑ کی شخصیت سے مزید واقفیت حاصل ہونے کے ساتھ ساتھ اس بات کا اندازہ بھی ہو جائے کہ ان کی شجاعت اور بہادری عام پہلوانوں اور شہ زوروں کی سی نہ تھی بلکہ ان کی شجاعت معنوی پہلو کی حامل تھی اور ان کی روحانی شخصیت اس کا سبب تھی۔

بچپنے میں حضرت عباسؑ کی بلند معرفت

والدین کی تربیت اور گھر کا ماحول کسی بھی انسان کی شخصیت کی تشکیل میں انتہائی اہم کردار ادا کرتا ہے۔ حضرت عباسؑ کی شخصیت بھی اس عمومی قانون سے مستثنا نہیں۔ آپؑ ام البنین جیسی ماں کی گود میں پروان چڑھنے، امیر المومنینؑ جیسے باپ سے اخلاقی اصول اور معنوی صفات اخذ کرنے اور حسنؑ و حسینؑ جیسے بھائیوں اور زینبؑ و ام کلثومؑ جیسی بہنوں کے ساتھ بچپن گزارنے کے نتیجے میں نہ صرف ابوالفضل (فضیلت والے) بلکہ یقیناً ابوالفضائل (بہت سی فضیلتوں والے) ہی بنتے۔ لیکن حضرت عباسؑ کے بچپنے کا جائزہ اور ان کے بارے میں ائمہؑ اطہارؑ کی تعریف و تمجید سے بخوبی واضح ہے کہ ان کی اخلاقی صفات اور کمالات، علمی مقام اور تقویٰ، عبادت اور عرفان اور فداکاری اور جاں نثاری فقط اکتسابی نہ تھیں، جو تربیت کا ماحول وجود

میں لاسکتا ہے بلکہ ان میں سے کئی صفات ایسی تھیں جو ان کی ذاتی صفات اور سرشت کا حصہ تھیں جنہیں انہوں نے اپنے والد گرامی سے وراثت میں پایا تھا۔

اس بات کی وضاحت کے لئے ہم وہ روایت بیان کریں گے جو ((مستدرک الوسائل)) اور ((مقتل خوارزمی)) میں درج ہے۔ ان دونوں کتب میں نقل ہوا ہے کہ: بچپنے میں ایک دن حضرت عباسؑ اپنے والد گرامی امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ امامؑ نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے چاہا کہ بچوں کی سی زبان میں ان سے بات کریں۔ لہٰذا کہا: بیٹا! کہو'ایک۔ حضرت ابوالفضلؑ نے کہا: ایک۔ حضرتؑ نے فرمایا: کہو' دو۔ حضرت عباسؑ نے عرض کیا: پدرِ گرامی! جس زبان سے میں نے ایک کہا ہے' اسی سے دو کہتے ہوئے مجھے شرم محسوس ہوتی ہے۔ امیر المومنینؑ نے جب اپنے ننھے اور عزیز فرزند سے یہ سنا تو خوشی سے انہیں سینے سے لگالیا اور ان کے بوسے لینے لگے۔(۱)

فکر کی یہ وسعت کہ چونکہ وحدانیت صرف زمین و آسمان کے خالق اللہ رب العزت کے لئے مخصوص ہے لہٰذا امامت و ولایت کے تربیت یافتہ عباسؑ کی زبان سے ایسا کوئی کلمہ جاری نہ ہو جس سے خداوند متعال منزّہ و مبرّہ ہے۔ جی ہاں' بچپن ہی سے فکر کی یہ بلند پروازی جس تک رسائی ان کے ہم عمر بچوں کے لئے تو ناممکن ہے ہی' اکثر سن رسیدہ لوگ بھی اس

۱-مستدرک الوسائل - ج ۲ - ص ۶۳۵ اور ج ۳ - ص ۸۱۵' مقتل خوارزمی - ج ۱-ص ۱۲۲۔ مستدرک کی روایت کا مضمون یہ ہے: لما کان العباس و زینب ولدی علی (علیه السلام) صغیرین قال علی (علیه السلام) للعبّاس : قل واحد ' فقال :واحد' فقال: قل اثنان ' قال : استحیی ان اقول باللسان الّذی قلت واحد' اثنین' فقبّل علی (علیه السلام) عینیه ثم التفت الی زینب و کانت علی یساره و العباس عن یمینه فقالت یا ابتاه اتحبّنا قال : نعم یا بنّی اولادُنا اکبادنا. فقالت یا ابتاه حبّان لا یجتمعان فی قلب المومن حبّ الله و حب الاولاد و اِن کان لا بدّ فالشفقة لنا و الحب لله خالصاً فازداد علی (علیه السلام) بهما حُبّاً .....

درجے تک نہیں پہنچ پاتے' اس بات کی واضح دلیل ہے کہ حضرت عباسؑ کی یہ معنویت اوران کا یہ عرفان ومعرفت محض اکتسابی اور تحصیلی نہیں بلکہ جبلی اور ذاتی ہے جوموروثی طور پران کے والد کے ذریعے ان میں منتقل ہوا ہے۔ وہ والد جنہوں نے کہا تھا کہ: لَوْ کُشِفَ الْغِطَا مَا ازْدَدْتُ یَقِیْناً (اگر پردے اٹھا دیئے جائیں تب بھی میرے یقین میں کوئی اضافہ نہ ہوگا۔)

اس تمہیدی گفتگو کے بعد ہم حضرت عباسؑ کے بارے میں صرف تین معصومینؑ کے بیانات یہاں ذکر کر رہے ہیں۔

۱-امام جعفر صادق علیہ السلام کا بیان:

امام جعفر صادق علیہ السلام' حضرت ابوالفضل العباسؑ کے بارے میں فرماتے ہیں:

«کان عمنا العباس ابن علی (علیهما السلام) نافذ البصیرة صلب الایمان جاهد مع اخیه الحسین (علیه السلام) و ابلی بلاء حسناً و مضیٰ شهیداً.» (۱)

«ہمارے چچا عباسؑ' بابصیرت اور مضبوط اور پختہ ایمان کے مالک تھے' انہوں نے اپنے بھائی حسینؑ کے ساتھ رہ کر جہاد کیا اور آزمائش میں بہترین طریقے سے پورے اترے اور شہادت کے ذریعے عالم آخرت میں منتقل ہوئے۔»

اسی طرح امام جعفر صادق علیہ السلام نے ابوحمزہ ثمالی (۲) کو جس زیارت کی تعلیم دی اس میں استعمال ہونے والے اعلیٰ و بلند مفاہیم پر مشتمل خوبصورت و دلنشین جملے حضرت عباسؑ کے کامل اخلاص' ان کی روحانی عظمت اور انبیا و اولیا کے اہداف و مقاصد کی راہ میں ان کی جانثاری کے ترجمان ہیں۔ نمونے کے طور پر چند جملے ملاحظہ فرمائیں:

۱- تنقیح المقال۔

۲- «ابوحمزہ ثمالی» تاریخ اسلام کی ایک انتہائی اہم شخصیت ہیں۔ وہ امام زین العابدینؑ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

«وَ اَشھَدُوْا اَنَّکَ قَدْ بَالَغتَ فِی النَّصِیحَۃِ وَاَعْطَیتَ غَایَۃَ المَجْھُود .... اَشْھَدُ انَّکَ لَمْ تَھِنْ وَلَم تَنکل وَانَّکَ مضیتَ علی بصیرۃٍ مِنْ اَمْرِک مُقْتَدِیاً بالصالحین و متبعاً للنبیّین.»(۱)

«میں گواہی دیتا ہوں کہ وعظ و نصیحت کے لئے آپ اپنی انتہائی کوششیں بروئے کار لائے..... میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ کبھی کسی قسم کی بزدلی، سستی اور خوف کا شکار نہیں ہوئے اور آپ نے مکمل بصیرت اور آگہی کے ساتھ صالحین اور انبیا کی پیروی میں شہادت کا راستہ اختیار کیا۔»

۲- امام زین العابدین علیہ السلام کا بیان:

«عن الثمالی قال نظر علی ابن الحسین سید العابدین الیٰ عبید اللّٰہ ابن العباس ابن علی ابن ابی طالب فاستعبر ثم قال ما من یوم اشد علی رسول اللّٰہ من یوم اُحد قتل فیه عمه حمزہ بن عبد المطلب اسد اللّٰہ و اسد رسوله و بعدہ یوم موته قتل فیه ابن عمه جعفر بن ابی طالب . ثم قال و لا کیوم الحسین اذُ دلف اللّٰہ ثلاثون الف رجل یزعمون انّھم من ھذہ الامة کل یتقرب الیٰ اللّٰہ عز و جل بدمه و ھو باللّٰہ یذکرھم فلا یتعظون حتی قتلوہ بغیاً و ظلماً و عدواناً .

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ) امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ کے اصحاب میں سے ہیں اور ان کے بارے میں امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ ابوحمزہ اپنے زمانے میں اسی طرح تھے جیسے اپنے دور میں سلمان فارسی تھے۔

۱- کامل الزیارات از ابن قولویہ (وفات ۳۶۷ھ) تصحیح و حاشیہ از مرحوم علامہ امینیؒ- ص ۲۵۷۔

ثم قال رحم اللّٰہ العباس فلقد آثروا بلی و فدا اخاہ بنفسه حتی قطعت یداہ فابدله اللّٰہ عز و جل بھما جناحین یطیر بھما مع الملائکة فی الجنة کما جعل لجعفر ابن ابی طالب و ان للعباس عند اللّٰہ تبارک و تعالیٰ منزلة یغبطه بھا جمیع الشھداء یوم القیامة. (۱)

((ابوحمزہ ثمالی فرماتے ہیں: ایک دن علی ابن الحسینؑ کی نگاہ حضرت عباسؑ کے بیٹے عبید اللہ ابن عباس پر پڑی تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور فرمایا: جنگِ احد اور جنگِ موتہ کے دن نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی حیات کے انتہائی سخت ایام میں شمار کیے جاتے ہیں۔ کیونکہ جنگِ احد میں ان کے چچا حمزہ اور جنگِ موتہ میں ان کے چچا زاد بھائی جعفر طیار شہید ہوئے۔ لیکن عاشور کا دن ان دنوں سے بھی زیادہ سخت تھا۔ کیونکہ اس دن تیس ہزار دشمنوں نے حسین ابن علیؑ کو اپنے محاصرے میں لیا ہوا تھا اور یہ سب کے سب اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے ہوئے فرزندِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا خون بہا کر اللہ کی بارگاہ میں تقرب حاصل کرنا چاہتے تھے۔ حسین ابن علیؑ نے انہیں جتنی بھی نصیحتیں کیں، سب بے سود رہیں، یہاں تک کہ ظلم وستم کرتے ہوئے ان لوگوں نے انہیں شہید کر دیا۔

پھر (امام سجادؑ نے) فرمایا: خدا میرے چچا عباس پر رحمت کرے کہ اس دن سخت ترین امتحان میں سرخرو ہوئے۔ ایسا ایثار کیا کہ اپنی جان اپنے بھائی پر قربان کردی، یہاں تک کہ ان کے دونوں بازو قلم ہو گئے۔ خداوند تعالیٰ نے

۱۔ تنقیح المقال، سفینۃ البحار، خصال صدوق۔ باب الاثنین۔

ان دو بازوؤں کی جگہ انہیں دو پر عنایت کئے ہیں جن کے ذریعے وہ جعفر طیار کی طرح فرشتوں کے ہمراہ بہشتِ بریں میں پرواز کرتے ہیں۔

(امام سجاد نے مزید فرمایا:) اللہ تعالیٰ کے نزدیک حضرت عباس کا مقام اتنا اعلیٰ وارفع ہے کہ قیامت کے دن تمام شہدا ان کے اس مقام پر رشک کریں گے اور اسکے حصول کے آرزومند ہوں گے۔»

۳- امام حسین ابن علیؑ کا بیان:

اگر ان الفاظ پر توجہ مرکوز کریں جو امام حسین علیہ السلام نے حضرت عباسؑ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمائے ہیں اور اس جملے پر غور کریں جو انہوں نے حضرت عباسؑ کے لئے استعمال کیا ہے تو حضرت عباسؑ کی عظمت اور ان کی بلند مرتبہ شخصیت مزید واضح ہو کر سامنے آتی ہے۔

محرم کی نو تاریخ کو جب لشکرِ کوفہ نے امام علیہ السلام کے خیموں کی طرف بڑھنا شروع کیا (۱) تو امامؑ نے اپنے بھائی کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

«اِرْکَب بِنَفْسِی اَنْتَ یا اَخِی حَتّٰی تَلْقاھُمْ وَ تَسْئَلُھُمْ عَمّا جائَھُمْ.»

«میری جان آپ پر قربان ہو، اے بھائی! سوار ہو کر جایئے اور ان سے ملاقات کر کے پوچھئے کہ وہ اس طرف کیوں بڑھ رہے ہیں؟»

اس جملے کے مفہوم پر غور وفکر کرتے ہوئے انسان حیرت اور تعجب میں ڈوب جاتا ہے اور فکرِ انسانی اس بات کو سمجھنے سے قاصر ہے کہ حضرت عباسؑ کو وہ کونسا مقام اور مرتبہ حاصل ہے کہ امامِ معصوم اور علتِ کائنات خود کو ان پر فدا کر رہا ہے؟ اور وہ کیا معنویت اور منزلت ہے کہ بشریت کے اعلیٰ ترین درجے پر فائز شخصیت اور وہ ہستی جس کے لئے ہم کہتے ہیں کہ بِکُم

۱- اسی کتاب کے صفحہ ۲۲۶ پر رجوع کیجئے۔

فَتَحَ اللّٰهُ وَ بِكُمْ يَخْتِمُ (۱) وہ حضرت عباس کیلئے اپنی جان فدا کرنے کو کہہ کر انہیں یہ سندِ افتخار عطا کر رہی ہے۔(۲)

بہتر یہی ہے کہ ہم اس کے درک و شعور اور اس کی تاویل کو خود انہی کے لئے اٹھا چھوڑیں کیونکہ انہوں نے خود فرمایا ہے کہ: اِنَّ كَلاٰمُنٰا صَعْبٌ مُسْتَصْعَب (ہمارا کلام مشکل ہے اور اسے سمجھانا مزید مشکل۔)

بحث کو مکمل کرنے کی غرض سے یہاں یہ ذکر کر دینا مناسب دکھائی دیتا ہے کہ عاشور کے دن امام حسینؑ اور حضرت ابو الفضل العباسؑ کے علاوہ امیر المومنین علی علیہ السلام کے چار اور فرزند بھی درجۂ شہادت پر فائز ہوئے تھے۔ اس طرح یوں مجموعی طور پر حضرت امیرؑ کے کل چھ بیٹے اس دن شہید ہوئے۔ امام حسینؑ اور حضرت عباسؑ کے علاوہ اس روز شہید ہونے والے امیر المومنینؑ کے مزید چار فرزند درج ذیل ہیں۔

۱-عبد اللہ ابن علیؑ: شہادت کے وقت ان کی عمر ۲۵ سال تھی اور یہ حضرت عباسؑ سے تقریباً ۹ سال چھوٹے تھے۔

۲-عثمان ابن علیؑ: شہادت کے وقت ان کی عمر ۲۳ سال تھی۔

۳-جعفر ابن علیؑ: ان کی عمر ۲۱ سال تھی۔ ان تین شہدا اور حضرت عباسؑ کی والدہ کا نام فاطمہ ام البنین تھا۔

۱-زیارتِ جامعہ کے فقرات۔

۲-ممکن ہے کہ قارئینِ محترم یہ خیال کریں کہ ائمۂ اطہارؑ کی جانب سے منقول زیارت میں تمام شہدا کے لئے بـابـی انـت و امـی کا جملہ استعمال ہوا ہے' لہٰذا یہاں حضرت عباسؑ کو امام حسینؑ کا اس طرح مخاطب کرنا غیر معمولی بات نہیں۔ لیکن یہ بات ذہن نشین رکھنے کی ضرورت ہے کہ اس زیارت میں خود امامؑ نے شہدا کو مخاطب نہیں کیا ہے بلکہ امام صادق علیہ السلام نے یہ زیارت اپنے ایک صحابی صفوان کو سکھائی تھی کہ وہ شہدا کی زیارت اس طرح کریں۔ اس زیارت کی تفصیلات ((شیخ طوسی)) کی ((مصباح المتهجد)) صفحہ ۶۶۰ پر آئی ہیں۔

۴-محمد ابن علیؑ : ان کی والدہ کا نام ((لیلیٰ)) تھا اور وہ ((مسعود ابن خالد)) کی صاحبزادی تھیں۔ شہادت کے وقت محمد کی عمر کتنی تھی؟ اس بارے میں ٹھیک ٹھیک معلوم نہیں ہے۔

تاریخ کی کتابوں کے علاوہ ((زیارتِ ناحیہ)) میں ان چاروں شہدا کا ذکر انتہائی عزت و احترام کے ساتھ کیا گیا ہے۔ نیز ہر ایک کے قاتل کا نام لے کر اسے لعن کی گئی ہے۔

۸۰

عبداللہ بن حسنؑ کی شہادت کے موقع پر

«یا ابنَ اَخی اِصبِرْ علیٰ ما نَزَلَ بِکَ فَاِنَّ اللہ یُلحِقُکَ علیٰ آبائِکَ الطّاھِرینَ الصّالِحینَ بِرَسُولِ اللہ وَعَلیٍّ وَحَمْزَۃَ وَجَعفَرٍ وَالْحَسَنِ.....

اَللّٰھُمَّ اَمسِکْ عَنْھُمْ قَطرَ السَّماءِ وَامْنَعْھُمْ بَرَکاتِ الأرْضِ فَاِنْ مَتَّعْتَھُمْ اِلیٰ حینٍ فَفَرِّقْھُمْ فِرَقاً وَاجْعَلْھُمْ طَرائِقَ قِدَداً وَلا تُرْضِ عَنْھُمُ الْوُلاۃَ اَبَداً فَاِنّھم دَعَوْنا لِیَنْصُرُونا فَعَدَوْا عَلَیْنا فَقَتَلُونا.» (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

قِطَر: (ترُف کے وزن پر) قطرے کی جمع۔ طَرائِقَ قِدَداً: ایک دوسرے سے شدید اختلاف رکھنے والے گروہ۔ عَدیٰ، عَدْواً: تیزی سے چلنا، حد سے تجاوز کرنا۔

ترجمہ اور تشریح

«کامل ابن اثیر» اور «ارشادِ شیخ مفید» میں تحریر ہے کہ: جب امام حسینؑ میدانِ جنگ

۱- تاریخ کامل ابن اثیر- ج ۳ -ص ۲۹۲، ارشادِ مفید- ص ۲۴۱۔

میں تشریف لائے اور ایک قدرے طولانی جنگ کے بعد دشمن کے محاصرے میں گھر گئے تو امامؑ کے خاندان کا ایک کم سن بچہ خیمے سے نکلا اور دوڑتا ہوا امام علیہ السلام تک پہنچ گیا۔ حضرت زینبؑ اسے خیموں میں واپس لانے کے لئے اس کے پیچھے آئیں لیکن وہ یہ کہتے ہوئے بھاگتا رہا کہ: نہیں، خدا کی قسم میں اپنے چچا کے ساتھ رہوں گا۔ اسی دوران دشمن کے ایک فرد ((بحرابن کعب ابن تیم)) نے تلوار سے امام حسین علیہ السلام پر وار کیا۔ بچے نے جب یہ دیکھا تو چلّا کر کہا کہ: یَا ابْنَ الْخَبِیْثَةِ اَتَقْتُلُ عَمِّی (اے خبیث عورت کے بیٹے! کیا تو میرے چچا کو قتل کرنا چاہتا ہے؟) اور یہ کہتے ہوئے اپنے چچا کو بچانے کے لئے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ ((بحر ابن کعب)) کی تلوار پڑی، بچے کا ہاتھ کٹا اور کھال سے لٹک کر رہ گیا۔

بچے نے شدید درد اور تکلیف کے عالم میں امامؑ کی طرف رخ کیا اور صدا دی: یَا عَمَّاہ (ہائے چچا) میری مدد کیجئے اور مجھے اس درد سے نجات دلائیے۔

امامؑ نے بچے کو سینے سے لگا لیا اور کہا:

((یَا ابْنَ اَخِی اِصْبِرْ عَلٰی مَا نَزَلَ بِکَ ..... اے میرے بھتیجے! اس مصیبت پر صبر کرو، خدا تمہیں تمہارے پاک و پاکیزہ اجداد رسول اللہ، علی، حمزہ، جعفر اور حسن سے ملائے گا۔))

پھر امام علیہ السلام نے لشکرِ کوفہ کو بد دعا دیتے ہوئے فرمایا:

((اَللّٰھُمَّ اَمْسِکْ عَنْھُمْ ..... بارِالٰہا! اس ظالم قوم کو بارش اور زمین کی برکتوں سے محروم کر دے۔ اور اگر انہیں زندگی دے تو ہمیشہ انہیں اختلاف اور تفرقے میں مبتلا رکھ، ان کے حکام کو ان سے کبھی خوش نہ رکھنا، ان کے اور ان کے حکام کے درمیان ہمیشہ عداوت رکھنا۔ ان لوگوں نے مدد و نصرت کا وعدہ کر کے ہمیں دعوت دی اور پھر ہمارے خلاف جنگ کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔))

یاد رہے کہ عاشور کے دن امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے تین فرزند شہید ہوئے تھے۔

۱-عبداللہ: ان کی والدہ ((شلیل بن عبداللہ بجلی)) کی صاحبزادی تھیں۔

۲ اور ۳- قاسم اور ابوبکر: اُن دونوں بھائیوں کی والدہ کا نام ((رملہ)) تھا۔

۸۱

رخصت کے موقع پر

(خواتین سے رخصت ہوتے وقت فرمایا)

"ثُمَّ اِنَّهُ وَدَّعَ عَيَالَهُ وَ اَمَرَهُمْ بِالصَّبْرِ وَلبسِ الأزر وقال: اِسْتَعِدُّوا لِلْبَلاءِ وَاعْلَمُوا اَنَّ اللهَ حَامِيكُمْ وَ حَافِظُكُمْ وَسَيُنْجِيكُمْ مِنْ شَرِّ الأَعْداءِ وَيَجْعَلُ عَاقِبَةَ أَمْرِكُمْ اِلىٰ خَيْرٍ وَيُعَذِّبُ عَدُوَّكُمْ بِأنواعِ الْعَذَابِ وَيُعَوِّضُكُمْ عَنْ هٰذِهِ الْبَلِيَّةِ بِأَنواعِ النِّعَمِ وَالْكَرَامَةِ فَلا تَشْكُوا وَلا تَقُولُوا بِأَلْسِنَتِكُمْ مَا يَنْقُصُ مِنْ قَدْرِكُمْ." (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

اُزُر (الف اور زے پر پیش، اِزار کی جمع): وہ لباس جسے دوسرے کپڑوں کے اوپر اوڑھا جاتا ہے اور یہ بات پیش نظر رکھتے ہوئے کہ حرم کی خواتین سفر اور قیام دونوں حالتوں میں اپنی اوڑھنیاں لیا کرتی تھیں، یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہاں اُزُر سے مراد ایسا خاص قسم کا لباس

۱- مندرجہ بالا عبارت مقتل مقرم صفحہ ۳۳۷ سے یہاں نقل کی گئی ہے۔ مقتل مقرم اور نفس المہموم میں اسے ((جلاء العیون)) سے نقل کیا گیا ہے۔

ہے جسے سنبھالنا اور سفر کے دوران اور دشمن کے سامنے جس سے استفادہ کرنا آسان تر ہے۔ بلاء: امتحان، شدید غم واندوہ۔ **بَلِیَّہ**: امتحان اور مصیبت۔ **حفاظت و حمایت**: بعض ماہرین لغت کے اقوال اور ان دو الفاظ کے استعمال کو دیکھتے ہوئے اندازہ ہوتا ہے کہ حفاظت کا لفظ زیادہ تر خود چیزوں کی حفاظت کے سلسلے میں استعمال کیا جاتا ہے جبکہ حمایت کو ان سے وابستہ اشیا کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر درہم اور دینار کے لئے کہا جاتا ہے کہ **یحفظه** اور کوئی نہیں کہتا کہ **یحمیه**۔ اور کسی کے زیر اختیار چراہ گاہوں کے لئے کہا جاتا ہے کہ **حمی القوم** کیونکہ اس کا مطلب وہاں کے پودوں اور نباتات کی حفاظت ہے نہ کہ پانی اور زمین کی۔

ترجمہ اور تشریح

اگر یہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ عاشور کے دن امام حسین علیہ السلام کی اپنے اہل بیت سے آخری رخصت خود امامؑ، ان کے اہل بیت اور اسی طرح امام سجاد علیہ السلام کے لئے روزِ عاشور کا سخت ترین وقت تھا۔ کیونکہ ایک طرف تو مخدراتِ اہل بیت یہ دیکھ رہی تھیں کہ تمام مردوں اور جوانانِ بنی ہاشم کی شہادت کے بعد اب ان کے واحد ملجا و ماوا اور امام و پیشوا بھی وداع ہو رہے اور جدائی کا اعلان فرما رہے ہیں، ایسی جدائی جس کے بعد ملنے کا کوئی امکان بھی نہیں اور اب ان کے بعد وہ اس وسیع و عریض بیابان میں کیا کریں گے اور اس بے کسی اور غربت کے عالم میں کس کی پناہ لیں گے؟ یہ چند لاچار عورتیں اور بچے دشمن کے حملے اور یلغار سے کس طرح اپنا بچاؤ کریں گے؟ اور کس سے فریاد کریں گے؟ لہٰذا یہ خواتین اور بچے آخری مرتبہ، صرف چند لمحوں کے لئے ایک بار پھر امامؑ کے گرد جمع ہو گئے تھے، ان کا دامن تھام کر، ان سے مدد طلب کر رہے تھے اور اپنا دردِ دل ان سے کہہ رہے تھے۔

دوسری طرف وہ مہربان و شفیق امام، وہ پیکر غیرت و شجاعت معصوم بچوں کے اس گروہ کو

دیکھ رہے تھے جن کے نالہ وفغاں سے سرزمین کربلا گونج رہی تھی، یتیم ہو جانے والی بچیوں کی چیخ وپکار سن رہے تھے، جو دشمنوں سے بچنے کے لئے پناہ گاہ اور پیاس دور کرنے کے لئے پانی کے چند گھونٹ مانگ رہی تھیں۔ ان کی نگاہیں ان غم زدہ عورتوں کی جانب بھی تھیں جو رنج والم کی افراط اور مصائب ومشکلات کی شدت سے مبہوت اور حیران و پریشان، لبوں پر سکوت کے تالے لگائے خاموش بیٹھی تھیں، اور اب ان میں بات کرنے تک کی توانائی نہ رہی تھی۔

قارئین محترم! ذرا سوچئے، اس دل ہلا دینے والے، پہاڑوں کو لرزہ دینے والے وقت میں امام علیہ السلام کا ردِعمل کیا ہوگا؟ ان غم زدہ عورتوں اور بچیوں سے، جن کا اندوہ والم ان کی ہڈیوں تک میں اتر گیا تھا انہوں نے کیا فرمایا ہوگا؟

کیا انہوں نے یہ افسوسناک منظر دیکھنے کے بعد اور مستقبل میں پیش آنے والے حالات کا ہولناک تصور کر کے ضعف وکمزوری کا اظہار کیا ہوگا؟ اپنے افکار واعصاب پر کنٹرول سے محروم ہو گئے ہوں گے؟ اور اسکے نتیجے میں خواہ چند لمحوں کے لئے ہی سہی کیا اپنے عالی اہداف ومقاصد کو بھول گئے ہوں گے؟

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ہر کوئی اس منظر کی علیحدہ علیحدہ تصویر کشی کرتا ہے۔ ہر مصنف اپنے انداز میں امامؑ کا جواب لکھتا ہے۔ ہر خطیب اپنے طرزِ ادا کے مطابق اس موقع کی منظر کشی کرتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام اظہار ان کے اپنے اپنے طرزِ فکر کے مطابق ہوتے ہیں جنہیں وہ امامؑ سے منسوب کرتے ہیں اور امام کی عظیم وعالی شخصیت کو اپنی جیسی شخصیت کے بطور مجسم کرتے ہیں۔

پس، کیا ہی اچھا ہو کہ اس موقع پر بھی ہم وہی طریقہ اختیار کریں جو ہم نے مدینہ سے کربلا تک رونما ہونے والے تمام واقعات میں اختیار کیا ہے۔ یعنی اپنے بیان کی بجائے ائمۂ اطہارؑ کے ان اقوال سے مدد لیں جو بزرگ اور اہلِ فن علما کے ذریعے ہم تک پہنچے ہیں، اور امامؑ کے اقوال اور ان کے فرامین کے محرکات کو، معتبر کتب سے یہاں نقل کریں۔

"ثُمَّ اِنَّهُ وَدَّعَ عَیالَهُ ...... ایک بار پھر (امام علیہ السلام نے) اپنے اہل بیت کوالوداع کہا، انہیں صبر و بردباری کی تلقین کی اور لباس (لباسِ ازر، جس کی تفصیل الفاظ کی تشریح میں بیان ہوئی) پہننے کی ہدایت کی۔ پھر فرمایا: مصیبتوں اور مشکلات کے دنوں کے لئے تیار ہو جاؤ۔ یاد رکھو کہ اللہ تمہارا محافظ اور حامی ہے، وہی بہت جلد تمہیں دشمنوں کے شر سے نجات دلائے گا اور تمہاری عاقبت کو خیر کرے گا اور تمہارے دشمنوں کو سخت عذاب میں مبتلا کرے گا۔ اور جو رنج و مصائب تم اٹھاؤ گے اسکے بدلے میں تمہیں بیش بہا نعمتیں اور کرامتیں عنایت فرمائے گا۔ لہٰذا نہ گلہ وشکوہ کرنا اور نہ کوئی ایسی بات زبان پر لانا جس سے تمہاری قدر و منزلت کم ہو۔"

مذکورہ بالا گفتگو کو "علامہ مجلسی" نے امام محمد باقر علیہ السلام کی ایک روایت کے ذیل میں نقل کیا ہے، جس کے بارے میں قوی امکان ہے کہ اسی روایت کا تتمہ اور امام محمد باقر علیہ السلام ہی کا کلام ہو اور اس روایت سے علیحدہ ہونے کی صورت میں بھی یہ ایک دوسری روایت سے ماخوذ ہو جو مرحوم علامہ مجلسی کی نظر میں قابلِ اعتبار اور موثق ہے (۱) اور اسی بنیاد پر تاریخ اور حدیث کے ایک عالم اور محقق علما اور علمی شخصیات میں سے ایک "مرحوم مقرم" جنہوں نے مندرجہ بالا گفتگو کو علامہ مجلسی کی "جلاء العیون" سے نقل کیا ہے اور اسکے تمام جملات کا ایک قابلِ اعتماد روایت اور حسین ابن علیؑ سے ایک صحیح نقل کی صورت میں جائزہ لیا ہے، فرماتے ہیں کہ: اس گفتگو میں امام حسین علیہ السلام کے پیش نظر دو ایسے انتہائی اہم موضوعات کا بیان تھا کہ

۱- کیونکہ مرحوم مجلسی نے "جلاء العیون" کے مقدمے میں، اس کتاب کی تالیف کا سبب بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ: تاریخ عاشورا کے بارے میں جو کچھ اب تک عربی یا فارسی میں لکھا گیا ہے، وہ یا تو نامکمل ہے یا پھر تاریخ اور حدیث کی ناقابل اعتبار کتابوں سے اخذ کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں محض معتبر روایات کے ترجمے پر اکتفا کیا گیا ہے اور ان احادیث کو نقل نہیں کیا گیا ہے جنہیں فاضل علمائے امامیہ کی تائید حاصل نہیں رہی۔

آج تک کوئی مورخ اور حسین ابن علیؑ کی تحریک کا تجزیہ کرنے والا کوئی شخص ان دو موضوعات کی جانب متوجہ نہیں ہوا ہے۔

ایک یہ کہ امامؑ حرم کی خواتین کو بتانا چاہتے تھے کہ وہ اس طویل سفر اور دشمن کے چنگل میں ہونے کے باوجود ان کے ہاتھوں قتل نہیں ہوں گی، اور صحیح و سالم اپنے وطن واپس لوٹیں گی۔ اور دوسرے یہ کہ ان کے لباس اور سر پر لپیٹے جانے والے کپڑے نہیں لوٹے جائیں گے۔

اس گفتگو کے متن سے جو بات سمجھ آتی ہے اسکی تائید میں مرحوم مقرم مزید ارشاد فرماتے ہیں: اس کی وجہ یہ ہے کہ امام علیہ السلام کی طرف سے اچھی طرح لباس کس لینے کا حکم دینے کے بعد حمایت اور حفاظت جیسے الفاظ استعمال کرنے سے (جبکہ ان میں سے کوئی ایک لفظ بھی مفہوم کی ادائیگی کے لئے کافی تھا) مذکورہ بالا دو انتہائی اہم موضوع حاصل ہوتے ہیں۔ امامؑ کے کلام کی بلاغت اس بات میں ہے کہ ہم کہیں کہ: اِنَّ اللّٰهَ حَامِیْکُمْ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ دشمنوں کی لوٹ مار کے دوران خاندانِ عصمت کی حمایت کرے گا اور حافظکم کا مطلب یہ ہے کہ اللہ انہیں قتل اور شہادت سے محفوظ رکھے گا۔ (۱)

۱۔ ہم نے حمایت اور حفاظت کے مفہوم کے درمیان فرق کے بارے میں ماہرین لغت کی جو رائے نقل کی ہے مرحوم مقرم کا بیان بالکل اسکے مطابق ہے۔

(امام سجاد علیہ السلام سے رخصت ہوتے ہوئے فرمایا)

(۱)

« وعن زين العابدين عليه السلام قال : ضمني والدی عليه السلام الی صدره يوم قتل والدماء تغلی وهو يقول : يا بني احفظ عنی دعاء علّمتنيه فاطمة عليها السلام وعلّمها رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه و آله وسلم وعلّمه جبرئيل عليه السلام فی الحاجة والمهمّ والغمّ والنازلة اذا نزلت والأمر العظيم الفادح قال: اُدع بحق يس والقرآن الحكيم و بحق طه والقرآن العظيم يا من يقدر علی حوائج السائلين يا من يعلم ما فی الضّمير يا منفّس عن المكر و بين يا مفرّج عن المغمومين يا راحم الشّيخ الكبيريا رازق الطّفل الصغير يا من لا يحتاج الی التّفسير صلِّ علی محمد و آل محمد وافعل بی كذا و كذا.» (۱)

۱-اس دعا کو علامہ مجلسی نے مرحوم راوندی کی کتاب ((دعوات)) سے ((بحار الانوار کی جلد ۹۵، صفحہ ۱۹۶)) پر درج کیا ہے۔ یہی دعا ((شیخ عباس قمی)) نے ((باقیات الصالحات)) میں کسی ماخذ کا ذکر کئے بغیر لکھی ہے۔ جبکہ بعض فارسی کتابوں میں بھی یہی دعا متن کے کچھ فرق کے ساتھ نقل کی گئی ہے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

(۲)

«.....عَنْ ابی جعفر علیه السلام قال لما حضرت علی بن الحسین الوفاة ضمنی الی صدره ثم قال : یا بُنَیَّ اوصیک بما اوصانی به ابی حِین حضرته الوفاة و بما ذکر ان اباه اوصاه به یا بنیّ ایّاک و ظلم من لا یجد علیک ناصراً الا الله..» (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

ضَمنِی اِلٰی صَدْرِہِ : مجھے اپنے سینے سے لگالیا۔ وَ الدِّماءُ تَغْلِی (غَلٰی یَغْلی سے):اس سے خون ابل رہا تھا۔ نازِلَه : انسان پر نازل ہونے والی کوئی شدید مصیبت۔ اَمْرٌ

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ) کتاب «دعوات» کا صرف قلمی نسخہ دستیاب تھا اور یہ ایک نادر کتاب تھی جسے کچھ عرصے قبل «مدرسہ امام مہدی۔قم» نے شائع کیا ہے اور اس کے صفحہ ۵۴ پر یہ دعا موجود ہے۔جس طرح اس کتاب سے بحار الانوار کے مصنف نے «بحار» کی تالیف میں استفادہ کیا تھا اسی طرح «مرحوم محدث نوری» نے بھی کتاب «مستدرک الوسائل» کی تالیف میں اس سے استفادہ کیا ہے اور «مستدرک» کے آخر میں اس کتاب کے تعارف اور اس کی اہمیت کے بارے میں تحریر کیا ہے۔

مرحوم «محدث قمی» نے «دعوات» کے مولف «مرحوم قطب راوندی» کے بارے میں «هدیة الاحباب» میں یوں تحریر کیا ہے: شیخ قطب الدین، پیشوائے دین، بہت بڑے عالم، ناقد، فقیہ، مفسر اور محقق تھے۔ نامور محدث «ابن شہر آشوب» کے اساتذہ میں سے تھے۔انہوں نے مختلف علوم میں پر مغز کتب تالیف کی ہیں۔قطب راوندی نے ۵۷۳ ھ میں وفات پائی اور شہر قم میں حضرت فاطمہ معصومہ سلام اللہ علیہا کے حرم مطہر کے صحن میں ان کی قبر خاص وعام کے لئے زیارت گاہ ہے۔

۱۔خصال شیخ صدوق۔باب اول، تحف العقول۔ص۱۷۶۔

فَادِحٌ : انتہائی مشکل اور نا قابل برداشت امر۔ نَفِّسْ اَیْ فَرِّجْ :فعلِ امر یعنی نجات دو۔ مُنَفِّسُ : نجات دینے والا۔ اِیّاکَ : (اسم فعل ہے): ہوشیار رہو۔

ترجمہ اور تشریح

خواتین سے رخصت ہونے کے بعد (معمول کے مطابق) امام حسین علیہ السلام' سیدِ سجادؑ سے رخصت ہونے کی غرض سے ان کے خیمے کی طرف آئے۔ امام حسینؑ کس طرح اپنے بیٹے اور اپنے بعد اپنے جانشین سے رخصت ہوئے اور اس حساس موقع پر ان باپ' بیٹوں کی کیا کیفیت تھی' اس کے بارے میں ہمیں کچھ نہیں معلوم۔ البتہ اس سلسلے میں ((مسعودی)) نے کچھ تحریر کیا ہے جو بظاہر بعض روایات سے لیا گیا ہے اور جس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام علیہ السلام نے امام سجادؑ سے وداع ہوتے وقت انہیں امامت سے متعلق کچھ خاص وصیتیں کیں اور ان سے کہا کہ وہ امامت کی مخصوص میراث جیسے کتاب اور اسلحہ وغیرہ جو ام سلمہؓ کے پاس ہیں' واپسی پر ان سے لے لیں۔ (۱)

وداع کے اس موقع کے حوالے سے جو کچھ قول کی صورت میں نقل ہوا ہے' وہ دو باتیں ہیں' اور دونوں ہی باتیں امام سجاد علیہ السلام سے منقول ہیں' جو اس موقع پر خیمے میں موجود معصومینؑ میں سے ایک ہیں اور سوائے ان کے اور ان کے والد گرامی کے کوئی اور اس موقع پر وہاں موجود نہ تھا۔

۱۔ پروردگار کے حضور توجہ

امام سجاد علیہ السلام فرماتے ہیں: جس دن میرے والد شہید ہوئے' انہوں نے مجھے اپنے گلے سے لگایا' جبکہ خون آپؑ کے تمام بدن سے بہہ رہا تھا' اور فرمایا: اے میرے بیٹے! یہ

۱۔ اثبات الوصیہ۔ ص ۱۶۴۔

دعا مجھ سے سیکھ لو۔ بوقتِ ضرورت، کسی اہم کام، کسی پریشانی، کسی مصیبت یا انتہائی مشکل حوادث کے موقع پر اسکے ذریعے خدا کو پکارنا۔ یہ وہ دعا ہے جسے مجھے حضرت فاطمہ نے اور انہیں یہ دعا نبی اکرم نے تعلیم فرمائی تھی اور انہوں نے اسے جبرئیل سے حاصل کیا تھا۔ پھر فرمایا:

«بحق یس والقرآن الحکیم و بحق طه و..... اے وہ جو مانگنے والوں کی حاجتوں سے باخبر ہے، اے وہ جو باطن میں چھپے امور سے مطلع ہے، اے غم واندوہ میں مبتلا لوگوں کو تسلی دینے والے، اے پریشانیوں سے دوچار لوگوں کو نجات دلانے والے، اے وہ جو عمر رسیدہ اور ضعیف افراد پر رحم کرتا ہے اور چھوٹے بچوں کو ان کا رزق دیتا ہے، اے وہ جسے کسی تفسیر کی ضرورت نہیں، محمدؐ و آل محمدؐ پر درود بھیج اور میری مشکل کو اور میرے لئے یوں، (اس موقع پر اپنی حاجت کا ذکر کرے) کر دے۔

۲۔ بدترین ظلم سے بچو

ابوحمزہ ثمالی نے امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: میرے والدِ گرامی امام سجادؑ نے اپنی وفات کے وقت مجھے اپنے سینے سے لگایا اور فرمایا: میں تمہیں وہی وصیت کر رہا ہوں جو میرے والد (حسین ابن علیؑ) نے اپنی وفات و شہادت کے موقع پر مجھ سے کی تھی۔ اس موقع پر ان کی وصیتوں میں سے ایک وصیت یہ تھی کہ:

«یا بنیّ ایّاک و ظلم من لا یجد علیک ناصراً الا الله.»

«اے میرے بیٹے! اس شخص پر ظلم کرنے سے خوف کھانا جس کا خدا کے سوا کوئی اور مددگار نہ ہو۔»

یہ وہ دو وصیتیں تھیں جو امام حسین علیہ السلام نے امام سجاد علیہ السلام سے رخصت ہوتے وقت کی تھیں۔ البتہ ممکن ہے کہ یہ دو وصیتیں دو علیحدہ علیحدہ الوداعی ملاقاتوں میں ہوئی ہوں۔ دو

مختلف عبارتوں کا استعمال کرنا یعنی ((**یوم قتل و الدماء تغلی**)) اور ((**حین حضرته الوفاة**)) دو ملاقاتوں پر قرینہ ہوسکتا ہے۔

نتیجہ: ان تین وصیتوں سے استفادہ ہوتا ہے کہ نمونۂ صبر و ثبات، تمام مومن اور پاک باز انسانوں کے امام، مقتدا اور پیشوا حسین ابن علیؑ کفر اور شرک کے خلاف اپنے جہاد کے دوران پہلے دن سے آخری دن تک ایک لمحے کے لئے بھی کبھی معمولی سے شک و تردید کا شکار نہ ہوئے بلکہ آپؑ قدم بقدم آگے بڑھے اور زمانی و مکانی حالات کی مناسبت سے اپنے ردِ عمل کا اظہار کیا۔

آپؑ پر اوّل روز ہی سے اپنا مقصد واضح تھا اور آپؑ مضبوطی کے ساتھ اس پر قائم تھے۔ آپؑ روزِ عاشورا اپنے اہل حرم سے رخصتِ آخر کے موقع پر (جبکہ آپؑ کی شہادت اور اہل حرم کی اسیری کے درمیان صرف چند گھڑیوں کا فاصلہ رہ گیا تھا) اسی طرح مطمئن تھے جس طرح اپنے وطن مدینہ میں اہل مدینہ کی جانب سے عزت و احترام کے اظہار کے ہمراہ ایک آسودہ زندگی بسر کرتے ہوئے اطمینان سے رہتے تھے۔

یہی نہیں بلکہ آپؑ کے لئے اس حساس لمحے اور مکہ مکرمہ میں خانۂ امن الٰہی، بیت اللہ کے زیر سایہ زندگی بسر کرنے اور عراق کی جانب اپنے ریگستانی سفر کے درمیان بھی کوئی فرق نہ تھا۔ بلکہ آج آپؑ ان افکار کو عملی شکل دے رہے تھے جو مدینہ سے مکہ تک کے سفر کے دوران آپؑ کے ذہن میں موجزن تھے اور اپنی اس گفتار کو جامۂ عمل پہنا رہے تھے جو مدینہ سے کربلا تک آپؑ کی زبانِ مبارک پر جاری تھی۔

اگر اس روز رسول اکرمؐ کے روضۂ اقدس پر آپؑ نے یہ فرمایا تھا کہ: **اَللّٰهُمَّ اِنِّی اُحِبُّ الْمَعْرُوفَ وَ اُنْكِرُ الْمُنْكَرَ** (بارِالٰہا! مجھے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا پسند ہے) اور اگر مدینہ میں یہ فرمایا تھا کہ: **وَ يَزِيدُ رَجُلٌ شَارِبُ الْخَمْرِ .... وَ مِثْلِي لَا يُبَايِعُ مِثْلَهُ**

(یزید شراب خور ہے.....اور میرا جیسا اس جیسے کی بیعت ہرگز نہیں کرے گا)' اور اگر مدینہ ہی میں اپنی تحریک کا آغاز کرتے ہوئے آپؑ یہ فرما چکے تھے کہ: وَ عَلَی الْاِسْلَامِ السَّلَامُ اِذَا بُلِیَتِ الْاُمَّۃُ بِرَاعٍ مِثْلِ یَزِیْدَ (اسلام کا خدا ہی حافظ ہو' جبکہ امت پر یزید جیسا حاکم مسلط ہو)' اور اگر وہیں ان الفاظ میں قسم کھائی تھی کہ: لَا وَ اللّٰہِ لَا اُعْطِیْھِمْ بِیَدِیْ اِعْطَاءَ الذَّلِیْلِ وَ لَا اَفِرُّ مِنْھُمْ فِرَارَ الْعَبِیْدِ. (نہیں' خدا کی قسم ہرگز پست اور کم ہمت لوگوں کی طرح اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں نہیں دوں گا اور نہ ہی غلاموں کی طرح راہِ فرار اختیار کروں گا)

اور اگر آپؑ کعبہ کے قریب خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے اپنے مستقبل کا نقشہ کھینچ چکے تھے اور اگر منزلِ بیضہ پر پیغمبر اسلامؐ کے قول کی سند کے ساتھ آپؑ نے یہ بتا دیا تھا کہ یزید کے خلاف جہاد ان کی ذمے داری ہے'..... آج بھی آپؑ اپنے حرم کی خواتین کو قطعی اور حتمی لہجے میں یہ ہدایت دے رہے تھے کہ سفر کا لباس زیبِ تن کرلیں اور ایسا لباس پہن لیں جو طویل سفر کے دوران انہیں دشمنوں اور نامحرموں کی نظروں سے محفوظ رکھے' اور خود کو بلاؤں اور مصیبتوں کے لئے تیار کرلیں' اور کوئی ایسا لفظ زبان سے نہ نکالیں جس میں اسیری اور قیدی بنائے جانے کا گلہ اور دشمن کی جانب سے روا رکھی جانے والی سختیوں کا شکوہ ہو۔ تو اس تمام اہتمام و احتیاط کی حکمت یہ ہے کہ آپؑ کا مقصد اور ہدف صرف اور صرف رضائے الٰہی کا حصول ہے' اور اس راہ میں ان مشکلات کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

جی ہاں! اگر کوئی انسان امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا قیام چاہتا ہے' سرکش حکمرانوں کو مسترد کرتا ہے اور کسی حال میں ذلت قبول کرنے پر تیار نہیں' تو اسکے لئے لازم ہے کہ پھر ہر قسم کی سختیاں اور مصائب جھیلنے اور قید و بند اور ظلم و ستم کی سختیاں سہنے پر آمادہ رہے۔ یہی نہیں بلکہ اس سے بھی اہم ترین بات یہ ہے کہ ان تمام مراحل کا ایسی پامردی اور ثابت قدمی کے ساتھ مقابلہ کرے' اور ان کے دوران ایسی معنویت کا مالک رہے کہ ایک لفظ بھی' جی ہاں' ایک لفظ بھی ایسا اسکے منہ سے نہ نکلے جو اسکی عدمِ رضامندی' اپنے مقصد میں شک و شبہے' اپنی

قربانیوں اور اپنے جوانوں کی جانثاری پر ناگواری کا اشارہ دے۔ کیونکہ یہ اسکے جہاد کی اہمیت کے ختم ہو جانے، اور اجر و پاداش میں کمی کا موجب ہوگا۔

«اِسۡتَعِدُّوا لِلۡبَلاءِ... وَ لاٰ تَقُولُوا بِألۡسِنَتِكُمۡ ما یَنۡقُصُ مِنۡ قَدۡرِكُمۡ.»

اور جہاں تک تعلق اس وصیت کا ہے جو امام حسینؑ نے امام سجاد علیہ السلام کو کی، تو اسے دو مختلف پہلوؤں سے دیکھا جا سکتا ہے، ایک خصوصی پہلو، جو خاص امام سجادؑ کے حوالے سے ہے اور دوسرا عمومی پہلو، جس کا تعلق تمام مسلمانوں سے ہے۔

الف: وصیت کا خصوصی پہلو

سید الشہدا امام حسین علیہ السلام کی وصیت کے یہ دونوں حصے (جن میں سے ایک دعا کی صورت میں ہے اور دوسرا امام زین العابدینؑ کے لئے نصیحت اور رہنمائی کے قالب میں) ان حالات میں سیدِ سجادؑ کے لئے تقویتِ قلب اور اطمینانِ خاطر کا بہترین وسیلہ تھے جب آپؑ پر ہر طرف سے مصائب و آلام کی بوچھاڑ تھی اور دشمن کی جانب سے روا رکھا جانے والا ظلم و ستم اپنی انتہاؤں کو چھو رہا تھا۔

کیونکہ ایک طرف تو اس وصیت نے آپؑ کی تمام تر توجہات کو ربِ ذوالجلال کی بارگاہ کی طرف مبذول کر کے، اس دنیا میں پیش آنے والے تمام مصائب و آلام سے آپؑ کو بے پروا کیا اور دوسری طرف اہلِ کوفہ پر عنقریب نازل ہونے والے اس عذاب سے مطلع کر کے، جو ان کے انتظار میں منہ کھولے کھڑا تھا، ان کے غم و آلام میں تخفیف اور ظلم و ستم کے اثرات میں کمی کا موجب ہوا۔

ب: وصیت کا عمومی پہلو:

امام سجادؑ کی اس حیثیت کو سامنے رکھتے ہوئے کہ اپنے پدرِ بزرگوار کی شہادت کے بعد آپؑ ہی نے امت کی امامت اور معاشرے کی رہنمائی کا بارِ گراں اٹھانا تھا، حسین ابن علیؑ اپنے

ارشاد فرمائے ہوئے تفصیلی خطبات کے باوجود اپنی حیات کے آخری لمحات میں اپنے فرزند کے توسط سے ایک مرتبہ پھر عالم بشریت اور اپنے شیعوں اور پیروکاروں کو دعا کے قالب میں حقیقی توحید اور خداوند عالم کی جانب توجہ (جو تمام انبیائے الٰہی اور آسمانی پیشواؤں کا بنیادی ترین مقصد اور ذمے داری ہے) کی دعوت دیتے ہیں اور مناجات کی شکل میں انسانوں کو خداوند عالم کی قدرتِ کاملہ اور تمام افرادِ بشر کی پوشیدہ باتوں اور ان کے باطن کے بارے میں اس کے علم سے مطلع فرماتے ہیں اور اسکے لطف ومحبت اور رزاقیت کی صفت کی جانب متوجہ کرتے ہیں۔

پھر وصیت کے دوسرے حصے میں انہیں نصیحت کرتے ہیں اور ظلم وستم کی بدترین قسم جو ہمیں آج بھی اس وسیع وعریض دنیا کے ہر گوشے میں، ہر روز طرح طرح کی شکلوں میں نظر آتی ہے، یعنی بے بس اور لاچار افراد پر ظلم وستم کی جانب متوجہ کرتے ہیں اور اسکے ارتکاب سے متنبہ اور منع فرماتے ہیں۔

ہمارا خیال ہے کہ ان وصیتوں کا عمومی پہلو ان کی خصوصی حیثیت پر مقدم ہے۔ کیونکہ ایک تو امامت ورہبری کی عمومی اور عالی ذمے داری کا تقاضا یہی ہے اور دوسرے یہ دیکھتے ہوئے کہ امام سجادؑ مقام عصمت پر فائز ہیں اور ان سے کسی قسم کا ظلم وستم سرزد نہیں ہوسکتا اس لئے وہ **ایّاک وظلم** ..... جیسے کلام کے مخاطب نہیں ہوسکتے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اگرچہ ان وصیتوں کے ظاہری الفاظ دیکھے جائیں تو خطاب امام سجادؑ ہی سے ہے لیکن قرآن کریم کے بکثرت خطابات اور معصومینؑ کی اکثر وصیتوں کی مانند درحقیقت روئے سخن تمام انسانوں یا تمام مسلمانوں کی طرف ہے۔

حسین ابن علیؑ کے عقیدتمندوں کے لئے ایک یاددہانی

محترم قارئین، یہ وہ وصیت تھی جو امام حسین علیہ السلام نے اپنے آخری وداع کے موقع پر کی اور جو معتبر وموثق ماخذ (Sources) اور معصومینؑ کے ذریعے ہم تک پہنچی۔ البتہ ممکن

ہے کہ امام عالی مقام کی اور وصیتیں بھی نقل ہوئی ہوں، جو ہم تک نہ پہنچی ہوں، لیکن جیسا کہ ہم نے پہلے واضح کیا انہی تین بظاہر مختصر وصیتوں کے ذریعے ولایت کے عالی مقام اور امامت کے عزم صمیم اور پختہ ارادے سے واقف ہوا جا سکتا ہے اور ان جملات کے ذریعے اپنی اختیار کردہ راہ کے سلسلے میں امامؑ کی استقامت اور ثابت قدمی کو واضح طور پر محسوس کیا جا سکتا ہے۔

لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مقتل کی بعض ناقابلِ اعتماد کتابوں اور بعض ذاکرین اور خطیبوں کی زبانی امامؑ کی رخصتِ آخر کے بارے میں ایسی باتیں نقل ہوتی ہیں کہ نہ تو معتبر کتابوں میں اس قسم کی باتوں کا تذکرہ موجود ہے اور نہ ہی یہ امامت اور رہبری کے مقام اور سید الشہدا امام حسین علیہ السلام کے اہدافِ عالیہ سے کوئی جوڑ اور مطابقت رکھتی ہیں۔ ایسی بے بنیاد باتوں کی پیدائش اور تشہیر بالآخر درج ذیل دو نکات کو ظاہر کرتی ہے:

۱۔ ایسی باتیں ان مصنفین یا خطیبوں کی بنائی ہوئی ہیں جن کے پیش نظر صرف اور صرف رونے اور رلانے کا ثواب تھا اور یہ لوگ جعلی اور بے بنیاد باتیں گھڑنے یا انہیں نقل کرنے کے اثراتِ بد اور گناہ سے غافل تھے یا پھر اپنی کم علمی کی وجہ سے ان باتوں کے جعلی ہونے سے بے خبر تھے۔

۲۔ ایسی بعض باتوں کا بیان ہونا ولایت کے ارفع و اعلیٰ مقام کی صحیح صحیح معرفت نہ ہونے اور امامت کے عالی رتبے کو گھٹانے کی کوشش پر ایک واضح دلیل ہے۔ یہ طرزِ عمل عقیدے کے لحاظ سے ایک نقص اور عیب ہے، جس کے ازالے کے لئے علمائے اسلام کو توجہ دینا چاہئے، جو عقائد و احکام اسلامی کی سرحدوں کے محافظ ہیں۔

قارئین کی اجازت سے، اس بارے میں جلیل القدر عالم، ((علامہ محدث نوری)) کی سودمند گفتگو اور نصائح پیش کر رہے ہیں اور پھر امام حسینؑ کی رخصتِ آخر سے متعلق ایک گھڑی ہوئی داستان انہی کی زبانی نقل کریں گے۔ یاد رہے کہ علامہ محدث نوری کی پوری زندگی احادیث و روایات کی تحقیق اور چھان پھٹک کرتے بسر ہوئی ہے۔ آپ نے مستدرک الوسائل

اور دوسری کئی گرانقدر کتب بطورِ یادگار چھوڑی ہیں' (۱) جبکہ مرحوم محدث قمی اور الذریعہ (نامی کتاب) کے مصنف ((آقا بزرگ تہرانی)) جیسے شاگرد اسلامی معاشرے کے حوالے کئے ہیں۔

مرحوم نوری نے اپنی کتاب ((لؤلؤ و مرجان)) (۲) میں جھوٹ کی اقسام' اس کے نقصانات اور اس گناہِ کبیرہ کے عذاب کے تذکرے اور یہ بیان کرنے کے بعد کہ اگر حدیث نقل کرتے ہوئے اور مناقب و مصائب کے ذکر میں جھوٹ بولا جائے تو اسکا نقصان اور خرابی اور اسی طرح اسکا عذاب و سزا دوسرے جھوٹ اور دروغ سے کہیں زیادہ ہوگی' فرمایا ہے کہ:

((جو لوگ ذکرِ مصائب اور عاشورا کے جاں گداز حادثے کو بیان کرنا چاہتے ہیں' انہیں چاہئے کہ وہ اپنی مجالس میں دوسروں سے سنی سنائی باتیں بیان کرنے پر اکتفا نہ کریں اور کسی جملے کے عربی ہونے کی بنا پر اسکی صحت پر یقین پیدا نہ کر لیں' جیسے کہ عام طور رائج ہے کہ کچھ لوگوں کی نظر میں کسی جملے کا محض عربی زبان میں ہونا' ان کے لئے اسکی سند اور متن کی صحت کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔ حتیٰ انہیں چاہئے کہ کتب اور تالیفات کا مطالعہ کرتے ہوئے بھی انتہائی احتیاط کو ملحوظ رکھیں۔ اس لئے کہ کسی کتاب میں کسی بات کا تحریر ہونا اسکی صحت پر دلیل نہیں بن سکتا' کیونکہ ممکن ہے وہ کتاب کسی انجانے شخص کی تالیف ہو اور ممکن ہے جانا پہچانا اور معروف مولف ہو لیکن علمی لحاظ سے اس مقام پر فائز نہ ہو کہ

۱- مستدرک الوسائل تین بڑی اور ضخیم جلدوں پر مشتمل اور معصومینؑ کی تئیس ہزار احادیث کا مجموعہ ہے۔ جلیل القدر مولف نے اس کتاب کے ابواب ((وسائل الشیعہ)) کے ابواب کے مطابق ترتیب دیئے ہیں۔ اسکے علاوہ ایک مفصل فہرست اور اختتامیہ بھی تحریر کیا ہے جو ((درایہ)) اور ((رجال)) کے علوم پر لکھی گئی مفید ترین کتابوں میں سے ایک ہے اور حقیقت یہ ہے کہ: وَفِیهَا مَاتَشْتَهِیهِ الْاَنْفُسُ وَ تَلَذُّ الْاَعْیُنُ (اس میں وہ سب کچھ ہے جس کی دل تمنا کرے اور آنکھوں کو بھلا لگے۔ سورہ زخرف ۴۳- آیت ۷۱)

۲- اردو زبان میں اس گرانقدر کتاب کا ترجمہ ((آدابِ اہلِ منبر)) کے نام سے دستیاب ہے۔

صحیح اور غلط اور سلیم اور سقیم کے درمیان تمیز کر سکے۔ حد تو یہ ہے کہ یہ بھی ممکن ہے کہ ایک مولف علمی لحاظ سے قوی ہو' صحیح اور غلط میں فرق بھی کر سکتا ہو' لیکن مختلف وجوہات کی بنا پر اسکی کوئی تالیف وثوق اور اعتبار کے قابل نہ ہو' مثلاً وہ اسکے دورِ جوانی کی تالیف ہو' جبکہ وہ ناتجربہ کار اور کافی معلومات سے بے بہرہ تھا' اور اُس تالیف کو اس سے صرف نسبت کی وجہ سے عوامی سطح پر شہرت اور اعتبار مل گیا ہو۔))

محدث نوری نے بطورِ ثبوت' اس قسم کی چند تالیفات کا ذکر کرنے کے بعد' چند مشہور لیکن بے اساس قصے بیان کئے ہیں۔ اسی ضمن میں چوتھا قصہ نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں:

((انتہائی غم انگیز لہجے میں بیان کرتے ہیں کہ روزِ عاشور اہل بیت اور اصحاب کی شہادت کے بعد' سید الشہدا حضرت امام حسینؑ' امام زین العابدین علیہ السلام کے سرہانے تشریف لائے۔ پس امام زین العابدینؑ نے اپنے والدِ گرامی سے ان کے اور دشمنوں کے درمیان معاملے کے بارے میں دریافت کیا۔ حضرتؑ نے انہیں بتایا کہ جنگ تک نوبت جا پہنچی تھی۔ پھر امام زین العابدینؑ نے کچھ اصحاب کے نام لئے اور ان کا حال پوچھا تو حضرتؑ نے جواب دیا کہ وہ سب قتل ہو گئے۔ یہاں تک کہ امام زین العابدینؑ نے بنی ہاشم کے بارے میں دریافت کیا اور ابوالفضل العباسؑ اور حضرت علی اکبرؑ کے احوال دریافت کئے تو حضرتؑ نے وہی جواب دیا کہ وہ بھی قتل ہو گئے اور فرمایا کہ اب میرے اور تمہارے سوا خیام میں کوئی مرد باقی نہیں۔))

مرحوم نوری مزید فرماتے ہیں کہ:

((یہ اس قصے کا خلاصہ تھا' اسے بہت طول طویل کیا گیا ہے۔ یہ قصہ کھلے لفظوں میں یہ دلالت کرتا ہے کہ جنگ کی ابتدا سے لے کر امام حسینؑ کے میدانِ جنگ

کی طرف جانے تک امام سجاد علیہ السلام کو انصار واقربا اور میدانِ جنگ کے حالات کی یکسر خبر نہ تھی۔))

ہم ((مرحوم محدث نوری طبرسی)) کے اس خیال کی تائید کرتے ہیں کہ روزِ عاشور امام سجادؑ کے مرض کی نوعیت ایسی نہ تھی کہ آپؑ اس دن رونما ہونے والے حوادث و واقعات سے یکسر لاعلم رہتے' اور اس سلسلے میں عرض کرتے ہیں کہ:

☆ تاریخ کا تفصیلی مطالعہ ظاہر کرتا ہے کہ عاشور کے دن کے بعض واقعات براہِ راست امام زین العابدینؑ کی زبانی نقل ہوئے ہیں اور یہ روایات صاف واضح کرتی ہیں کہ امام سجادؑ خود اس موقع پر موجود اور ان واقعات کا مشاہدہ فرمارہے تھے۔

☆ ایک روایت کے مطابق' جب تمام اصحاب شہید ہو گئے اور امام حسینؑ تنہا رہ گئے تو امام سجادؑ اپنے خیمے سے نکل کر دشمن کی صفوں کی طرف بڑھے' جبکہ آپؑ کا حال یہ تھا کہ آپؑ بیمار تھے اور اسلحہ اٹھانے کی طاقت بھی آپؑ میں نہ تھی۔ جنابِ ام کلثوم انہیں آواز دیتی ہیں کہ: بیٹا! واپس آجاؤ۔ امامؑ جواب دیتے ہیں: پھوپھی جان! مجھے جانے دیجئے' میں فرزندِ رسولؐ کے ساتھ مل کر دشمن کے خلاف جنگ کرنا چاہتا ہوں۔ یہاں تک کہ خود امام حسینؑ صدا دیتے ہیں کہ: اے بہن! انہیں خیمے میں واپس لے جایئے' کہیں ایسا نہ ہو کہ روئے زمین نسلِ آلِ محمدؐ سے خالی ہو جائے۔(۱)

یہ واقعہ اس بات پر ایک اور دلیل ہے کہ اپنی بیماری اور طبیعت کی ناسازی کے باوجود امام سجادؑ اس دن رونما ہونے والے ایک ایک واقعے کو نظر میں رکھے ہوئے تھے' اور جب آپؑ نے اپنے امام کو تنہا دیکھا تو ان کے دفاع کے لئے خود دشمن کی صفوں کی طرف بڑھے تھے۔

آخر میں اپنے محترم قارئین سے معذرت کے ساتھ' اس مقام پر امام حسینؑ کی رخصت

۱۔ بحار الانوار۔ ج ۴۵۔ ص ۴۶' نفس المہموم۔ طبع قم۔ ص ۳۴۸' مقتل خوارزمی۔ ج ۲۔ ص ۳۲۔

اور آپؑ کی گفتگو کے بارے میں بحث کو (جو گزشتہ ابحاث کی نسبت ذرا تفصیلی اور طولانی ہوگئی) مرحوم محدث نوری کے تذکرا ور نصیحت کو مکمل کرتے ہوئے ختم کرتے ہیں۔

جیسا کہ آپ نے ملاحظہ کیا ((محدث نوری)) نے بعض بے بنیاد احادیث کے صحیح اور مستند روایات میں خلط ملط ہو جانے اور ان میں سے صحیح اور غلط کی پہچان نہ ہونے کی ایک وجہ یہ بیان کی ہے کہ یہ احادیث عربی زبان میں پڑھی جاتی ہیں۔ اور ان کے عربی زبان میں ہونے کو بعض لوگ ان کے متن اور سند کی صحت پر دلیل سمجھتے ہیں۔

ہماری رائے میں محدث نوری کی نصیحت کا یہ حصہ سچائی کی راہ پر چلنے والوں اور حق اور حقیقت کے پیروکاروں کے لئے ایک عظیم درس ہے اور ایک ایسا انتباہ (Warning) ہے جو مقررین کو امام حسینؑ کی جانب الفاظ و مفاہیم کو نسبت دیتے ہوئے زیادہ سے زیادہ تحقیق و جستجو اور تدبر سے کام لینے پر ابھارتا ہے۔ کیونکہ مرثیوں، ذکرِ مصائب اور اشعار سے لے کر امام حسینؑ کی جانب سے رحم طلب کرنے اور آپؑ کے شعائر تک میں بکثرت ایسے عربی جملے نظر آتے ہیں جنہیں امامؑ کی طرف نسبت دی جاتی ہے، جبکہ ان میں سے بعض یکسر بے بنیاد طور پر آپؑ سے منسوب کئے گئے ہیں۔ اس سلسلے میں مذکورہ تین موضوعات پر شاہد و گواہ کے طور پر چند نمونے یہاں پیش کر رہے ہیں:

☆ کہتے ہیں کہ دشمن کی صفوں پر حملہ کرتے ہوئے امام علیہ السلام نے جو رجز پڑھے اور شعائر بلند کئے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ ان كان دين محمد (ص) لم يستقم الا بقتلي فيـا سيـوف خـذيني. (اگر دین محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بقا اسی میں ہے کہ میں مارا جاؤں تو اے تلوارو آؤ اور مجھ پر برس پڑو۔)

☆ اسی طرح امام حسین علیہ السلام کی جانب نسبت دی جاتی ہے کہ انہوں نے یزید اور بنی امیہ کے خلاف اپنی تحریک اور بنی امیہ کے خلاف اپنے جہاد کی اہمیت کے بارے میں فرمایا: انّـمـا الحياة عقيدة و جهاد. (زندگی تو صرف عقیدہ اور اس کی راہ میں جہاد کا نام ہے۔)

☆ شعر کے بارے میں کہتے ہیں کہ امام حسینؑ نے اپنے فرزند علی اکبرؑ کے سرہانے یہ شعر پڑھے کہ:

یا کوکباً ما کان اقصر عمره   وکذاک عمر کواکب الاسحار

فاذا نطقت فانت اول منطقی   واذاسکتّ فانت فی اضماری

☆ اسی طرح اہلِ کوفہ سے رحم کی درخواست کے بارے میں کہتے ہیں کہ امام حسینؑ نے اہلِ کوفہ اور اپنے دشمنوں سے پانی طلب کرتے ہوئے فرمایا: یا قوم ! اسقونی شربة من الماء فقد نشفت کبدی من الظَمأ. (اے لوگو! مجھے پانی دے دو، پیاس سے میرا کلیجہ خشک ہوا جارہا ہے۔)

جہاں تک مذکورہ بالا اشعار کا تعلق ہے، تو اس حقیر کو اپنی تحقیقات کے دوران کسی بھی معتبر یا حتیٰ غیر معتبر کتاب میں بھی یہ دو شعار نہیں ملے۔ البتہ لوگوں کی زبانوں پر، چند رسالوں اور رسالوں ہی کی طرح کی چند کتابوں میں یہ شعائر دکھائی دیتے ہیں۔

جہاں تک اشعار کی بات ہے تو یہ دو اشعار مصر کے معروف شیعہ ادیب اور شاعر ((ابو الحسن علی ابن محمد تہامی)) کے ہیں، جو انہوں نے اپنے چھوٹے بیٹے کی وفات کے موقع پر کہے تھے۔ تہامی کو ۴۱۶ ھ میں مصر میں قتل کیا گیا۔ ان کے اس قصیدے میں مجموعی طور پر ۸۴ بیت ہیں۔(۱)

۱-اسی قصیدے میں درج ذیل اشعار بھی ہیں۔

حکم المنیّة فی البریة جار   ماهذه الدنیا بدار قرار

فالعیش نوم والمنیّة یقظة   والمرء بینها خیالٌ سار

أبکیه ثم أقول معتذراله   وُوُفِّقتُ حین تحرکت اُلأم دار

جاورتُ أعدائی وجاوَرَ رَبَّهُ   شتّان بین جواره وجواری

تہامی کے بارے میں مزید معلومات کے لئے درج ذیل کتب سے رجوع (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

اور آخر میں رہا امام حسینؑ کا دشمن سے رحم کی درخواست کرنے اور اس سے پانی طلب کرنے کا مسئلہ، تو اس کے بارے میں عرض ہے کہ جس طرح اسکا ذکر کیا جاتا ہے اس طرح یہ کسی بھی تاریخی ماخذ میں موجود نہیں ہے اور بظاہر عبارت کو صحیح طور پر نہ سمجھنے اور اس کے سیاق و سباق کو مدنظر نہ رکھنے کے نتیجے میں اس بات نے جنم لیا ہے۔

اس مسئلے کی وضاحت میں عرض ہے کہ: امام حسین علیہ السلام کی طرف سے پانی طلب کرنے کی بات تین مواقع پر دو مختلف عبارتوں میں کی جاتی ہے۔ ان میں سے دو مواقع کا زیرِ بحث موضوع اور اہلِ کوفہ سے پانی طلب کرنے سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ کیونکہ ان میں سے ایک موقع پر یوں درج ہے: **فقصده القوم و هو فی ذلک یطلب شَربَة من ماء فکلما حمل بفرسه علی الفرات حملوا علیه بأجمعهم حتی اجلوه عنه (۱)** (اہلِ کوفہ نے امامؑ پر اس وقت حملہ کیا جب آپؑ حصولِ آب کے لئے کوشاں تھے۔ وہ اپنے گھوڑے کو لے کر فرات تک پہنچنے کی جتنی بھی کوشش کرتے اہلِ کوفہ انہیں فرات سے دور رکھنے کے لئے اتنی ہی شدت سے یلغار کرتے۔)

اسی طرح دوسرے موقع کے بارے میں تحریر ہے: **و جعل الحسین یطلب الماء و شمر یقول له و الله لا ترده او ترد النار (۲)** (حسینؑ پانی کے حصول کی کوشش کر رہے تھے اور شمر ان سے کہہ رہا تھا کہ بخدا آپؑ پانی تک پہنچنے سے پہلے (نعوذ باللہ) داخلِ جہنم ہوں گے۔)

جیسا کہ آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں، ان دونوں مواقع پر اگرچہ **یطلب شربة من ماء**

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ) فرمائیے۔ وفیات الاعیان - ج ۳ - ص ۳۷۸، قاموس الاعلام - ج ۳ - ص ۱۷۱۰، الکنی والالقاب - ج ۱ - ص ۴۶، ریحانۃ الادب - ج ۱ - ص ۳۵۶۔

۱- مقتل خوارزمی - ج ۲ - ص ۳۳ اور ۳۴، بحار الانوار - ج ۴۵ - ص ۵۱۔

۲- مقاتل الطالبین - ص ۸۶، بحار الانوار - ج ۴۵ - ص ۵۱۔

اور **یطلب الماء** کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں لیکن فرات پر حملے اور پانی تک پہنچنے کے قرینے سے واضح ہے کہ یہاں ((**یطلب**)) سے مراد اہل کوفہ سے پانی طلب کرنا نہیں ہے بلکہ اس کا مفہوم فرات تک پہنچ کے اور اس میں داخل ہو کے پانی حاصل کرنا ہے۔

صرف تیسرے موقع پر ((نافع ابن ہلال)) کے بیان میں یوں آیا ہے کہ: **فاستقی فی تلک الحالة الماء** (۱) (انہوں نے اپنی شہادت سے پہلے پانی طلب کیا۔)

اس مقام پر یہ فقہی سوال پیش آتا ہے کہ اگر خطیب روزے سے ہو اور ((نافع بن ہلال)) کے اس مذکورہ کلام کی بنیاد پر یا ان کے کلام سے ہٹ کر بھی نہ صرف یہ کہ کسی بھی کلام کو امامؑ کی طرف نسبت دے بلکہ ''**استقی**'' اور اسی طرح کے کسی اور لفظ سے ازخود ((**یا قوم اسقونی شربة من الماء فقد نشفت کبدی من الظمأ**)) کا جملہ بنا ڈالے تو کیا ایسے مقرر یا خطیب کا روزہ صحیح رہے گا یا باطل ہو جائے گا؟

۱- بحار الانوار- ج ۴۵- ص ۵۷۔

۸۲

میدانِ شہادت میں امام حسینؑ کی رجز خوانی

اَلْـمَـوْتُ اَوْلیٰ مِنْ رُکُوبِ الْعَارِ وَالْعَارُ اَوْلیٰ مِنْ دُخُولِ النّار (۱)

اَنَـا الْـحُسَیْـنُ بْنُ عَلِـیٍّ آلَیْـتُ اَنْ لاَ اَنْثَـنِـی

اَحْـمِـی عِیَـالاٰتِ اَبِـی اَمْـضِـی عَـلیٰ دِیـنِ الـنَّبي

☆☆☆

اَنَا ابْنُ عَلِیٍّ الْخَیْرِ مِنْ آل هٰاشِمٍ کَـفٰانِی بِهٰذٰا مَفْخَراً حِینَ اَفْخَرُ

وَجَدّی رَسُولُ اللهِ اَکْرَمُ مَنْ مَضیٰ وَنَحْنُ سِرٰاجُ اللهِ فی الْأَرْضِ نَزْهَرُ

وَفَـاطِـمَةُ اُمّی ابنَةُ الطُّهْرِ اَحْمَدَ وَعَمّی یُدْعیٰ ذُو الجَنٰا حَیْنِ جَعْفَرُ

وَفِیـنٰا کِتٰابُ اللهِ اُنْزِلَ صٰادِعاً وَفِیـنَا الْهُدیٰ وَالْوَحْیُ بِالْخَیْرِ یُذْکَرُ

وَنَحْنُ اَمٰانُ اللهِ فِی الْخَلْقِ کُلِّهِمْ نَسِّرُ بِهٰذٰا فـي الأَنٰامِ وَنَجْهَرُ

وَنَـحْنُ وُلاٰةُ الْحَوضِ نَسْقِی مُحِبَّنٰا بِـکَأْسٍ وَذٰاکَ الْحَوْضُ للسَقی کَوْثَرُ

فَیَسْـعَـدُ فِینٰا فِي الْقِیٰامِ مُحِبّنٰا وَمُبْغِضُنٰا یوم الْقِیٰمَةِ یَخْسَرُ (۲)

☆☆☆

۱۔ مقتل عوالم اور مثیر الاحزان۔

۲۔ مقتل خوارزمی۔ ج ۲۔ ص ۳۳

كَفَرَ الْقَوْمُ وَقِدْماً رَغِبُوا عَنْ ثَوابِ اللهِ رَبِّ الثَّقَلَيْنِ
قَتَلُوا قِدْماً عَلِيّاً وَابْنَهُ حَسَنَ الْخَيْرِ وَجاءَ وَالِلْحُسَيْنِ
خِيَرَةُ اللهِ مِنَ الْخَلْقِ أَبِي بَعْدَ جَدِّي وَاَنَا ابْنُ الْخِيَرَتَيْنِ (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

آلَيْتُ (اِيْلاء سے): قسم کھانا۔ اِنْثِناء: عاجزی، ذلت قبول کر لینا، یہاں اس لفظ سے امامؑ نے باطل کے سامنے جھکنا مراد لئے ہیں۔ اَمْضِی: مارا جاؤں گا، قتل ہو جاؤں گا۔ نَزْهَرُ (زَهَرَ زَهُوراً سے): چمکنا۔ صادِع (صَدَعَ سے): مطلب بیان کرنا، کسی مسئلے کو سامنے لانا اور حل کرنا۔ رَغِبَ: اگر عن کے ساتھ متعدی ہو تو اس کا مطلب رخ پھیرنا، دور ہونا ہے۔

ترجمہ اور تشریح

عاشور کے دن جس وقت حسین ابن علیؑ نے تنہا، بنفسِ نفیس دشمن کے خلاف جنگ کا آغاز کیا، اس وقت سے آپؑ کی شہادت تک کے درمیانی عرصے میں، تین قابل توجہ اور اہم باتیں آپؑ سے نقل کی گئی ہیں، جنہیں ہم اس کتاب کے خاتمے پر حسن اختتام کے طور پر اپنے عزیز قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ یہ باتیں درج ذیل ہیں:

۱: امامؑ کے رجز۔

۲: امامؑ کا آفاقی پیغام۔

۳: امامؑ کا اللہ رب العزت سے راز و نیاز۔

میدانِ جنگ میں امام علیہ السلام کی رجز خوانی کے حوالے سے کتبِ تاریخ میں بہت سے مختلف اشعار نقل ہوئے ہیں۔ ہم یہاں ان میں سے محض تین کے ذکر پر اکتفا کریں گے۔

۱۔ مقتل خوارزمی۔ ج ۲۔ ص ۳۳۔

کتاب ((عوالم)) کے مصنف اور ((ابن نما)) نے لکھا ہے کہ حسین ابن علیؑ دشمن کی صفوں پر حملہ کرتے ہوئے یہ رجز پڑھ رہے تھے:

اَلْمَوْتُ اَوْلیٰ مِنْ رُکُوبِ الْعَارِ   وَالْعَارُ اَوْلیٰ مِنْ دُخُولِ النَّارِ

اَنَا الْحُسَیْنُ بْنُ عَلِیٍّ   آلَیْتُ اَنْ لاَ اَنْثَنِی

اَحْمِی عِیَالاتِ اَبِی   اَمْضِی عَلیٰ دِینِ النَّبِي

((موت ذلت قبول کرنے سے بہتر ہے اور ذلت قبول کر لینا آتش جہنم میں جانے سے بہتر ہے۔ میں حسین ابن علی ہوں، میں نے قسم کھائی ہے کہ دشمن کے سامنے ہرگز سر نہ جھکاؤں گا۔ میں اپنے والد کے اہل وعیال کی حفاظت کروں گا اور نبیؐ کے دین کی راہ میں مارا جاؤں گا۔))

((خوارزمی)) کہتے ہیں کہ: حسین ابن علیؑ اس حال میں دشمن کے مقابل آئے کہ آپؑ گھوڑے پر سوار تھے، آپؑ کے ہاتھ میں تلوار تھی، آپؑ کو اپنی زندگی کی کوئی پروا نہ تھی اور آپؑ موت وشہادت کا پکا عزم کئے ہوئے تھے اور یہ اشعار پڑھتے ہوئے آپؑ نے دشمن کی صفوں پر حملہ کیا:

اَنَا ابْنُ عَلِیٍّ الْخَیْرِ مِنْ آلِ هَاشِمٍ   کَفَانِی بِهٰذَا مَفْخَراً حِینَ اَفْخَرُ

وَجَدِّی رَسُولُ اللّٰهِ اَکْرَمُ مَنْ مَضیٰ   وَنَحْنُ سِرَاجُ اللّٰهِ فِی الْأَرْضِ نَزْهَرُ

وَفَاطِمَةُ اُمِّی اُبْنَةُ اطُّهْرِ اَحْمَدَ   وَعَمِّی یُدْعیٰ ذُو الْجَنَا حَیْنِ جَعْفَرُ

وَفِینَا کِتَابُ اللّٰهِ اُنْزِلَ صَادِعاً   وَفِینَا الْهُدیٰ وَالْوَحْیُ بِالْخَیْرِ یُذْکَرُ

وَنَحْنُ اَمَانُ اللّٰهِ فِی الْخَلْقِ کُلِّهِمْ   نُسِّرُ بِهٰذَا فِي الْأَنَامِ وَنَجْهَرُ

وَنَحْنُ وُلاَةُ الْحَوْضِ نَسْقِی مُحِبَّنَا   بِکَأْسٍ وَذَاکَ الْحَوْضُ لِلسَّقِی کَوْثَرُ

فَیَسْعَدُ فِینَا فِي الْقِیَامِ مُحِبُّنَا   وَمُبْغِضُنَا یَومَ الْقِیٰمَةِ یَخْسَرُ

((میں علی کا بیٹا ہوں جو آلِ ہاشم کے بہترین فرد ہیں اور یہی میرے لئے سب

سے بڑا افتخار ہے۔ میرے جدِ امجد رسولِ خداؐ ہیں جو تاریخ کی بہترین شخصیت ہیں اور ہم اللہ کے وہ چراغ ہیں جو زمین پر روشن رہتے ہیں۔ میری ماں فاطمہؑ ہیں جو احمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی پاکیزہ بیٹی ہیں اور میرے چچا جعفر ہیں جو ذوالجناحین کے لقب سے مشہور ہیں۔ اللہ کی کتاب ہمارے پاس ہے' وہ کتاب جو ہدایت و رہنمائی کے لئے نازل ہوئی ہے۔ اور وحی اور ہدایت ہمارے پاس ہے جسے اچھے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ہم تمام مخلوقات کے لئے اللہ کی طرف سے پناہ گاہ ہیں' یہ وہ حقیقت ہے جس کا کبھی ہم کھل کر اعلان کرتے ہیں اور کبھی پوشیدہ طور سے بتاتے ہیں۔ ہم حوض کے ساقی ہیں اور قیامت کے دن اپنے چاہنے والوں کو خاص پیالوں سے سیراب کریں گے' اور یہ حوض وہی حوضِ کوثر ہے۔ قیامت کے دن ہمارے چاہنے والے ہمارے ذریعے سعادت و کامیابی پائیں گے اور ہمارے دشمن اس دن نقصان اٹھائیں گے۔))

((خوارزمی)) لکھتے ہیں کہ امام علیہ السلام حملہ کرتے ہوئے یہ اشعار بھی پڑھ رہے تھے:

كَفَرَ الْقَوْمُ وَقِدْماً رَغِبُوا   عَنْ ثَوابِ اللهِ رَبِّ الثَّقَلَيْنِ

قَتَلُوا قِدْماً عَلِيّاً وَابْنَهُ   حَسَنَ الْخَيْرِ وَجٰاءَ وَالِلْحُسَيْنِ

خِيَرَةُ اللهِ مِنَ الْخَلْقِ أَبِي   بَعْدَ جَدّي وَأَنَا ابْنُ الْخِيرَتَيْنِ

((ان لوگوں نے کفر اختیار کیا اور پہلے بھی ان لوگوں نے جن و انس کے پروردگار کے ثواب سے اپنے آپ کو دور رکھا تھا۔ پہلے بھی (ان لوگوں نے) علی اور ان کے نیک سیرت بیٹے حسن کو قتل کیا تھا اور اب حسینؑ کو قتل کرنے پر کمر بستہ ہیں۔ میرے جدِ امجد (رسولِ کریمؐ) کے بعد میرے والد (علیؑ مرتضیٰ) اللہ کی بہترین مخلوق تھے اور میں ان دو بہترین ہستیوں کا فرزند ہوں۔))

❁ ✹ ❁

۸۳

قتل گاہِ کربلا سے امامؑ کا آفاقی پیغام

«یا شِیعَةُ آلِ اَبی سُفیان اِنْ لَمْ یَکُنْ لَکُمْ دِیْنٌ وَ کُنْتُمْ لاٰتَخافُونَ الْمَعاد فَکُونُوا اَحْراراً فی دُنْیا کُمْ وَارْجِعُوا اِلیٰ اَحْسابِکُمْ اِن کُنتم عرباً کما تزعمون......اَنَا الَّذی اُقاتِلُکُمْ وَ تقاتِلُونی وَالنَّساءُ لَیْسَ عَلَیْهِنَّ جُناحٌ فامنعوا عُتاتکُمْ عَنِ التَّعَرُّضِ لِحَرَمي مادُمْتُ حَیّاً .» (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

جُناح : گناہ۔ عُتات (عاتی کی جمع): ظالم، ستمگر۔

ترجمہ اور تشریح

«خوارزمی» کا بیان ہے کہ امام حسین علیہ السلام دشمن پر پے در پے حملے کرتے ہوئے سخت جنگ میں مشغول تھے۔ ہر حملے میں آپؑ دشمن کے متعدد افراد کو خاک وخوں میں نہلا دیتے۔ یکبارگی دشمن نے فیصلہ کیا کہ امامؑ پر نفسیاتی ضرب لگا کر ان کے گھٹنے ٹکوا دیں۔ لہٰذا وہ امامؑ اور اہلِ حرم کے خیام کے درمیان حائل ہو گئے اور خیموں پر حملہ شروع کر دیا۔

۱۔ مقتل خوارزمی۔ ج ۲۔ ص ۳۳۔

اس موقع پر امام علیہ السلام نے بلند آواز میں پکار کر کہا:

((یٰا شِیْعَةُ آلِ اَبِی سُفْیٰان! اِنْ لَمْ یَکُنْ لَکُمْ..... اے خاندانِ ابو سفیان کے پیروکارو! اگر تمہارا کوئی دین نہیں ہے، اور قیامت کا بھی تمہیں کوئی خوف نہیں ہے تو کم از کم اس دنیا میں آزاد انسانوں کی طرح زندگی بسر کرو، اور اگر خود کو عرب سمجھتے ہو تو اپنے اجداد (کی سیرت) ہی کو پیش نظر رکھو۔))

شمر نے کہا: مٰا تَقُوْلُ یٰا حُسَیْنُ (اے حسین! کیا کہہ رہے ہو؟)

جواب میں امامؑ نے فرمایا:

((اَنٰا الَّذِی اُقٰاتِلُکُمْ ...... میں تم سے لڑ رہا ہوں اور تمہاری جنگ مجھ سے ہے، ان عورتوں کی کوئی تقصیر نہیں، اپنے ان سرکشوں سے کہو کہ جب تک میں زندہ ہوں میرے حرم پر حملہ نہ کریں۔))

شمر نے کہا: لَکَ ذٰلِکَ یٰا ابْنَ فٰاطِمَةَ (فاطمہ کے بیٹے میں تمہیں یہ حق دیتا ہوں)۔ یعنی آپ حق بجانب ہیں۔

پھر شمر نے اپنے سپاہیوں کو آواز دے کر کہا: اِلَیْکُمْ عَنْ حَرَمِ الرَّجُلِ وَ اقْصُدُوْهُ بِنَفْسِهِ لَهُوَ کُفُوٌ کَرِیْمٌ (ان کے حرم سے دور ہو جاؤ اور خود انہی پر حملہ کرو، تمہارا مدمقابل بہت کریم النفس ہے۔)

آفاقی پیغام

حسین ابن علیؑ کا یہ کلام اگرچہ بظاہر ایک خاص موقع سے مختص نظر آتا ہے۔ آپؑ نے ان الفاظ کے ذریعے اہلِ کوفہ کو اس وقت مخاطب کیا جب ان لوگوں نے انتہائی بے غیرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اہل حرم کے خیام پر حملے کا آغاز کیا تھا، لیکن دراصل یہ کربلا کے مقتل سے ہر دور سے تعلق رکھنے والے تمام انسانوں کے لئے ایک عمومی اعلامیہ اور عالمی منشور کی حیثیت

رکھتا ہے۔ آپؑ کا پیغام تھا کہ: اے انسانو! اگر تم آسمانی احکام اور اللہ کے قوانین کے معتقد اور پابند نہیں، تو کم از کم اپنے قومی رسم و رواج ہی کا خیال رکھو۔ اور آج کی زبان میں ''بین الاقوامی قوانین'' ہی کے تابع ہو جاؤ۔

جنگ اور دفاع کے حوالے سے تمام آسمانی ادیان' بالخصوص دینِ مقدسِ اسلام نے جو دستور اور اصول فراہم کئے ہیں ان میں فریق مخالف کے ہر قسم کے حقوق پر تجاوز سے منع کیا گیا ہے' حتیٰ اس صورت میں بھی جبکہ جارحیت بھی اسی کی طرف سے ہوئی ہو۔

''وَ قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ط اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ.''

''جو لوگ تم سے جنگ کرتے ہیں (اور تمہارے خلاف جنہوں نے جنگ کا آغاز کیا ہے) تم بھی ان سے راہِ خدا میں جہاد کرو اور زیادتی نہ کرو کہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔'' (سورۂ بقرہ۲- آیت ۱۹۰)

یعنی وہ لوگ جو خود جنگ میں شریک ہیں' ان کے سوا تم دشمن کے دوسرے افراد کو نقصان مت پہنچاؤ۔ حملہ آوروں کے گھروں کو تباہ نہ کرو' ان کے درختوں کو مت کاٹو' ان پر پانی بند نہ کرو' دشمن کے زخمیوں کا علاج معالجہ کرو' میدان چھوڑ کر بھاگنے والے دشمن کا پیچھا مت کرو اور عورتوں اور بوڑھوں کو تکلیف نہ پہنچاؤ۔ حد یہ ہے کہ حملہ کرنے والوں کو برا بھلا بھی مت کہو۔

جی ہاں! ''لَا تَعْتَدُوْا'' کا حکم نازل ہونے اور حسین ابن علیؑ کے مذکورہ آفاقی پیغام کے اعلان کے صدیوں بعد عالمِ بشریت اور متمدن کہے جانے والے قانون سازوں نے بھی جنگوں کے لئے اصول و قوانین وضع کئے ہیں۔ البتہ ان کے بنائے ہوئے یہ اصول و قوانین' اسلام کے پیش کردہ قوانین سے کہیں درجے کم حیثیت کے حامل ہیں۔

بے شک یہ دو پیروں پر چلنے والا حیوان' ہر درندے سے زیادہ درندہ صفت ہو جانے والا یہ خود غرض انسان' جب تک آسمانی ادیان کی تربیت سے فیضیاب نہ ہو' اور جب تک انسانیت

کے مرحلے میں داخل نہ ہو (جو صرف اور صرف انبیائے الٰہی کی تعلیمات پر عمل ہی کی صورت میں ممکن ہے) کیا اپنے آپ کو ان دساتیر' اعلامیوں' اور قوانین کا پابند کر سکتا ہے؟

ہم نے دیکھا کہ شمر' جس نے امامؑ کے مقابلے کے دوران اپنے سپاہیوں کو خیام حسینیؑ پر یورش سے روکا' تو ان وحشیوں کا یہ پیچھے ہٹنا صرف وقتی طور پر تھا' اور امامؑ کے کلام کی معنوی تاثیر تھی جس نے اس وقت شمر کو متاثر کیا۔ یہی وجہ ہے کہ امامؑ کی شہادت کے بعد ان اشقیا نے ایک مرتبہ پھر اہل حرم کے خیموں پر حملہ کیا' ان کا مال و اسباب لوٹا اور عورتوں اور بچوں پر ظلم کے پہاڑ توڑے۔

۸۴

حسین ابن علیؑ کی آخری مناجات

"اَللّٰهُمَّ مُتَعالَی الْمَکانِ عَظِیمَ الْجَبَرُوتِ شَدِیدَ الْمحالِ عَنیّ غَنیُّ عَنِ الْخَلائِقِ عَرِیضُ الْکِبْرِیاءِ قادِرٌ علیٰ ماتَشاءُ قَرِیبُ الرَّحْمَةِ صادِقُ الْوَعْدِ سابغُ النِّعْمَةِ حَسَنُ الْبَلاءِ قَرِیبٌ اِذا دُعِیتَ مُحِیطٌ بِما خَلَقْتَ قابِل التَّوْبَةِ لِمَنْ تابَ اِلَیْکَ قادِرٌ علیٰ ما اَرَدْتَ تُدرِکُ ما طَلَبْتَ شَکُورٌ اِذا شُکِرْتَ ذکُورٌ اِذا ذُکِرْتُ اَدْعُوکَ مُحْتاجاً وَاَرْغَبُ اِلَیْکَ فَقِیراً وَاَفْزعُ اِلَیْکَ خائِفاً وَاَبْکِی مَکْرُوباً وَاَسْتَعِینُ بِکَ ضَعِیفاً وَاَتَوَکَّلُ عَلَیْکَ کافِیاً اَللّٰهُمَّ احْکُمْ بَیْنَنا وَبَیْنَ قومنا فَاِنَّهُمْ غرُّونا وَخَذَلُونا وَغَدَرُوا بِنا وَقَتَلُونا وَنَحْنُ عِتْرَةُ نبیِّکَ وَوُلْدُ حَبِیبِکَ مُحَمَّدٍ (ص) الَّذی اصْطَفَیْتَهُ بِالرِّسالَةِ وَأتَمَنْتَهُ عَلَی الْوَحْیِ فَاجْعَلْ لَنا مِنْ اَمْرِنا فَرَجاً وَمَخْرَجاً یا اَرْحَمَ الرّاحِمِینَ.

.....صَبراً عَلیٰ قضائِکَ یا رَبِّ لاٰ اِلٰهَ سِواکَ یا غِیاثَ الْمُسْتَغِیثِینَ مالِی رَبٌّ سِواکَ وَلاٰ مَعْبُودٌ غَیرُکَ صَبْراً عَلیٰ حُکْمِکَ یا غِیاثَ مَنْ لاٰ غِیاثَ لَهُ یا دائِماً لاٰ نَفادَ لَهُ یا مُحْیِي الْمَوتیٰ یا قائِماً عَلیٰ کُلِّ نَفْسٍ بِما کَسَبَتْ اُحْکُمْ بَیْنی وَبَیْنَهُمْ وَاَنْتَ خَیْرُالْحاکِمِینَ.»

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

مُتَعال : اعلیٰ، بلند۔ جَبرُوت (مبالغے کا صیغہ ہے): طاقت، غلبہ۔ مِحال (میم پر زیر کے ساتھ): باریک بینی، اختیار۔ عَرِیض : پھیلا ہوا۔ کِبرِیاء : عظمت و کبریائی۔ سابِغ : وسیع۔ شَکُور : شکر کرنے والا، اللہ تعالیٰ کے اسما میں سے ایک اسم، جس کے معنی ہیں کم چیز کے بدلے میں زیادہ جزا دینے والا۔ ذَکُور : یاد دلانے والا، بہت زیادہ ذکر کرنے والا۔ بَلاء : امتحان، آزمائش۔ رَغِبَ اِلَیہِ : گریہ و آہ و زاری کی۔ فَقِیر: ضرورت مند۔ فَزِعَ اِلَیہِ : اس سے پناہ مانگی۔ کَرب : غم و اندوہ۔ غَرُّونا (غرّ سے): ہمیں دھوکا دیا۔ غَدر : خیانت کرنا۔ غِیاث : مدد۔ اِستِغاثَه : مدد مانگنا۔ نَفاد : ختم ہو جانا۔

ترجمہ اور تشریح

«مصباح المتہجد» میں شیخ الطائفہ شیخ طوسی اور کتاب «اقبال» میں سید ابن طاؤس لکھتے ہیں کہ اپنی زندگی کے آخری لمحات میں حسین ابن علیؑ نے آنکھیں کھولیں، آسمان کی طرف نگاہ ڈالی اور آخری مرتبہ اپنے پروردگار سے ان الفاظ میں مناجات کی۔(۱)

۱۔ ان دونوں علما نے یہ دعا اور مناجات تین شعبان کی دعاؤں میں تحریر کی ہے اور اسے پڑھنے کی تاکید کی ہے۔ قابل توجہ بات یہ بھی ہے کہ دونوں نے اس سلسلے میں عاشور کے دن کو «یوم کوثر» سے تعبیر کیا ہے۔

«اَللّٰھُمَّ مُتَعَالِی الْمَکَانِ عَظِیمَ ..... اے خدا' اے صاحبِ عظمت اور بلند مرتبت' اے شدید غضب والے! تیری قدرت ہر قدرت سے بڑھ کر ہے۔ تو اپنی ہر مخلوق سے بے نیاز ہے اور تیری بڑائی ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے۔ تو قادر ہے کہ جو چاہے انجام دے۔ تیری رحمت اپنے بندوں سے نزدیک ہے۔ تیرا وعدہ سچا ہے' تیری نعمتیں پھیلی ہوئی ہیں۔ تیرے امتحان میں خوبصورتی ہے۔ اپنے ان بندوں سے تو نزدیک تر ہے جو تجھے پکارتے ہیں۔ اپنی مخلوقات پر تیری مکمل گرفت ہے۔ جو کوئی توبہ کرے تو اسکی توبہ قبول کرنے والا ہے۔ تو جو بھی ارادہ کرے اسے انجام دینے پر قدرت رکھتا ہے اور جو چاہے حاصل کر سکتا ہے۔ جب تیرا شکر ادا کیا جاتا ہے تو' تو شکریہ قبول کرتا ہے اور جب تیرا ذکر ہو تو تو ذکر کرنے والے کو یاد رکھتا ہے۔ میں تجھے اس حالت میں پکار رہا ہوں کہ تیری مدد کی مجھے ضرورت ہے' اور اس حالت میں تیری جانب میری توجہ ہے کہ سخت ضرورت میں ہوں۔ اس خوف کے عالم میں' میں تجھے پکار رہا ہوں اور تیرے سامنے اپنے درد وغم کے لئے گریہ وزاری کرتا ہوں اور اپنی کمزوری کے عالم میں تجھ ہی سے مدد مانگتا ہوں اور تجھ ہی پر میرا انحصار ہے اور تو میرے لئے کافی ہے۔

بارِ الٰہا! ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان تو ہی فیصلہ کر دے۔ انہوں نے ہمیں دھوکا دیا' ہمیں بے یار و مددگار چھوڑ دیا' اور ہمارے ساتھ وعدہ خلافی کی۔ انہوں نے ہمیں قتل کیا جبکہ ہم تیرے نبی کی عترت اور تیرے حبیب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اولاد ہیں۔ وہ محمدؐ جنہیں تو نے اپنی رسالت کے لئے منتخب کیا اور اپنی وحی کا امانت دار بنایا۔

پس اے پروردگار! ہمارے لئے مدد اور راہِ نجات نازل فرما' اے سب رحم

کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والے۔))

امامؑ نے ان جملات پر اپنی مناجات ختم کی کہ:

((.... صَبراً عَلیٰ قَضائِکَ یا رَب..... بارِالٰہا! ہم تیری قضاوقدر کے سامنے صابر وشاکر ہیں، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، اے فریاد کرنے والوں کے فریادرس، تیرے سوا میرا کوئی پالنے والا نہیں ہے اور نہ ہی کوئی معبود ہے، میں تیرے حکم پر صبر کرنے والا ہوں۔ اے اس کی مدد کرنے والے جس کا کوئی مددگار نہ ہو، اے ہمیشہ زندہ رہنے والے جس کا کوئی اختتام نہیں ہے، اے مُردوں کو زندہ کرنے والے اور ہر ایک کے اعمال کے مطابق اسکا حساب کرنے والے، تو ہی میرے اور ان (لوگوں) کے درمیان فیصلہ فرما اور تو ہی فیصلہ کرنے والوں میں سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا ہے۔))

پھر جب خاک پر اپنا چہرہ رکھا تو فرمایا:

بِسْمِ اللّٰهِ وَ بِاللّٰهِ وَ فِی سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ عَلیٰ مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ. (۱)

۱-لہوف-ص ۱۱۰۔

مصادر و ماخذ

نام کتاب	مولف	مطبوعہ
ارشاد	شیخ مفید (متوفی ۴۱۳ھ)	نجف اشرف
انساب الاشراف	بلاذری (تیسری صدی ہجری کے مورخ)	بیروت، ۱۳۹۷ھ
اصول کافی	شیخ کلینی (متوفی ۳۲۹ھ)	تہران، ۱۳۸۸ھ
اثبات الوصیہ	مسعودی (متوفی ۳۴۶ھ)	قم
الامامۃ والسیاسہ	ابن قتیبہ دینوری (متوفی ۲۷۶ھ)	مصر، ۱۳۸۸ھ
اخبار الطّوال	احمد بن داؤد دینوری (متوفی ۲۸۱ھ)	مطبعۂ عبدالحمید۔ مصر
صحیح بخاری	محمد بن اسماعیل بخاری (متوفی ۲۵۵ھ)	
امالی	شیخ صدوق (متوفی ۳۸۱ھ)	تہران
ابصار العین فی انصار الحسین	سماوی (چودھویں صدی ہجری کے عالم)	مطبعۂ بصیرتی، قم
اعلام الوریٰ	امین الاسلام طبرسی (چھٹی صدی کے عالم)	مطبعۂ اسلامیہ تہران، ۱۳۳۸ھ

ادب الحسین	صابری ھمدانی (معاصر عالم)	قم
بحار الانوار	علامہ مجلسی (متوفی ۱۱۱۰ھ)	مطبعۂ اسلامیہ، تہران
البدایۃ والنھایہ	ابن کثیر دمشقی (متوفی ۷۷۴ھ)	بیروت، ۱۳۸۷ھ
بصائر الدرجات	محمد بن حسن صفار (متوفی ۲۹۰ھ)	تبریز، ۱۳۸۰ھ
تاریخ طبری	محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)	لیدن
تاریخ الخلفاء	جلال الدین سیوطی (متوفی ۹۱۱ھ)	دار الفکر، بیروت ۱۳۹۴ھ
تاریخ یعقوبی	ابن واضح یعقوبی (متوفی ۲۸۴ھ)	دار صادر، بیروت ۱۳۷۹ھ
تاریخ ابن عساکر	ابن عساکر دمشقی (متوفی ۵۷۱ھ)	بیروت، ۱۳۹۸ھ
تحف العقول	حسن بن شعبہ حرانی (چوتھی صدی ہجری کے عالم)	قم، ۱۳۹۴ھ
تذکرۃ الخواص	سبط ابن جوزی	نجف، ۱۳۶۹ھ
تہذیب التہذیب	ابن حجر عسقلانی (متوفی ۸۵۲ھ)	حیدر آباد، ہند، ۱۳۲۶ھ
تنقیح المقال	مامقانی (متوفی ۱۳۵۱ھ)	نجف، ۱۳۵۰-۵۴ھ
مروج الذہب	مسعودی (متوفی ۳۴۶ھ)	قاہرہ، ۱۳۸۴ھ
سفینۃ البحار	حاج شیخ عباس (متوفی ۱۳۵۹ھ)	تہران
طبقات ابن سعد	محمد بن سعد کاتب واقدی (متوفی ۲۳۰ھ)	
عقاب الاعمال	صدوق (متوفی ۳۸۱ھ)	تہران
کامل الزیارات	محمد بن قولویہ (متوفی ۳۶۷ھ)	نجف اشرف، ۱۳۵۶ھ
الکامل	معز الدین ابن اثیر (متوفی ۶۳۰ھ)	بیروت، ۱۳۸۷ھ
کنز العمال	متقی ہندی (متوفی ۹۷۵ھ)	بیروت، ۱۳۹۹ھ
شرح نہج البلاغہ	ابن ابی الحدید (متوفی ۶۵۶ھ)	مصر، ۱۳۷۸ھ
لہوف	سید بن طاؤس (متوفی ۶۷۳ھ)	تہران، ۱۳۲۱ھ

مثیر الاحزان	ابن نما (متوفی ۶۴۵ھ)	تہران
مقتل خوارزمی	خطیب خوارزمی (متوفی ۵۶۸ھ)	قم
مقتل مقرم	عبدالرزاق مقرم (متوفی ۱۳۹۱ھ)	مطبعۂ آداب نجف، ۱۳۹۲ھ
مقتل عوالم	عبداللہ بن نورالدین بحرانی (بارھویں صدی کے ایک عالم)	تہران
مستدرک صحیحین	حاکم نیشاپوری (متوفی ۴۰۵ھ)	
مستدرک الوسائل	محدث نوری (متوفی ۱۳۲۰ھ)	نجف
مناقب	ابن شہر آشوب (متوفی ۵۸۸ھ)	قم
نورالثقلین	ابن جمعہ حویزی (گیارھویں صدی کے ایک عالم)	مطبعۂ اسلامیہ، تہران
دعوات راوندی	قطب الدین راوندی (متوفی ۵۷۳ھ)	قم
وقعۂ صفین	نصر بن مزاحم (متوفی ۲۱۲ھ)	مصر
شرح صحیح بخاری	ابن حجر عسقلانی (متوفی ۸۵۲ھ)	مصر
وسائل الشیعہ	شیخ حر عاملی (متوفی ۱۱۰۴ھ)	تہران
ینابیع المودہ	شیخ سلیمان قندوزی (متوفی ۱۲۹۴ھ)	عراق، ۱۳۸۵ھ
اخبار الزینبیات	عبیدلی (متوفی ۳۱۴ھ)	قم

اور دوسری کتب جن کا ذکر کتاب کے حاشیوں میں کیا گیا ہے۔

کتاب کے مصادر و ماخذ کے بارے میں چند گزارشات

۱- جیسا کہ آپ نے مصادر و ماخذ کی فہرست میں ملاحظہ کیا' اس کتاب کے اکثر مندرجات میں ہم نے اوّل درجے کی اور معتبر و موثق شیعہ اور سنّی کتب کو سند قرار دیا ہے' دوسرے درجے کے بعض مصادر سے صرف خاص مواقع پر بطورِ تائید کے استفادہ کیا ہے۔

۲- اہلِ فضل و دانش اچھی طرح جانتے ہیں کہ مختلف کتب میں نقل ہونے والے بعض تاریخی مسائل' روایات اور احادیث میں مفہوم کے لحاظ سے یا الفاظ و عبارات کے اعتبار سے فرق پایا جاتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ کسی ایک ہی واقعے کا کچھ حصّہ کسی ایک کتاب میں نقل ہوا ہو اور دوسرا حصّہ کسی دوسری کتاب میں درج ہوا ہو۔ لہٰذا قارئین اگر اس کتاب کے کسی حصے کے مصادر و ماخذ سے رجوع کرنا چاہیں تو انہیں چاہئے کہ حوالے کے طور پر دی گئی تمام کتب کا مطالعہ کریں۔

۳- کتابِ ہذا میں جن مصادر و ماخذ سے ہم نے استفادہ کیا ہے' ان میں سے ایک ((طبقاتِ ابن سعد)) ہے' جو ابتدائی مصادر میں سے ایک ہے۔ لیکن اس سلسلے میں یہ یاددہانی ضروری ہے

کہ بدقسمتی سے اس کتاب کے تمام مطبوعہ نسخے ایک ناقص مخطوط نسخے سے لئے گئے ہیں، جن میں سے اہلِ بیتِ پیغمبرؐ کے چند افراد کا تذکرہ چھوٹ گیا ہے، جن میں حضرت امام حسن مجتبیٰ اور امام حسین الشہید علیہم السلام بھی شامل ہیں۔ البتہ خوش قسمتی سے مذکورہ کتاب کا ایک مکمل مخطوط نسخہ استنبول کے توپ کاپی کتب خانے سے دستیاب ہوا ہے، اور ابھی حال ہی میں اس نسخے کی چند فوٹی کاپیاں تیار کی گئی ہیں اور ((طبقات ابن سعد)) میں موجود امام حسین ابن علیؑ کی شہادت سے متعلق روایات کو فاضل محقق آقائی محمودی نے ((تاریخ ابن عساکر)) کی اس جلد میں نقل کیا ہے جو سید الشہداؑ سے مربوط ہے اور جسے ان کی تحقیق کے ساتھ بیروت سے شائع کیا گیا ہے۔ زیر نظر کتاب میں ((طبقاتِ ابن سعد)) سے ہمارا استناد ((ابن عساکر)) کے اسی نسخے کے توسط سے ہے۔ امید ہے کہ ((طبقاتِ ابن سعد)) کا مکمل نسخہ مستقبل قریب میں حوزۂ علمیہ قم کے بعض فضلا کے ذریعے طبع اور نشر ہوگا۔